حُسن گرفتہ
PDFBOOKSFREE.PK
مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ)
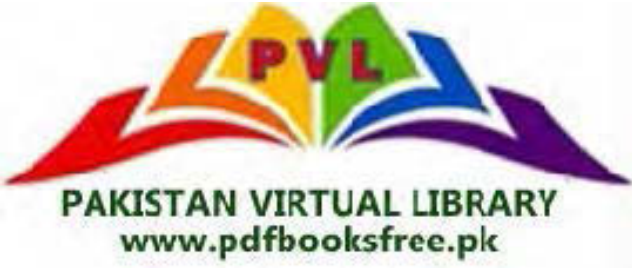
ترتیب

حُسن گرفتہ

ایک عجیب وغریب کیس تھا!
ایک ماں اپنے بیٹے کے خلاف مقدمہ دائر کر کے اسے عدالت میں گھسیٹنا چاہتی تھی۔ وہ اُسے ایسا مزہ چکھانے اور ایسا سبق سکھانے کی خواہش مند تھی جسے وہ زندگی بھر یاد رکھے۔ سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ کوئی سوتیلا یا منہ بولا بیٹا نہیں تھا، اس کا اپنا لخت جگر تھا......اس کی کوکھ سے جنم لینے والا صد فی صد اکلوتا بچہ!

میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی ایسی کوئی ماں دیکھی تھی اور نہ ہی اس کے بارے میں سنا تھا۔ مگر اب دیکھ رہا تھا اور سن بھی رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

ہمارے درمیان ابتدائی تعارف ہو چکا تھا۔ اس خاتون کا نام نگہت سیما تھا۔ عمر پچپن کے قریب رہی ہو گی۔ اس عمر میں بھی اس کے چہرے کے نقوش بتاتے تھے کہ وہ جوانی میں ایک حسین و جمیل عورت رہی ہو گی۔ میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''خاتون! سب سے پہلے تو یہ بتائیں، آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے؟''

''ادریس باری۔'' اس نے جواب دیا۔

''ادریس نے ایسا کیا کر دیا جو آپ اس پر مقدمہ کرنا چاہتی ہیں؟''

''یہ پوچھیں، اس نے کیا نہیں کیا۔'' وہ تیز نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ میں بعد میں پوچھوں گا۔ پہلے وہ بتائیں جس کی سزا کے طور پر آپ ادریس کو عدالت میں گھسیٹنا چاہتی ہیں؟''

اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو میں آپ کو بتا چکی ہوں نا، ادریس میری اکلوتی اولاد ہے اور......میں بیوہ بھی ہوں۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

اس نے مزید کہا۔ ''میرا شوہر بہت ہی محنتی اور ایمان دار شخص تھا۔ اس نے دن رات

محنت کر کے اپنا کاروبار جمایا تھا۔ ادریس چونکہ ہماری اکلوتی اولاد ہے لہٰذا اسے ہم نے بے پناہ محبت دی۔ پال پوس کر بڑا کیا۔ ایک مناسب اور ضروری تعلیم بھی دلائی۔ پھر میرے شوہر ایوب باری نے اسے اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لیا۔ اسے اپنے خاندانی کام کے اسرار و رموز سکھائے اور اس قابل بنا دیا کہ وہ باپ کی غیر موجودگی میں اکیلا کاروبار سنبھال سکے اور چلا سکے۔ یہ ہماری مجبوری اور اشد ضرورت بھی تھی کیونکہ ایوب باری کے بعد ادریس ہی کو یہ کام کرنا تھا......"

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی، ایک گہری سانس خارج کی اور سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"آج سے لگ بھگ دو سال پہلے میرے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ جب ہم ماں بیٹا اس صدمے سے سنبھلے تو ادریس نے کاروبار کا رخ کیا۔ مجھے اپنے شوہر کی محنت پر پورا یقین تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ ادریس اپنے خاندانی کام کو بڑی خوش اسلوبی سے چلا لے گا لیکن اس نے میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئی تھی کہ میں نے جلدی سے پوچھ لیا۔ "آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے مرحوم شوہر کا کاروبار کیا تھا؟"

"کیوں نہیں وکیل صاحب!" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "انسان کو اپنے خاندانی کام، اپنے پیشے پر فخر کرنا چاہئے۔ میں ادریس کی طرح نہیں ہوں کہ اپنے آبائی پیشے کے بارے میں بتاتے ہوئے شرم محسوس کروں۔ آپ نے صدر کا علاقہ تو دیکھا ہوگا؟"

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی اور کہا۔ "ہاں...... دیکھا ہے۔"

"پھر تو آپ نے 'باری ہیئر ڈریسر' بھی دیکھا ہوگا۔" اُس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"باری ہیئر ڈریسر......!" میں نے زیرِلب دہرایا اور سوچ میں پڑ گیا۔

"جناب! یہ صدر کی بہت مشہور دکان ہے۔" اس نے میری معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔

میں نے اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "یقیناً ہو گی...... لیکن یہ اتفاق ہے کہ 'باری ہیئر ڈریسر' میری نظر سے نہیں گزرا...... خیر، آپ آگے بتائیں۔"

سچی بات تو یہ ہے کہ صدر کے علاقے میں میرا بہت کم جانا ہوتا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہاں "باری ہیئر ڈریسر" نامی کوئی باربر شاپ موجود تھی یا نہیں۔ نگہت بیگم نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا جیسے اسے میرے جواب سے بڑی مایوسی ہوئی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ "باری

ہیئر ڈریسر" واقعی کوئی مشہور ہیئر کٹنگ سیلون تھا۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد نگہت بیگم اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "خیر...... تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ ادریس میری توقعات پر بالکل پورا نہیں اُترا۔ اُس نے سال، ڈیڑھ سال کے اندر ہی اپنے باپ کے خوابوں کا شیش محل چکنا چور کر دیا۔ ایوب نے برسوں کی محنت سے جو عالی شان دُکان سیٹ کی تھی، وہاں اب بہ قولِ شخصے، اُلّو بولتے ہیں۔ آپ یقین کریں وکیل صاحب......!"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر جیسے خیالوں میں گم ہو گئی۔ ایک لحہ گم صم رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ "وکیل صاحب! صدر کے علاقے میں اپنی ذاتی دُکان ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ وہاں دکانیں اور فلیٹس سونے کے بھاؤ بکتے اور خریدے جاتے ہیں۔ بہرحال، ایوب باری نے بڑے خوب صورت انداز میں اپنی دکان کو سیٹ کیا تھا۔ یوں لگتا تھا، کوئی دکان نہ ہو، بلکہ آئینہ خانہ ہو۔ جدھر بھی نگاہ اُٹھاؤ، بڑے بڑے آئینوں میں اپنی ہی صورت نظر آتی تھی۔ چار چار ملازم ایوب کے زیرِ نگرانی کام کرتے تھے۔ لیکن اب وہ ٹھاٹ اور بہار باقی نہیں رہی...... سب ختم ہو گیا۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ورہ ایک دم بڑی آزردہ دکھائی دینے لگی۔ میں چند لمحات تک ہمدردی بھری نظر سے اس کے غم زدہ چہرے کو دیکھتا رہا پھر نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور...... آپ کا خیال ہے، یہ سب کچھ ادریس باری کی غلطی سے ختم ہوا ہے؟"

"غلطی نہیں...... جرم وکیل صاحب!" وہ قطعی لہجے میں بولی۔ "سنگین جرم......!"

"آخر آپ کے بیٹے نے ایسا کیا کر دیا ہے؟" میں نے اس کی بپتا میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "جو آپ اس کے کئے کے لئے 'سنگین جرم' کے الفاظ استعمال کر رہی ہیں؟"

وہ زخمی لہجے میں بولی۔ "اُس نے اپنے باپ کی محنت کو تباہ و برباد کیا ہے، میری اُمنگوں کا خون کیا ہے، میرے جذبات اور احساسات کو کند چھری سے کاٹ ڈالا ہے وکیل صاحب! آپ تصور نہیں کر سکتے کہ میں ادریس کی وجہ سے کیسی ذہنی اذیت اور روحانی عذاب سے گزری ہوں اور...... گزر رہی ہوں۔"

ابھی تک میرے پلے کچھ نہیں پڑا تھا کہ نگہت بیگم کے سپوتِ یکتا نے کس طرح اپنے مرحوم باپ کے جمے جمائے کاروبار کو تباہ کر ڈالا تھا لہٰذا میں نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی خاتون سے پوچھ لیا۔

"آپ مختصر الفاظ میں مجھے یہ بتائیں کہ آپ کے بیٹے نے کس طور اپنے باپ کے کاروبار

کو نقصان پہنچایا ہے؟"

"یہ بھی سن لیں جناب!" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "باپ کے انتقال کے بعد اس نے کاروبار پر سے توجہ ہٹا لی تھی۔ کبھی دکان پر جاتا اور کبھی نہیں اور کبھی دیر سے جا کر جلدی واپس آ جاتا۔ اس طرح دکان داری نہیں چلا کرتی۔ اپنے کام میں، ملازمت کی بہ نسبت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملازموں سے پہلے پہنچنا پڑتا ہے اور سب سے آخر میں نکلنا ہوتا ہے۔ ادریس کے باپ نے اس سلسلے میں کوئی سستی یا بے پرواہی نہیں کی تھی جبھی تو اس نے زیرو سے اسٹارٹ لے کر خود کو ہیرو کے درجے تک پہنچایا تھا۔ لیکن یہ نکتے ادریس کی عقل میں نہیں آتے۔ میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی......!" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی پھر اپنی داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ادریس کے لچھنوں نے جلد ہی رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ جب ملازمین کو سیٹھ کی نگرانی کا کوئی ڈر خوف نہ رہا تو انہوں نے بھی من مانی شروع کر دی۔ دکان پر کیا ہو رہا تھا اس کی مجھے کچھ خبر نہیں تھی لیکن میں اس وقت گہری تشویش میں مبتلا ہو گئی جب کاروبار کی آمدنی میں بڑی تیزی سے کمی واقع ہونے لگی۔ ایک روز میں نے ادریس کو اپنے پاس بٹھایا اور قدرے سختی سے پوچھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اچھا خاصا جما جمایا کاروبار تیزی سے نیچے کیوں آ رہا ہے؟"

"امی! آپ تو گھر میں بیٹھی ہیں۔" وہ قدرے خفگی آمیز لہجے میں بولا۔ "آپ کو کیا پتہ، مارکیٹ کی کیا صورت حال ہے۔ وہ ابو والا زمانہ اب باقی نہیں رہا۔"

"ہاں......تمہارے ابو والا زمانہ تو واقعی اب باقی نہیں رہا۔" میں یک لخت ایوب باری کے خیالوں میں گم ہو گئی تھی۔ "لیکن ایک آدھ سال میں بھلا مارکیٹ کو کیا ہو گیا ہے، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

"ابو کی وجہ سے بہت سارے کسٹمرز بندھے ہوئے تھے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وہ ہماری دکان کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاتے تھے۔ اب انہوں نے ادھر آنا چھوڑ دیا ہے۔ پھر مقابلہ بازی کا بھی رجحان بڑی تیزی سے بڑھا ہے۔ پہلے اس روڈ پر صرف ہماری دکان تھی لیکن اب تین مزید دکانیں کھل گئی ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک سجی سنوری ہوئی۔ اس سے بھی کاروبار پر خاصا فرق پڑا ہے۔"

میں نے اس کی وضاحت سنی اور خاموش ہو گئی۔ میں نے بڑی اچھی طرح یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں ایک سوال کروں گی، وہ اس کے

جواب میں کوئی نہ کوئی وضاحت کر دے گا۔ میں نے اس پر یہی ظاہر کیا کہ اس کے جواب نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔

لیکن میں ہرگز اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ادریس کے علم میں لائے بغیر میں اس کے بارے میں تحقیقات کروں گی۔ اس کی وضاحت مجھے ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اس فیصلے کے بعد میں نے ایک شخص کا انتخاب بھی کر لیا جو اس نوعیت کی تحقیقات کے سلسلے میں میرے کام آ سکتا تھا اور......اس شخص کا نام تھا بشارت!

بشارت ایک طویل عرصے سے ہماری دکان پر کام کر رہا تھا۔ کاریگروں میں وہ سب سے زیادہ پرانا تھا۔ ایوب باری اس پر بہت اعتماد کرتا تھا لیکن میں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ ادریس کی بشارت کے ساتھ کچھ زیادہ نہیں بنتی۔ ادریس کا خیال ہے کہ ایوب باری نے بشارت کو کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا ہے۔ نوکروں کو ایک خاص فاصلے تک محدود رکھنا چاہئے۔ میں ایک دو مرتبہ بشارت سے مل چکی تھی، وہ کسی ضروری کام سے ہمارے گھر آیا تھا اور مجھے اس سے تفصیلی بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ ایک سلجھا ہوا معقول شخص تھا۔ بشارت کا تعلق پنجاب سے تھا۔ اس کی شادی ہو چکی تھی لیکن بیوی بچے ادھر ڈسکہ ہی میں رہتے تھے۔ مجھے اپنے کام کے لئے بشارت نہایت ہی موزوں لگا تھا۔ میں اس پر بھروسہ کر کے ادریس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتی تھی۔

آئندہ روز ادریس باری جیسے ہی گھر سے روانہ ہوا، میں نے دکان پر فون کر دیا۔ ہمارا گھر کورنگی میں ہے جہاں سے صدر کے لئے بالکل سیدھی بس ملتی ہے۔ مجھے اُمید تھی کہ ادریس آدھے گھنٹے سے پہلے دکان پر نہیں پہنچے گا۔ ہماری دکان پر ٹیلی فون کی سہولت موجود ہے اور ٹیلی فون سیٹ، بشارت والی سیٹ کے قریب ہی کارنر میں رکھا رہتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کبھی رکھا رہتا تھا۔ اب تو سب کچھ اُجڑ چکا ہے۔ ٹیلی فون اٹینڈ کرنے کی ذمہ داری بھی بشارت ہی کی تھی۔

اگلے ہی لمحے بشارت کی آواز مجھے سنائی دی۔ "ہیلو!"

میں نے جواب میں اپنا تعارف کرا دیا۔

"اوہ......آنٹی! آپ۔" وہ فرماں برداری سے بولا۔ "خیریت تو ہے نا؟"

"ابھی تک تو خیریت ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ "تم چھٹی کتنے بجے کرتے ہو؟"

"ساڑھے دس، گیارہ تو بج ہی جاتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "کیا آپ کو مجھ سے

کوئی شکایت ہے؟"

"شکایت نہیں........کام ہے........بہت ضروری کام!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جی........جی........آپ حکم کریں۔" ٹیلی فون پر نظر تو نہیں آ رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا، وہ اٹینشن ہو گیا ہوگا۔

میں نے کہا۔"تم دن میں کسی وقت ہمارے گھر پر آ جاؤ۔ میں تم سے چند اہم باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ ٹائم بتا دیں، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"دو بجے آ سکتے ہو؟" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی!" وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔"میں آپ کا ملازم ہوں۔ آپ جب حکم کریں گی، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دو بجے گھر پر تمہارا انتظار کروں گی۔" میں نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔"لیکن ایک چیز کا خیال رکھنا بشارت!"

"جی........کیا........؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

میں نے ٹھوس الفاظ میں کہا۔"اس بات کا کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا یا یہ کہ تم میرے بلانے پر گھر آئے تھے!"

"جی........ میں آپ کے حکم کو یاد رکھوں گا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔"لیکن کیا ادریس صاحب کو........"

میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔"ہاں........ادریس کو تو اس معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنا چاہئے۔ یہ بہت ضروری ہے بشارت!"

"ٹھیک ہے آنٹی! آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔" بشارت نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

"میں دوپہر میں کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے دکان سے نکل آؤں گا۔ کسی کو کبھی اس بات کا پتہ نہیں چل سکے گا کہ آپ نے فون کر کے مجھے گھر پر بلایا تھا۔"

یہاں تک پہنچنے کے بعد نگہت بیگم نے تھوڑا توقف کیا۔ ایک گہری سانس خارج کی اور میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"وکیل صاحب! اس روز بشارت سے ہونے والی ملاقات بہت ہی سود مند رہی۔ میں نے اسے اعتماد میں لے کر ساری صورتِ حال سے آگاہی حاصل کر لی۔ ماشاء اللہ! ہماری

دکان کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن اگر ادریس اپنی روش نہ بدلتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ بشارت نے مجھے بتایا کہ دکان کی آمدنی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ بس یہ اُنیس بیس کا حساب تھا۔ ادریس اگر دکان سے رقم اُٹھا رہا تھا اور مجھ سے غلط بیانی کر رہا تھا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اس رقم کو کہاں خرچ کر رہا ہے؟ بشارت کی مدد سے میں نے جلد ہی ادریس کی غیر نصابی سرگرمیوں کا سراغ لگا لیا۔ مجھے پتہ چلا کہ ناصر کالونی کے ایک گھر میں اس کا بہت آنا جانا ہے۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت وہیں گزارتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ بعض اوقات دُکان سے کئی کئی گھنٹوں کے لئے غائب رہتا ہے۔"

وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے بشارت کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ مجھے اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کے بارے میں پکی معلومات فراہم کرے جہاں ادریس باری اپنا قیمتی وقت برباد کر رہا تھا۔ چند روز کے بعد بشارت نے جو رپورٹ پیش کی وہ میرے ہوش اُڑانے کے لئے کافی تھی۔ مجھے پتہ چلا کہ ناصر کالونی والے مذکورہ گھر میں کوئی اچھی فیملی آباد نہیں۔ محلے میں ان لوگوں کے چال چلن پر اُنگلیاں اُٹھائی جاتی ہیں۔ دبی دبی زبان میں انہیں "دو نمبر لوگ" کہا جاتا ہے۔ بشارت نے اس گھر کے افراد کی جو تفصیل بیان کی اس کے مطابق اس فیملی کا سربراہ مستقیم کچھ بھی نہیں کرتا تھا اور زیادہ تر وقت وہ گھر کے اندر ہی موجود رہتا تھا پھر سودا سلف وغیرہ لانے کے لئے گھر سے نکلتا تھا۔ مستقیم کی بیوی فیروزہ، ٹاور کے نزدیک واقع کسی دفتر میں کام کرتی تھی۔ وہ صبح کی نکلی ہوئی رات ہی کو گھر آتی تھی۔ یہ الگ بات کہ وہ دفتر سے جب جی چاہے چھٹی کر لیتی تھی۔ پتہ نہیں، وہ کس قسم کا دفتر تھا جہاں کام کرنے والوں کو ایسی سہولتیں میسر تھیں۔ بعض محلے داروں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ دفتر کا صرف بہانہ ہے، فیروزہ کسی اور ہی مقصد کے لئے گھر سے نکلتی ہے۔"

نگہت بیگم ایک مرتبہ پھر رُکی، تھوڑا توقف کیا پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ان میاں بیوی کے علاوہ اس گھر میں تین بچے بھی ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام روبی ہے جو بے بی کہلاتی ہے۔ بے بی کی عمر اٹھارہ سال ہے اور وہ سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ لیکن وہ بھی کالج سے بہت زیادہ چھٹیاں کرتی ہے۔ اس سے چھوٹی بیٹی کا نام الماس ہے جو بلی کے نام سے مشہور ہے۔ بلی ساتویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ سب سے چھوٹا بیٹا عتیق عرف گڈو ہے جو چوتھی جماعت میں ہے۔ گڈو اور بلی اپنے اسکول سے بہت کم غیر حاضر ہوتے ہیں۔ ان معمولات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ صبح سے دوپہر تک بے بی اپنے باپ کے ساتھ اکثر گھر

میں اکیلی ہوتی ہے یا پھر اس کی ماں بھی گھر میں موجود ہوتی ہے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب فیروزہ اپنے دفتر سے چھٹی کرتی ہے تو شام سے تھوڑی دیر پہلے وہ بے بی کے ساتھ گھر سے نکلتی ہے۔ وہ ماں بیٹیاں کہاں جاتی ہیں، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ وہ خاصی دیر سے واپس لوٹتی ہیں۔ محلے کے بعض مہم جو خواتین و حضرات نے اس فیملی کی حقیقت کی تہہ میں اُترنے کی کوشش کی تو انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی کیونکہ ان لوگوں نے محلے داروں سے تال میل نہیں رکھا تھا۔ وہ کسی سے اتنا گھلتے ملتے نہیں کہ باقاعدہ گھروں میں ایک دوسرے کے آمدورفت شروع ہو جائے۔ یہ سوتیلا سلوک صرف اہل محلہ کے لئے ہے۔ ورنہ غیر محلے داروں کو اس گھر میں آتے جاتے دیکھا گیا ہے اور میرا بیٹا ادریس باری بھی انہی غیروں میں شامل ہے۔''

وہ بڑے جذباتی انداز میں بولتے بولتے تھمی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ میں پوری توجہ سے اس کی داستان سن رہا تھا۔ وہ بڑی دلچسپ کہانی تھی لیکن میں ابھی تک یہ اندازہ قائم نہیں کر سکا تھا کہ ان حالات میں نگہت سیما کس بناء پر ادریس باری کو عدالت میں گھسیٹنے کا پروگرام لے کر میرے پاس آئی تھی۔ بہر حال، ابھی اس کا بیان مکمل نہیں ہوا تھا۔ ہر لمحہ یہی محسوس ہو رہا تھا کہ میرے مقصد کی بلی ابھی تھیلے سے باہر آیا چاہتی ہے!

نگہت کی سانس ہموار ہوئی تو اس نے وہیں سے سلسلہ شروع کیا جہاں وہ متوقف ہوئی تھی۔ ''وکیل صاحب! آپ خود سوچیں، یہ حقیقت جان کر میرے دل کا کیا حال ہوا ہو گا کہ ادریس غلط لوگوں کے چنگل میں جا پھنسا ہے۔ لاکھوں کا وہ کاروبار جسے ایوب نے تنکا تنکا جمع کر کے مستحکم کیا تھا، وہ بڑی بے دردی سے ادریس کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ میں نے یہ جان لینے کے بعد کہ میرا اکلوتا بیٹا ایک ایسی صحبت میں پڑ گیا ہے، جس کا انجام بڑا ہی بھیانک اور افسوس ناک ہو گا، اس سے .... دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات جب وہ گھر آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''ادھر ناصر کالونی میں تمہارا کوئی دوست وغیرہ رہتا ہے؟''

''نہیں......!'' اس نے حیرت سے چونک کر مجھے دیکھا اور نفی میں گردن ہلا دی۔ ''بالکل نہیں امی!''

بات مکمل کر کے وہ چور نظر سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس پر شک ہوا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔ اس کے کرتوتوں کا مفصل قصہ بشارت کی زبانی مجھ تک پہنچ چکا تھا لہٰذا مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ورنہ ادریس کو یوں نگاہ چرانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''وہاں تمہارا کوئی دوست نہیں رہتا اور .... مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے، ہمارے کسی رشتے دار کا گھر بھی ناصر کالونی میں نہیں۔ پھر .... تم وہاں کس سے ملنے جاتے ہو؟''

''میں......؟'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خاصا کھینچ کر کہا۔ ''مم........ میں وہاں کیا لینے جاؤں گا امی؟ .... آپ نے کوئی خواب تو نہیں دیکھ لیا؟''

''میں نے اگر کوئی خواب دیکھا تھا تو .... تم اسے چکنا چور کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔'' میں نے ادریس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دُکھی لہجے میں کہا۔

وہ بھنائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''پتہ نہیں، آج یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟''

''کیا تمہیں میری باتیں بری لگ رہی ہیں؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''نن...... نہیں......!'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''لیکن......'' اس نے اُلجھن زدہ لہجے میں جملہ ادھورا چھوڑا تو میں نے کہا۔

''ادریس! میری بات دھیان سے سنو۔ تمہارے ابو کے انتقال کے بعد میں ہی تمہاری ماں بھی ہوں اور میں ہی تمہارا باپ۔ لہٰذا میں تم سے ہر قسم کا سوال پوچھ سکتی ہوں۔'' میں نے تھوڑے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے سنا ہے، تم ناصر کالونی کے ایک گھر میں بہت جانے لگے ہو جہاں کوئی فیروزہ نامی عورت رہتی ہے اور محلے داروں کی نظر میں وہ کوئی اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ میں سمجھ گئی کہ میرے سوال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے حیرت انگیز طور پر اپنی پریشانی کو قابو کیا اور خاصے تیز لہجے میں بولا۔

''نہیں امی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ نے بالکل غلط سنا ہے۔ ایسی اُلٹی سیدھی بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟''

میں کسی بھی قیمت پر ادریس کو بشارت کے بارے میں نہیں بتا سکتی تھی لہٰذا ٹھہرے ہوئے لہجے میں، میں نے اس سے کہہ دیا۔ ''کسی نے بھی بتایا ہو، تمہیں اس سے کیا لینا دینا۔ میرے اطمینان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم برے لوگوں کے چکر میں نہیں ہو۔''

میں نے ادریس کی تسلی کے لئے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ تا کہ اسے میری طرف سے اطمینان رہے کہ میں نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ میرے استفسارات کے جواب میں ادریس کے چہرے اور آنکھوں میں جس نوعیت کے تاثرات نمودار ہوئے تھے ان سے مجھے پکا یقین ہو گیا تھا کہ بشارت نے مجھے جو رپورٹ دی تھی اس کا ایک ایک لفظ سچائی کی ڈوری میں پرویا ہوا تھا۔ میں نے بشارت کے تعاون سے ادریس کو رنگے

ہاتھوں پکڑنے کا منصوبہ بنایا اور بیٹے پر یہی ظاہر کیا کہ یہ بات آئی گئی ہو چکی ہے۔

اگلے چند روز میں بشارت نے مجھے فیروزہ کے گھر کا مکمل ایڈریس فراہم کر دیا۔ ناصر کالونی اور کورنگی کا علاقہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے لہٰذا مجھے فیروزہ کے گھر تک پہنچنے کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ پھر ایک روز جب بشارت کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ ادریس، فیروزہ کے گھر گیا ہوا ہے تو میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ میں جیسے ہی فیروزہ کے دروازے کے سامنے پہنچی، ادریس اندر سے نکل رہا تھا۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو اُسے حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے فیروزہ کی گلی میں کوئی تماشا کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے گھر آ گئی۔ میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے ادریس کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

رات کو ہم ایک مرتبہ پھر روبرو بیٹھے تھے۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ”میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں فیروزہ کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اب تم کون سا بہانہ کرو گے؟“

وہ قدرے ناراضگی سے بولا۔ ”مجھے بہانہ کرنے کی کیا ضرورت ہے امی! میں وہاں ایک ضروری کام سے گیا تھا۔ آپ خوامخواہ کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں۔“

”ادریس!“ میں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ ”میں نے تمہیں پیدا کیا ہے یا تم نے مجھے؟“

”ظاہر ہے........“ وہ اُلجھ کر بولا۔ ”آپ میری ماں ہیں........ آپ ہی نے مجھے پیدا کیا ہے۔“

”اگر تم یہ بات تسلیم کرتے ہو کہ میں نے تمہیں پیدا کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔“ میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے بیٹا! تم کون سے ضروری کام سے فیروزہ کے گھر جاتے ہو؟“

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا جیسے میں نے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ سنبھلتے ہوئے خفگی آمیز لہجے میں بولا۔ ”میں سب سمجھتا ہوں امی! آپ کو میرے خلاف کون اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہا ہے۔ لیکن آپ بھی دیکھیں گی، میں بہت جلد اس سازشی شخص کو بڑا عبرت ناک سبق سکھاؤں گا........!“

مجھے ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا، اسے بشارت کے بارے میں سب معلوم ہو چکا ہے۔ وہ کوشش کر کے اس کام کو ممکن بنا سکتا تھا لیکن میں نے اپنے چہرے کے تاثرات سے ایسا کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کی بات کا مجھ پر کوئی خاص اثر ہوا ہے۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف

کیا اور مضبوط لہجے میں کہا۔

”میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ کوئی مجھے اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھا سکے۔ میں نے فیروزہ کے محلے والوں کی اجتماعی رائے کی روشنی میں ایک نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ لہٰذا تمہارا ان کے گھر میں آنا جانا ٹھیک نہیں۔ بس، اتنی سی بات ہے۔“

”وکیل صاحب!“ وہ اپنی کہانی بیان کرنے کے دوران ہی میں مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ”ادریس کی عمر اس وقت تیس سال کے قریب ہو گی۔ اس عمر کی اولاد کو زور زبردستی سے نہیں سمجھایا جا سکتا لہٰذا میں نے دانستہ اپنا رویہ خاصا نرم رکھا تھا۔ حالانکہ میں اس کے کھیل کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔“ میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”جوان اولاد کو ہینڈل کرتے ہوئے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے........اور خیال رکھنا بھی چاہئے۔“

”تو میں آپ کو بتا رہی تھی........“ وہ اپنی ادھوری کہانی کو اختتام کی جانب لاتے ہوئے بولی۔

”میری بات کے جواب میں ادریس نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔ ”امی! آپ ان لوگوں کی باتوں کو چھوڑیں۔ یہ پتہ نہیں، کس کس کے بارے میں کیا کیا بکتے رہتے ہیں۔ کسی کی زبان تو نہیں پکڑی جا سکتی نا........اور سن لیں کہ میں فیروزہ کے گھر کیوں گیا تھا!“

”کیوں گیا تھا۔“ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا تھا، وہ وہاں صرف ایک مرتبہ گیا ہے لیکن میری معلومات کے مطابق، اس نے فیروزہ کے گھر میں آمد و رفت کو اپنا وتیرہ بنا لیا تھا لیکن میں نے اس موقع پر کوئی سخت اعتراض نہ اٹھایا اور خاموشی سے سنتی رہی کہ وہ کون سا انکشاف کرنے والا ہے۔

وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا۔ ”لوگ فیروزہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور کس انداز سے سوچتے ہیں، مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ وہ لوگ میرے ساتھ ٹھیک ہیں تو میں انہیں اچھا سمجھتا ہوں۔ فیروزہ نے ایک مشورہ کرنے کے لئے مجھے اپنے گھر بلایا تھا۔“

میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ”ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں موجود دوسرے لوگوں کی پرواہ کرنا پڑتی ہے بیٹا! ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ خیر........“ میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کیا۔ ”تو تم مجھے فیروزہ کے کسی مشورے کے بارے میں بتا رہے تھے؟“

”فیروزہ اپنے شوہر مستقیم کو کاروبار کرانا چاہتی ہے۔“ ادریس نے بتایا۔ ”اور اس کی نظر

میں ہمارا کاروبار ہے۔ وہ اسی سلسلے میں مجھ سے مشورہ کر رہی تھی۔"

"اچھا!" میں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا فیروزہ بھی ہماری ذات برادری سے تعلق رکھتی ہے؟"

"نہیں امی!" ادریس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "اس کی ذات ہم سے الگ ہے۔"

"پھر تو مجھے فیروزہ کے عزائم پر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔" میں نے واقعی حیران ہوتے ہوئے کہا۔ "ایک تم ہو کہ خود کو نائی کہلاتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے اور ایک وہ ہے کہ اس ذات سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود بھی اپنے خاوند کو "ہیئر کٹنگ سیلون" کھول کر دینا چاہتی ہے۔"

"امی! آپ بھی بال کی کھال کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔ "فیروزہ کا شوہر دکان پر بیٹھ کر لوگوں کی حجامتیں تھوڑی بنائے گا۔ وہ تو وہاں سیٹھ کا کردار ادا کرے گا۔ کام کے لئے کاریگر رکھے جائیں گے۔"

"اتنے پیسے ہیں فیروزہ کے پاس؟" میں نے بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ "ایک سجی سجائی دُکان بنانے کے لئے تو ہزاروں روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ کبھی لاکھوں بھی خرچ ہو جاتے ہیں۔"

"ایک پارٹی ہے فیروزہ کے ہاتھ میں۔" ادریس نے بتایا۔ "سارا پیسہ وہ پارٹی لگائے گی اور دُکان مستقیم چلائے گا۔ خرچے اور منافع میں دونوں برابر کے حصے دار ہوں گے۔"

میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں، لوگوں کو ایسی احمق اور عقل کی اندھی پارٹیاں کہاں سے مل جاتی ہیں۔ اونہہ......! ہزاروں لاکھوں روپے وہ شخص لگائے گا اور منافع میں فیروزہ کا شوہر برابر کا حصے دار ہو گا۔ بابا! یہ حساب تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"امی! آپ یہ کیوں نہیں دیکھ رہی ہیں کہ اس کاروبار میں وہ پارٹی سلیپنگ پارٹنر کا کردار ادا کرے گی۔ ساری محنت تو مستقیم کی ہو گی۔"

"وہ لوگ جو بھی کرتے پھریں، میری بلا سے۔" میں نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہاری فیروزہ یا اس کے کاروبار میں کیا دلچسپی ہے؟ اس کی تم سے کیسے شناسائی ہوئی؟ وہ تم پر اتنا اعتماد کیوں کرتی ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں مشورے دینے تم اس کے گھر پہنچ گئے اور......اور پہلے تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ تم ناصر کالونی میں جاتے ہو اور نہ ہی فیروزہ کو جانتے ہو؟"

میں ایک ہی سانس میں "ہزاروں" سوالات کر کے خاموش ہوئی تو وہ اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"امی! اسی وجہ سے......اسی وجہ سے میں نے آپ سے یہ بات چھپائی تھی کہ آپ سوالات پوچھ پوچھ کر میرا ناک میں دم کر دیں گی۔" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر برہمی آمیز انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"فیروزہ کا شوہر مستقیم ہماری دُکان پر بال کٹوانے آتا ہے۔ وہیں سے اُس سے میری شناسائی ہوگئی۔ جب ان کے گھر میں نئی دُکان کھولنے کا چرچا ہوا تو اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں گھر آ کر اس کی بیوی سے ایک ملاقات کر لوں۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ وہ ناصر کالونی میں رہتا ہے۔ لہٰذا میں نے اس کے گھر جانے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ فیروزہ سے ایک ملاقات میں بات مکمل نہ ہو سکی لہٰذا مجھے تین چار مرتبہ ان کے گھر جانا پڑا اور پھر آپ نے مجھے وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ......" وہ پُرسوچ انداز میں متوقف ہوا پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"مجھے یوں لگتا ہے کہ آپ کو کوئی شخص کافی دنوں سے میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ اسی کی باتوں میں آ کر آپ نے میرا تعاقب کیا اور فیروزہ کی گلی میں پہنچ گئیں۔ میں نے تو آپ کو ساری کہانی سنا دی، اب آپ بھی مجھے اس کمینے سازشی کے بارے میں بتائیں جو آپ کو میرے حوالے سے اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہا ہے؟"

اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے کہا۔ "میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ میں کوئی ننھی بچی نہیں ہوں جو کوئی مجھے ورغلا دے گا۔ میں تو صرف تمہاری خیر خواہ ہوں، تمہیں نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی اسی لئے تمہارے ہر معاملے پر گہری نظر رکھتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، آپ نہ بتائیں۔" وہ کھردرے لہجے میں بولا۔ "میں جلد ہی اس شخص کا سراغ لگا لوں گا اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

نگہت بیگم نے بات ختم کر کے میری طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "وکیل صاحب! اس واقعے کے چند روز بعد مجھے پتہ چلا کہ ادریس نے بشارت کو نوکری سے نکال دیا تھا۔ مجھے ادریس کے اس ظالمانہ فیصلے کا دُکھ ہوا اور میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اُس بے چارے کا کیا قصور تھا ادریس! جو تم نے اسے کھڑے کھڑے ملازمت سے نکال دیا؟"

وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ تو اسے بے چارہ ہی کہیں گی۔ وہ آپ کی نظر میں مظلوم بنا ہوا تھا اور میرے خلاف آپ کے کان بھرتا رہتا تھا۔ ہے نا؟"

"اُلٹی سیدھی بکواس نہ کرو ادریس!" میں نے قدرے غصے سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "اگر آپ بشارت کے خلاف نہیں سن سکتیں تو مت سنیں۔ اب میں آپ کو بالکل نہیں بتاؤں گا کہ میں نے اسے نوکری سے کیوں نکالا ہے۔"

اس روز ہمارے درمیان اچھی خاصی تلخ کلامی ہوئی اور بالآخر ہم نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اُمید تھی کہ بشارت اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی فریاد لے کر میرے پاس ضرور آئے گا تو اس وقت میں اس سے ساری کہانی سن لوں گی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس نے مجھ سے کوئی رابطہ کیا اور نہ ہی ملنے کے لئے میرے پاس آیا۔ چند روز کے بعد ایک نئی خبر مجھے سننے کو ملی۔

میں نے دکان پر فون کیا تو ریسیور میں مجھے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ پہلے بشارت کے علاوہ نواز، لیاقت اور اکرم نامی کاریگر دُکان میں کام کرتے تھے۔ میں ان سب کی آوازوں کو پہچانتی تھی۔ میں نے دوسری طرف بولنے والے شخص سے پوچھا۔

"ادریس باری کہاں ہے؟"

"وہ تو جی ابھی تک دکان پر نہیں پہنچے۔" مجھے جواب دیا گیا۔

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی۔ ادریس کو گھر سے نکلے دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ "کیا تم اس دکان پر نئے آئے ہو؟"

"جی۔ مجھے ابھی اس دکان پر کام کرتے ہوئے دس بارہ دن ہی ہوئے ہیں۔" اس نے بتایا۔ "آپ کون بات کر رہی ہیں؟"

"میں تمہارے سیٹھ ادریس باری کی ماں ہوں...... نگہت بیگم۔"

"اوہ...... سلام آنٹی!" وہ یک دم بے حد مؤدب ہو گیا۔ "میرا نام صداقت علی ہے۔ میں باری صاحب کی غیر موجودگی میں دکان کا نظام سنبھالتا ہوں۔ کوئی کام ہو تو حکم کریں۔"

صداقت علی کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا، ادریس نے اسے بشارت کی جگہ رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسی کا خیر خواہ اور وفادار ہو گا۔ لہٰذا اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"کام تو مجھے ادریس ہی سے تھا۔ وہ ابھی دکان پر نہیں پہنچا تو کیا ہو سکتا ہے۔ خیر......" میں نے لمحے بھر کا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لیاقت، نواز یا اکرم میں سے کسی سے بات کروا دو۔"

"یہ لوگ تو دکان چھوڑ کر جا چکے ہیں۔" صداقت نے جواب دیا۔

"چھوڑ کر جا چکے ہیں یا ادریس نے انہیں بھی نکال دیا؟"

"ادریس صاحب نے صرف بشارت کو نکالا تھا۔" صداقت نے معلومات فراہم کرنے والے انداز میں کہا۔ "باقی سب تو ایک ایک کر کے خود ہی دکان چھوڑ گئے ہیں۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"انہیں دوسری دکانوں سے اچھی آفر آ گئی تھی۔" صداقت نے بتایا۔ "انہوں نے ادریس سے معاوضہ بڑھانے کی بات کی۔ انہوں نے صاف طور پر منع کر دیا اور کہا کہ ابھی کاروباری حالات اچھے نہیں ہیں۔ وہ بعد میں ان کے مطالبے پر غور کریں گے۔ وہ لوگ بعد کے وعدے پر نہیں رُک سکتے تھے لہٰذا ایک ایک کر کے، جہاں سے انہیں اچھی پیش کش ہوئی وہ چلے گئے۔"

"اچھا!" میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "تو آج کل دکان کاریگروں کے بغیر ہی چل رہی ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے آنٹی!" وہ جلدی سے بولا۔ "آج کل اگر ایک طرف کاروبار میں نرمی ہے تو دوسری جانب بے روزگاری میں بھی گرمی ہے۔ ادریس صاحب نے تھوڑی سی کوشش کر کے تین کی جگہ چار کاریگروں کا بندوبست کر لیا ہے۔ اب میرے علاوہ اس دکان پر ابراہیم، شیراز، کامران اور عامر کام کر رہے ہیں۔"

"چلو، پھر تو شکر ہے۔" میں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ "میں تو کاریگروں کے جانے کا سن کر پریشان ہی ہو گئی تھی۔ اور ہاں......" میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر پوچھا۔ "ادریس نے بشارت کو کیوں نکال دیا ہے؟"

"آنٹی! میں نے سنا ہے، بشارت نے پیسوں کے معاملے میں کوئی بڑا گھپلا کر دیا تھا۔" صداقت نے بتایا۔ "ادریس صاحب نے اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ اطمینان بخش جواب نہ دے سکا۔ ادریس صاحب نے اسے فوراً نوکری سے نکال دیا۔"

"بہت اچھا کیا!" میں نے مصنوعی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ایسے بے ایمان اور فراڈ لوگوں کو جتنی بھی سخت سزا ملے وہ کم ہے۔ ویسے آج کل وہ کہاں کام کر رہا ہے؟"

"میں نے سنا ہے، وہ ڈیفنس کی کھڈا مارکیٹ میں کسی ہیئر ڈریسر کے پاس لگا ہوا ہے۔" صداقت نے بتایا۔ "لیکن مجھے اس دکان کا نام معلوم نہیں۔"

"میں خود معلوم کر لوں گی۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اور پہلی فرصت میں اس کٹنگ سیلون کے مالک کو فون کر کے بشارت کے کرتوتوں سے بھی آگاہ کر دوں گی تاکہ وہ کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہے۔"

''آنٹی! یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' وہ میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا۔
میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ ادریس باری جب بھی دکان پر پہنچے، اس کو بتا دینا کہ میں نے فون کیا تھا۔ وہ دراصل بات یہ ہے کہ آج رات مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے لٰہذا ادریس جلدی گھر آ جائے تو اچھا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی۔''
''ٹھیک ہے آنٹی! ادریس صاحب جب بھی آئیں گے، میں آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔''
میں نے فون بند کرنے سے پہلے صداقت کو نصیحت کی۔ ''ایک بات کا خیال رکھنا بیٹا! دنیا میں ایمانداری سے بڑھ کر اور کوئی شے نہیں ہے۔ تم نے بشارت کا انجام دیکھ لیا ہے لٰہذا بہت احتیاط سے چلنا۔ اگر تم نے ہمیں شکایت کا موقع نہ دیا تو میں ادریس سے تمہارا معاوضہ بڑھانے کے لئے ضرور کہوں گی۔''
''تھینک یو آنٹی!'' وہ تشکرانہ انداز میں بولا۔ ''آپ بہت اچھی ہیں۔''
میں نے ''اللہ حافظ!'' کہہ کر فون بند کر دیا۔
میں نے صداقت علی سے بات کرتے ہوئے دانستہ ایسا تاثر دیا تھا کہ وہ مجھے بشارت کے خلاف سمجھے۔ ادریس کو بشارت کے حوالے سے مجھ پر شک تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کا یہ شک بشارت سے آگے بڑھ کر صداقت تک پہنچ جائے۔ ویسے صداقت کی زبانی جو معلومات مجھ تک پہنچی تھیں، وہ حیران کن تھیں۔ میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر پائی کہ آیا ان کاریگروں کو ادریس نے کسی خاص پلاننگ کے تحت فارغ کیا تھا یا واقعی انہیں دوسری جگہوں سے کام کی اچھی پیش کش ہوئی تھی۔
رات کو ادریس گھر آیا تو میں نے اس سے کہا۔ ''دکان میں اتنا بڑا انقلاب آ گیا اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں؟''
''ابھی تو اس سے بڑے بڑے انقلاب آنا ہیں امی!'' وہ ذومعنی انداز میں بولا۔ ''مجھے پتہ چلا ہے، آپ نے دکان پر فون کیا تھا۔''
''ہاں، میں نے تمہارے لئے فون کیا تھا اور صداقت سے بات ہو گئی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ ساری باتیں مجھے اسی نے بتائی ہیں۔ بشارت کے بارے میں تمہارے فیصلے کا سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔''
''کیا واقعی امی؟'' اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔
میں نے اسے گھورا اور کہا۔ ''تو کیا میں تم سے جھوٹ کہوں گی؟ میں نے تو تم سے پوچھا

بھی تھا مگر تم ٹال گئے تھے۔ بے ایمان شخص کو تو ضرور سزا ملنی چاہئے۔ تم نے بشارت کے ساتھ بالکل ٹھیک کیا ہے میرے بیٹے!''
وہ کچھ نہیں بولا اور متذبذب نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور اُلجھن تھی جیسے اسے میری بات کا بالکل یقین نہ آیا ہو۔ میں نے اس موضوع پر اس سے مزید کوئی بات نہیں کی اور رات کے کھانے کے بعد ہم ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔
واپسی پر میں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اس سے فیروزہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے اپنی سمجھ بوجھ اور تجربے کی روشنی میں اسے بہترین مشورہ دے دیا ہے۔ اب آگے وہ جانے اور اس کا کام۔ میں نے باتوں میں اس سے یہ اُگلوا لیا کہ اب وہ فیروزہ کے گھر بالکل نہیں جاتا۔ یہ بات بتاتے ہوئے وہ اس قدر سنجیدہ تھا کہ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرا بیٹا ایک اندھے گڑھے میں گرنے سے بال بال بچ گیا تھا۔
اس روز کے بعد سے ادریس مجھے پہلے کی نسبت زیادہ وقت دینے لگا۔ وہ رات کو کافی دیر تک میرے پاس بیٹھا دنیا جہاں کی باتیں کرتا رہا۔ وہ پہلے سے زیادہ میرا خیال رکھنے لگا تھا۔ شروع شروع میں مجھے اُس کے اس نئے انداز پر شک ہوا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ شک جاتا رہا۔ اس میں واقعی ایک مثبت تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر مجھ سے کاروباری اور دکان کے بارے میں بھی باتیں کرنے لگا تھا اور بعض معاملات میں مجھ سے مشورہ بھی کرنے لگا تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ اب وہ دکان کو بہت زیادہ وقت دینے لگا تھا۔ ادریس کے حوالے سے میرے ذہن میں جو خدشات پل رہے تھے وہ آہستہ آہستہ جاتے رہے اور میں مطمئن ہو گئی کہ میرا بھولا بھٹکا بیٹا صراطِ مستقیم پر آ گیا ہے......لیکن یہ میری خوش فہمی تھی۔ وہ صراطِ مستقیم نہیں مشت مستقیم میں آ گیا تھا۔
''مشت مستقیم؟'' میں نے چونک کر اپنے سامنے بیٹھی نگہت بیگم کو دیکھا۔
''جی ہاں وکیل صاحب!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''مشت مستقیم...... یعنی مستقیم کی مٹھی......!''
''میں کچھ سمجھا نہیں، آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟'' میں نے اُلجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ادریس کے بدلے ہوئے مثبت رویے سے میں مطمئن ہو کر بیٹھ گئی تھی کہ چلو، اللہ نے اسے نیک ہدایت دی ہے۔ لیکن میرا یہ اطمینان ایک سنگین خوش فہمی سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ چند ماہ بڑے سکون سے گزر گئے۔ پھر پچھلے ماہ مجھے کسی ضروری

کام سے دکان پر فون کرنا پڑا تو اس وقت انکشاف ہوا کہ ہمارا تو بیڑا ہی غرقاب ہو چکا ہے۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ آگے بڑھی۔

''جب سے ادریس میں سدھار پیدا ہوا تھا، مجھے دکان پر فون کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ لیکن اس روز جو میں نے فون کیا تو میرے سر پر ایٹم بم آن گرا۔ دوسری جانب مجھے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ میرے ''ہیلو'' کہنے کے جواب میں کسی نے کھرے لہجے میں پوچھا۔

''جی آپ کون ہیں؟''

ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں آیا کہ شاید ڈائلنگ میں مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ فون دُکان کی بجائے کہیں اور جا ملا ہے۔ تصدیق کی خاطر میں نے پوچھا۔

''کیا یہ ''باری ہیئر ڈریسر'' ہے؟''

''نہیں جی...... یہ خان ہیئر ڈریسر ہے۔'' دوسری طرف بولنے والے نے کھردرے انداز میں جواب دیا۔ ''جو کبھی ''باری ہیئر ڈریسر'' ہوا کرتا تھا۔ مگر آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا؟''

''میں اپنا تعارف تو بعد میں کراؤں گی۔'' میں نے اُکھڑے لہجے میں کہا۔ ''پہلے یہ بتائیں، آپ کون ہیں؟''

اس شخص نے بات ہی ایسی کی تھی کہ مجھے اپنی سماعت کا دھوکا محسوس ہوا تھا اور اس ''دھوکے'' نے میرے تن بدن میں ایک تشویش سی دوڑا دی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ہماری دکان کسی اور کی ہو جائے اور وہ بھی اس طرح کہ مجھے کانوں کان اس کی خبر نہ ہو۔ اس شخص نے میرے سوال کے جواب میں جب اپنا تعاف کرایا تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔

''میرا نام مستقیم ہے...... ''خان ہیئر ڈریسر'' کا نیا مالک!''

''اوہ......!'' میں ایک بوجھل سانس خارج کر کے رہ گئی۔ ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھ لیا۔ ''کہیں آپ وہی مستقیم تو نہیں جو ناصر کالونی میں رہتے ہیں...... فیروزہ کے شوہر؟''

''جی ہاں...... آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' اس نے نخوت بھرے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''لیکن آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟ اور آپ ہیں کون؟''

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ ''آپ نے یہ دکان کب خریدی ہے؟''

''خریدے ہوئے تو چار ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''مگر اس کی لیز وغیرہ کے کاغذات مجھے پچھلے ماہ ملے ہیں۔ اب یہ دکان میرے نام پر رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ میں اس کا مالک ہوں...... مگر آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ......''

میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''میری معلومات کے مطابق تو آپ ادھر ناصر کالونی یا کورنگی میں اپنا ''ہیئر ڈریسر کٹنگ سیلون'' کھولنا چاہتے تھے اور اسی سلسلے میں مشورے کے لئے آپ نے پچھلے دنوں ''باری ہیئر ڈریسر'' کے مالک ادریس کو گھر پر بھی بلایا تھا؟''

''آپ کی معلومات سراسر غلط ہیں بی بی!'' مستقیم نے پُرغرور لہجے میں کہا۔ ''ادریس صاحب سے ہماری کاروباری ڈیل چل رہی تھی۔ اسی لئے وہ ہمارے گھر آئے تھے۔ ہم نے یہ دکان اور چلتا ہوا کاروبار ادریس صاحب ہی سے خریدا ہے۔ وہ کاروبار کے خراب حالات سے بہت پریشان تھے۔ لیکن خیر...... میں اس کام کو چلا ہی لوں گا۔''

میں نے دھڑ سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

''وکیل صاحب!'' نگہت بیگم نے گھائل نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ خود اندازہ لگائیں، اس صورتِ حال سے مجھے کتنی اذیت پہنچی ہو گی، اس وقت میرے دل و دماغ کا کیا حال ہوگا؟''

''ہاں، میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور استفسار کیا۔ ''کیا آپ نے اس سلسلے میں اپنے بیٹے سے پوچھا تھا؟''

''جی ہاں، میں اُسی روز اُسے گھیر کر بیٹھ گئی تھی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پھر اس نے کیا جواب دیا؟''

''اس نے دکان اور کاروبار کو فروخت کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ''وجہ یہی بتائی تھی کہ کاروبار بری طرح زوال پذیر تھا لہٰذا اس نے سب کچھ بیچ باچ کر رقم کو کہیں انویسٹ کر دیا ہے، جہاں سے ماہانہ ایک تگڑی رقم منافع کے طور پر آئے گی۔''

''ہوں!'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک اہم سوال کیا۔ ''کیا آپ کے بیٹے ادریس باری کے پاس وہ دکان اور کاروبار کو فروخت کرنے کا اختیار تھا؟''

''اختیار......!'' اس نے اُلجھن بھری نظر سے مجھے دیکھا اور بولی۔ ''میں کچھ سمجھی نہیں وکیل صاحب!''

میں نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آپ کے بیان کے مطابق لگ بھگ دو سال پہلے

ایوب باری کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ کاروبار اور دکان اسی کے نام تھی۔ میرے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا ایوب باری کی وفات کے بعد ادریس باری نے یہ سب کچھ اپنے نام کروا لیا تھا؟"

"نہیں جناب! ایسا تو کوئی کام نہیں ہوا تھا۔" اس نے پریشان کن لہجے میں جواب دیا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ "یہ بات تو صحیح ہے کہ ایوب باری نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ سب آپ دونوں ماں بیٹے کی ملکیت ہے۔ لیکن اس میں سے کوئی بھی مال، جائیداد اور کاروبار آپ اس وقت تک فروخت نہیں کر سکتے جب تک وہ آپ کے نام ٹرانسفر نہ ہو چکا ہو۔" میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جیسا کہ آپ بتا رہی ہیں، وہ دکان ادریس باری کے نام منتقل نہیں ہوئی تھی پھر اس نے مستقیم کے ہاتھ کیسے فروخت کر دی؟"

"ہاں، یہ تو واقعی بڑی اُلجھی ہوئی صورت حال ہے۔" وہ یک دم متفکر ہو گئی۔ "وہ اختیار کے بغیر دکان کیسے فروخت کر سکتا ہے؟ یہ تو سوچنے کی بات ہے۔"

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ایسا اختیار حاصل کر لے اور اس کے لئے اس کے پاس ملکیت کے کاغذات ہونا ضروری ہیں۔ آپ نے اپنی پراپرٹی کے کاغذات وغیرہ تو سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں نا؟"

"ہاں وکیل صاحب!" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "ایسے تمام اہم کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" میں نے توصیفی انداز میں کہا۔ "میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلی فرصت میں آپ اپنے شوہر کی جائیداد وغیرہ کو اپنے نام ٹرانسفر کرا لیں۔ وقت اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ بعد میں خواہ مخواہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

وہ متاملانہ نظروں سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس دکان کے علاوہ مرحوم ایوب باری اپنے پیچھے کیا کیا چھوڑ کر گیا تھا؟"

"دو مکان ہیں۔" اس نے بتایا۔ "ایک وہ مکان جس میں ہم رہ رہے ہیں اور دوسرا چھوٹا مکان ہے جو ہم نے کرائے پر اٹھا رکھا ہے۔"

"ان دونوں مکانوں کی ملکیت کے کاغذات بھی آپ ہی کے پاس محفوظ ہیں نا؟"

"جی ہاں۔ سب کچھ میں نے ہی سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔"

"آپ ایک کام کریں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کہا۔ "آپ ان کاغذات کو کسی روز لے کر میرے پاس آ جائیں۔ میں دیکھ کر سمجھ جاؤں گا کہ ان میں صدر والی دکان کے کاغذات موجود ہیں یا نہیں لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ ادریس کو اس معاملے کی بالکل بھنک نہیں پڑنا چاہئے ورنہ وہ محتاط ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کوئی نئی چال بھی چل دے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تو میں کر لوں گی۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "لیکن وہ معاملہ تو بیچ ہی میں رہ گیا جس کے لئے میں آپ کے پاس آئی تھی اور آپ بھی اتنی دیر سے بیٹھے میری دُکھ بھری کہانی سن رہے ہیں!"

"ہاں واقعی۔" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ میرے پاس ایک خاص مقصد سے آئی تھیں۔ آپ اپنے بیٹے ادریس باری پر مقدمہ کر کے اسے ایک یادگار سبق سکھانا چاہتی تھیں۔ لیکن معذرت کے ساتھ....... میں یہ ضرور کہوں گا کہ ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ آپ ادریس باری پر کس نوعیت کا مقدمہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں؟"

"آپ کی سمجھ میں تو اس وقت آئے گا نا جب میری بات پوری ہو گی......." وہ بیزاری سے بولی۔ "ابھی تو میری کہانی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے پراپرٹی کے کاغذات کا قصہ نکال لیا۔"

"اوہ.......!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ "تو آپ پہلے جلدی سے اپنی کہانی پوری کر لیں!"

وہ چند لمحات تک خاموش رہ کر اپنے خیالات کو مجتمع کرتی رہی، پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔ "ادریس کے اقرار کے بعد مجھے غصہ تو بہت آیا تھا کہ اس نے یہ کون سا احمقانہ کام کر ڈالا ہے۔ میں اس پر جتنا گرم ہو سکتی تھی، ہوئی.......اور پھر صبر کر کے بیٹھ گئی۔ جو تیر کمان سے نکل چکا تھا اسے میں واپس لانے کی صلاحیت تو نہیں رکھتی تھی لہٰذا صبر کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت میرے ذہن میں دکان کی ملکیت اور کاغذات وغیرہ کے حوالے سے کوئی بات موجود نہیں تھی۔ یہ زاویہ تو آپ نے ابھی ابھی مجھے دکھایا ہے۔"

اتنا بتانے کے بعد وہ خاموش ہوئی، ایک گہری سانس خارج کی اور تھکے ہوئے انداز میں سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میں ہر نقصان کو صبر کر کے اس دن کا انتظار کرنے لگی جب ادریس کی انویسٹ کی ہوئی رقم کا منافع آئے۔ لیکن ڈیڑھ مہینہ گزر جانے کے بعد بھی جب وہ دن نہ آیا تو مجھے گہری تشویش نے آ گھیرا۔ میں نے ادریس سے اس بارے میں پوچھا

تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ میں نے صاف محسوس کرلیا کہ وہ بہانے بازی سے کام لے رہا تھا۔ اس کے بعد میرا دماغ گھوم جانا تو لازمی بات تھی۔''

وہ لمحے بھر کو ایک بار پھر متوقف ہوئی اور ٹوٹے لہجے میں مزید بتانے لگی۔

''میں نے ادریس باری سے زیادہ بحث وتکرار نہیں کی اور چپکے سے اس کی سرگرمیوں کی سن گن لینے لگی۔ اس مقصد کے لئے مجھے دو تین مرتبہ اس کا تعاقب بھی کرنا پڑا۔ میری اس تحقیق اور تفتیش کا جو نتیجہ برآمد ہوا اس نے میرے رہے سہے اوسان کو بھی غارت کردیا۔ آپ جانتے ہیں، میں کس حقیقت پر پہنچی تھی؟''

میں چونکہ نہیں جانتا تھا اس لئے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

''میں بتاتی ہوں'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''وکیل صاحب! میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا ہے۔ اس لئے مزید کسی تفصیل میں جانے کی بجائے میں مختصر الفاظ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ.........میں یہ جان کر بے حد پریشان ہوگئی تھی کہ ادریس نے فیروزہ کے گھر آنا جانا بند نہیں کیا تھا اور یہ کہ وہ فیروزہ کی بڑی بیٹی روبی عرف بے بی پر بری طرح فدا ہو چکا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اوہ......!'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''یہ تو بڑی گمبھیر صورتِ حال ہے۔''

''صرف گمبھیر ہی نہیں وکیل صاحب! یہ تو خاصی سنگین صورتِ حال ہے۔'' وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ ''میں نے بے بی کو بھی دیکھ لیا ہے۔ وہ ایک پُرکشش اور خوبصورت لڑکی ہے جو کسی بھی مرد کا دماغ خراب کرسکتی ہے۔ اس کی عمر کم وبیش اٹھارہ سال ہوگی۔ اگر وہ مستقیم اور فیروزہ جیسے بدنام محلہ والدین کی بیٹی نہ ہوتی تو میں ادریس کی اس پسند کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرتی۔ میں فیروزہ کا کھیل آسانی سے سمجھ گئی ہوں۔ اس قسم کے لوگ اپنی بیٹیاں دکھا کر شادی کے لارے لپے پر مردوں کی جیبیں خالی کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ دن کبھی نہیں آتا جب ان کی کوئی بیٹی گھر سے رخصت ہو کر کسی اور گھر کی عزت بن جائے۔ وہ کمائی کے ذریعے کو کبھی کھونا پسند نہیں کرتے۔ اب تو میں محسوس کررہی ہوں، میرا بیٹا بہت برے لوگوں میں جا پھنسا ہے۔ آپ کے توجہ دلانے کے بعد تو میں سوچ رہی ہوں کہ ان لوگوں نے بے بی سے شادی کا جھانسہ دے کر میرے بیٹے سے وہ دُکان ہتھیا لی ہے۔ چند روز بعد وہ اسے گھر سے بھی باہر نکال پھینکیں گے۔''

''گھر سے باہر نکال پھینکیں گے؟'' میں نے اُلجھن اور حیرت کی ملی جلی کیفیت کے درمیان کہا۔ ''اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ آج کل انہی کے گھر میں رہ رہا ہے۔''

''ہاں........کچھ ایسی ہی بات ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ دو دن اپنے گھر میں رہتا ہے تو ایک دن فیروزہ کے گھر میں........بڑی خراب صورتِ حال ہے وکیل صاحب!''

''آپ نے اپنے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

وہ دُکھ بھرے لہجے میں بولی۔ ''مجھ سے زیادہ اس کی فکر اور کس کو ہوگی۔ میں نے ہر انداز میں اسے سمجھا کر دیکھ لیا ہے لیکن میری کوئی بھی نصیحت اس کی عقل میں نہیں بیٹھ رہی۔ وہ بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہے........میں ہر قیمت پر بے بی سے شادی کروں گا۔ بے بی کے حُسن اور جوانی نے اس کی مت ماردی ہے وکیل صاحب! دکان اور کاروبار پر تو میں نے صبر کر لیا تھا لیکن بیٹے پر کیسے صبر کرلوں؟ وہ زندہ ہے، جوان ہے، میری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن میرے قابو میں نہیں۔ بے بی کے حُسن اور اس کی ماں کی مکاری نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اسی شادی کے آسرے پر ادریس سے کاروبار اور دکان ہتھیا لی گئی اور اب میرا بیٹا بھی ہاتھوں سے جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے وکیل صاحب.......!''

وہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی، بڑی اُمید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور روہانسے انداز میں بولی۔ ''وکیل صاحب! کاروبار اور دکان تباہ ہوگئی، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن یہ نقصان جس شخص کے ہاتھوں ہوا وہ میرا مجرم ہے...... ہاں وکیل صاحب! ادریس باری...... میرا لختِ جگر ہی میرا دشمن ہے۔ میں اسے عدالت میں گھسیٹ کر دنیا کی ایک انوکھی سزا دلوانا چاہتی ہوں۔ ادریس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے۔ کوئی اسے مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ میں اس پر مقدمہ کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کیس تیار کریں وکیل صاحب! اور اس کیس کو لڑنے کے لئے آپ اپنا پورا زور لگا دیں۔ فیس اور خرچے وغیرہ کی پرواہ نہ کریں۔ میں دوں گی۔''

ان لمحات میں وہ بے حد جذباتی ہورہی تھی۔ میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور پوری توجہ سے اس کی جذبات انگیز داستان سنتا رہا۔ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''آپ جتنی رقم کہیں گے، میں دینے کو تیار ہوں لیکن ادریس کو میری مرضی کی سزا ہونی چاہئے۔ عدالت اسے پابند کردے کہ وہ میرے حکم اور اجازت کے بغیر کہیں نہیں جائے گا اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کرے گا اور یہ کہ وہ بے بی کا خیال دل اور ذہن سے نکال دے گا۔ اس نے دکان اور کاروبار کو جو نقصان پہنچایا ہے اسے میں ایک ہی شرط پر معاف کرسکتی ہوں کہ وہ آئندہ کے لئے میرا فرمانبردار بن کر رہے اور........اس بات کے

لئے عدالت اسے پابند کرے گی۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گئی اور ایسی توقع بھری نظر سے مجھے تکنے لگی جیسے میں بڑے اعتماد سے اسے کہوں گا، خاتون! آپ فکر نہ کریں۔ یہ کام تو میرے لئے چٹکی بجانے ایسا ہے۔ آپ اطمینان سے گھر جائیں۔ میں آپ کے بیٹے کو عدالت میں طلب کروا کے وہ سبق سکھاؤں گا کہ وہ زندگی بھر کے لئے آپ کا مطیع وفرمانبردار بن کر رہے گا۔

مگر میں نگہت بیگم کو ایسی کوئی تسلی نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ عملاً اور قانوناً ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ عدالت ادریس کو ایسی کسی بات کے لئے پابند نہیں کر سکتی تھی۔ وہ عاقل بالغ تھا۔ اپنی مرضی سے کسی بھی لڑکی پر عاشق ہو سکتا تھا اور اس سے شادی کی ضد نما کوشش یا کوشش نما ضد کا بھی اسے اختیار حاصل تھا، اس بات سے قطع نظر کہ مذکورہ لڑکی کسی اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھی یا کسی ایسی فیملی سے جس کی ریپوٹیشن محلے میں خراب ہو۔ ادریس نے اگر اپنا کاروبار اور دکان بے بی کے باپ مستقیم کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا تو یقیناً اُسے ایسی قانونی ڈیل کا اختیار بھی حاصل ہو گا چاہے اس نے یہ اختیار کسی ہیر پھیر یا چکر بازی سے حاصل کیا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ وجود نہیں رکھتی جہاں سکہ رائج الوقت کی نہ سنی جاتی ہو!

ان حالات کی روشنی میں، میں نگہت بیگم کی صرف اتنی سی مدد کر سکتا تھا کہ اس بات کا سراغ لگاؤں، ادریس نے دُکان اور کاروبار کس حیثیت سے فروخت کیا تھا۔ مجھے امید تو نہیں تھی کہ اس سے نگہت بیگم کا کوئی بھلا ہو سکے گا لیکن پھر بھی کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ویسے زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ ادریس نے قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد ہی دکان فروخت کی ہو گی۔ چاہے یہ "تقاضے" کیسے بھی پورے کئے ہوں۔

میں نے نگہت بیگم کو جذباتی کیفیت سے باہر لانے اور اس کے دکھ کو کم کرنے کی غرض سے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "خاتون! میرا تو خیال ہے، آپ کو ادریس کی بجائے فیروزہ اینڈ کمپنی پر کیس کرنا چاہئے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور مضبوط لہجے میں بولی۔ "یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے لیکن میں پہلے اپنے بیٹے کو ہاتھ میں کرنا چاہتی ہوں، بعد میں ان چکر بازوں کو عدالت میں گھسیٹوں گی جنہوں نے اپنی بیٹی کا چارا لگا کر میرے بیٹے کو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔"

وہ اپنے اس بیٹے کو ہاتھ میں لینا چاہتی تھی جس کا دل روبی عرف بے بی نامی کسی خوب صورت لڑکی نے اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ عملاً اتنا آسان نہیں تھا جیسا وہ سمجھ رہی تھی۔ اور اس جذباتی کیفیت میں نگہت بیگم کو یہ حقیقت سمجھانا اس سے بھی کہیں زیادہ دشوار کام تھا۔ لہٰذا

میں نے ایک خاص تکنیک سے اسے ہینڈل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نگہت بیگم! آپ میرے پاس قانونی مدد لینے آئی ہیں اور میرا یہ فرض بنتا ہے کہ آپ کو بالکل درست مشورہ دوں۔ اگر آپ مجھ سے قانونی راہ نمائی چاہتی ہیں تو پھر آپ کو میری بات ماننا ہو گی۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کی بات مانوں گی۔" وہ یک لخت بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔ "آپ بتائیں، مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

میں نے کہا۔ "فی الحال، آپ ادریس اور بے بی والے معاملے کو بھول جائیں۔"

اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے، دکھی لہجے میں بولی۔ "یہی تو اصل معاملہ ہے۔ میں اسے کیسے بھول جاؤں؟"

"میں نے فی الحال کی بات کی ہے، ہمیشہ کے لئے بھولنے کو نہیں کہا۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "بعض اوقات اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذرا پیچیدہ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس معاملے میں بھی ہمیں یہی حکمت عملی اختیار کرنا ہو گی۔" میں نے لمحہ بھر کو توقف کیا، پھر گمبھیر لہجے میں کہا۔

"اگر آپ نے براہِ راست ادریس پر دباؤ ڈالا تو وہ آپ کی طرف سے بدک بھی سکتا ہے۔ وہ تو پہلے ہی پوری طرح آپ کے قابو میں نہیں ہے، پھر بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ عاقل بالغ ہے۔ قانوناً اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی بھی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ اس نے اگر بے بی سے کورٹ میرج کر لی تو آپ اسے کیسے روک سکیں گی؟"

"ایسا ہونا ممکن نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں فیروزہ کے کھیل کو بڑی اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ وہ اپنی بیٹی کو کبھی بھی نہیں بیاہے گی۔ پتہ نہیں، ادریس کے علاوہ اس نے اور کس کس سے اپنی بیٹی کی شادی کا وعدہ کر رکھا ہو گا۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن ایک فیصد اس امکان کو بھی ذہن میں رکھیں کہ اگر بے بی ادریس سے شادی کے لئے سنجیدہ ہو گئی اور انہوں نے عدالت میں جا کر نکاح کر لیا تو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا...... نہ آپ اور نہ ہی فیروزہ اینڈ کمپنی۔"

"ہاں، یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ بے حد پریشان ہو گئی پھر اضطراری لہجے میں مستفسر ہوئی۔ "اس صورتِ حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"وہی تو میں آپ کو بتانے اور سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اسے معقولیت کی

راہ پر گامزن دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی طرح میں بھی یہی سمجھ رہا ہوں کہ فیروزہ اپنی بیٹی کی کبھی شادی نہیں کرے گی۔ لیکن میں ایک فیصد امکان کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے میرے ذہن میں ایک منصوبہ آیا ہے۔“

”کیسا منصوبہ؟“ وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آپ اپنی جائیداد وغیرہ کے کاغذات لے کر میرے پاس آجائیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، ان میں صدر والی دکان کے کاغذات موجود ہیں یا نہیں۔ یہ عین ممکن ہے، مستقیم نے آپ سے جھوٹ بولا ہو۔ ادریس نے وہ دکان اسے بیچی ہی نہ ہو۔ ادریس چونکہ پوری طرح ان لوگوں کے گھیرے میں آیا ہوا ہے اس لئے یہ ہوسکتا ہے، وہ بے بی کو فرنٹ پر رکھ کر ادریس کے کاروبار پر قابض ہو گیا ہو۔ اسے اس دکان اور کاروبار کے مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں بلکہ وہ ادریس کی کمزوری اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آج کل اسی کوشش میں لگے ہوئے ہوں...... کچھ بھی ہوسکتا ہے نگہت صاحبہ!“

میں سانس ہموار کرنے کے لئے لمحہ بھر کو متوقف ہوا تو وہ معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگی۔

میں نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھیں جی...... اگر تو صدر والی دکان کے کاغذات آپ کے پاس موجود ہیں تو پھر پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ادریس کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ لوگ اسے منہ لگانا چھوڑ دیں گے۔ ادریس کے لئے ان کے گھر کا دروازہ بند ہو جائے گا اور وہ اس سے ہر قسم کا تعلق توڑ لیں گے۔ اس طرح ادریس کو جذباتی صدمہ تو پہنچے گا لیکن جلد یا بہ دیر وہ بے بی کی طرف سے مایوس ہو کر واپس آپ کے پاس آجائے گا۔ آپ کو اپنا بیٹا حاصل کرنے کے لئے کسی کورٹ کچہری میں مقدمہ درج نہیں کرنا پڑے گا۔“

”اور اگر صورتِ حال اس کے بالعکس ہوئی تو......؟“ نگہت بیگم گہری فکرمندی سے بولی۔ ”میرا مطلب ہے، اگر ادریس نے واقعی دکان اور کاروبار مستقیم کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے تو کیا ہوگا؟“

”اس بات کا فیصلہ میں کاغذات دیکھنے کے بعد کروں گا۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر آپ کے پاس مذکورہ دکان کی ملکیت کا کوئی قانونی دستاویزی ثبوت موجود نہیں تو پھر پہلے مجھے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ادریس نے دکان کو فروخت کرنے کے لئے کیا چکر چلایا ہے۔ میرے ذہن میں اس گیم کو سمجھنے کے لئے ایک منصوبہ موجود ہے۔ آپ وہ کریں جو میں نے

کہا۔ باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔“

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ فی الحال بیٹے پر مقدمے بازی کے خیال سے باز آگئی تھی۔ وہ چند لمحات تک اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مجھے سوچتی ہوئی نظر سے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

”وہ جو مستقیم ہماری دکان پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے، اس کا کیا ہوگا؟“

میں نے اس کی تشویش رفع کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی اس سے صرف فون پر بات ہوئی ہے۔ آپ نے خود جا کر نہیں دیکھا کہ وہاں دکان میں صورتِ حال کیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ایک چکر ادھر کا بھی لگا لیں، یہ ظاہر کئے بغیر کہ آپ کون ہیں اور کس مقصد سے وہاں آئی ہیں۔ آنکھوں دیکھی صورتحال کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے خاتون!“

میں نے تھوڑا توقف کیا پھر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ”آپ ہر فکر اور پریشانی کو ذہن سے جھٹک دیں۔ اگر مستقیم کو اس دکان کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہیں تو آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی، میں کس طرح عدالت کی مدد سے اس مکار شخص کو دھکے دے کر آپ کی دکان سے باہر نکالتا ہوں۔“

وہ میری بات سن کر خوش ہو گئی پھر ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ”آپ کا بہت بہت شکریہ وکیل صاحب! اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔“

”انشاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ میں نے تیقن سے کہا۔ ”آپ اس پر توجہ دیں جو میں نے آپ کو کرنے کے لئے کہا ہے۔“

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور رخصت ہو گئی۔

میں نے کہانی کے آغاز میں اس کیس کو ”بڑا عجیب و غریب کیس“ کہا تھا۔ ابتک آپ کو بھی اس کی عجیبیت اور غریبیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ یہ کیس کسی اور زاویے سے میرے پاس آیا تھا لیکن نگہت بیگم سے ہونے والی تفصیلی گفتگو نے اس کیس کا زاویہ بدل دیا تھا۔ بعض مخصوص حالات میں ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ انسان دہی لینے جاتا ہے اور واپسی میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ گھر پہنچنے تک وہ دہی لسی میں بدل چکا ہوتا ہے اور لسی کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں پانی ملاتے جائیں اور بڑھاتے جائیں۔ اللہ اللہ اور خیر سلاّ!

اس کیس کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال پیش آگئی تھی۔ میرے کیسز کی روداد پڑھنے والے قارئین بہ خوبی جانتے ہیں کہ میری کہانی عموماً اس انداز میں شروع نہیں ہوا کرتی۔ یہ خصوصی انداز ہے۔ اس بار آپ اس نئے تجربے سے بھی گزریں۔

میری توقع کے عین مطابق، اگلے ہی روز نگہت بیگم ایک فائل کے ساتھ میرے دفتر پہنچ گئی۔ میں اس وقت اپنے چیمبر میں فارغ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ میری سیکرٹری نے اس کی آمد کی اطلاع دی تو میں نے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ چہرے سے بہت زیادہ متفکر اور گھبرائی ہوئی نظر آتی تھی۔ میں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''کیا بات ہے نگہت صاحبہ! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں؟''

وہ مضطرب لہجے میں بولی۔''وکیل صاحب! بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس نے بتایا۔''صدر والی دکان کے کاغذات فائل میں موجود نہیں ہیں!''

''اوہ......!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور سوچ میں پڑ گیا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''میں نے ان تمام قانونی دستاویزات کو فائل میں لگا کر اپنے پاس لاکر میں محفوظ کر رکھا تھا۔'' اس نے اپنے سامنے میز پر رکھی فائل کی جانب اشارہ کیا اور مزید کہا۔''باقی تمام کاغذات اس فائل میں موجود ہیں سوائے دکان کے۔''

''کیا آپ نے اس فائل کو کسی بینک کے لاکر میں رکھا ہوا تھا؟'' میں نے اپنی تسلی کی خاطر پوچھ لیا۔

''نہیں جناب!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔''یہ فائل میری الماری کے لاکر میں رکھی تھی۔''

''کیا اس لاکر تک آپ کے بیٹے کی رسائی ممکن ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں۔'' وہ اثبات میں جواب دیتے ہوئے بولی۔''جہاں اعتماد ہو وہاں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو کبھی بھول کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ ادریس اس فائل میں سے کوئی اہم کاغذ نکالنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا میں نے لاکر کی چابی کو کبھی بھی کسی خفیہ مقام پر چھپا کر رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ میری الماری میں ایک جگہ پڑی رہتی تھی اور ادریس اس جگہ سے بہ خوبی واقف ہے۔''

''ہوں۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔''تو اس کا مطلب ہے، ادریس نے پہلے آپ کے لاکر میں سے دکان کے کاغذات چرائے پھر کسی بھی طرح کا چکر چلا کر خود کو اس بات کا مجاز بنایا کہ وہ اس دکان کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہو اور پھر اس نے دکان مستقیم کو فروخت کر دی۔ فی الحال تو صورت حال کا ایسا ہی نقشہ سامنے آ رہا ہے۔'' میں لمحہ بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ دکان کی طرف گئی تھیں؟''

''جی ہاں۔ میں کل آپ کے پاس سے فارغ ہو کر سیدھی صدر گئی تھی۔'' نگہت بیگم نے جواب دیا۔''میں دکان کے اندر جا کر مستقیم سے تو نہیں ملی لیکن دکان کے سامنے پہنچتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ مستقیم کا دعویٰ کھوکھلا نہیں تھا۔ میں نے دکان کی پیشانی پر ''باری ہیئر ڈریسر'' کی جگہ ''خان ہیئر ڈریسر'' کا نمایاں بورڈ لگا ہوا دیکھا۔''

میں نے کہا۔''ٹھیک ہے، میں اس معاملے کو اپنے انداز میں چیک کر لوں گا۔ آپ یہ بتائیں کہ فائل میں باقی اہم کاغذات تو موجود ہیں نا؟''

وہ فائل اٹھا کر میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔''میں نے تو اچھی طرح دیکھ لیا ہے، ایک ماہرانہ نظر آپ بھی ڈال لیں۔''

میں نے آئندہ چند منٹ میں ان قانونی دستاویزات کو بہ غور دیکھ لیا۔ صدر والی دکان کے کاغذات کے سوا باقی تمام اہم کاغذات اس فائل میں موجود تھے۔ جب میں ان کاغذات کا مطالعہ کر رہا تھا تو ایک خیال بڑی سرعت سے میرے دماغ میں چمکا۔ میں نے اسی خیال کی روشنی میں نگہت بیگم سے پوچھا۔

''پچھلے چند ماہ میں آپ کے بیٹے نے کسی قسم کے قانونی کاغذ پر آپ سے کوئی دستخط وغیرہ تو نہیں لئے تھے؟''

اس نے اس طرح چونک کر مجھے دیکھا جیسے میں نے اس سے کوئی نہایت ہی اہم سوال کر دیا ہو۔ یا میرے سوال نے اسے کوئی خاص بات یاد دلا دی ہو۔ میں خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

چند لمحات کے بعد اس نے مجھے بتایا۔''مجھے یاد آ رہا ہے، ادریس نے چار پانچ...... یا پھر چھ سات ماہ قبل انکم ٹیکس کے کاغذات پر مجھ سے تین چار جگہ دستخط کروائے تھے۔''

''انکم ٹیکس کے کاغذات؟'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں دہرایا۔

''ادریس نے بتایا تھا کہ اس مرتبہ محکمے نے بہت زیادہ انکم ٹیکس لگا دیا ہے۔'' نگہت بیگم نے مجھے سوچ میں مبتلا دیکھا تو وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''کہہ رہا تھا، میں نے محکمے کو درخواست دی ہے کہ یہ دکان ایک بیوہ کے رزق روزگار کا وسیلہ ہے اور آج کل کاروبار بھی کافی ڈاؤن جا رہا ہے لہٰذا وہ خاص رعایت کر دیں۔ درخواست چونکہ میری طرف سے دی جا رہی تھی اسی لئے ادریس نے مختلف جگہوں پر میرے دستخط کروائے تھے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے، جن کاغذات پر آپ نے دستخط کئے، وہ انکم ٹیکس میں کمی کی

درخواست ہی تھی؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ اُلجھن زدہ لہجے میں بولی۔ ''میں انگلش کے چند الفاظ بول لیتی ہوں لیکن انگریزی تحریر کو پڑھنا اور سمجھنا میرے بس کی بات نہیں۔ وہ تمام کاغذات انگریزی میں ٹائپ شدہ تھے اور ان میں ایک آدھ اسٹیمپ پیپر بھی تھا......''

''آپ جو بات وثوق سے نہیں کہہ سکتی ہیں، میں پورے یقین سے وہی آپ کو بتا رہا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اسٹیمپ پیپر کے نام پر میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ ادریس نے اپنی ماں کے ساتھ کوئی بڑی ہیرا پھیری کی تھی۔ ''ادریس نے انکم ٹیکس کی آڑ میں آپ کو بے وقوف بنایا ہے۔ اس نے کچھ ایسی نوعیت کے کاغذات آپ سے سائن کروا لئے تھے جن کی رو سے اسے صدر والی دکان بیچنے کا اختیار حاصل ہو جائے اور آپ کو اپنے بیٹے کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں نا؟''

اس نے تشویش بھرے انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور پوچھا۔ ''اب کیا ہو گا؟''

''جو کچھ اب تک ہو چکا ہے پہلے اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد سوچا جائے گا کہ آئندہ کیا، کیا جائے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر آپ دلچسپی لیں تو میں کوئی ہلچل کروں؟''

''کیوں نہیں جناب!'' وہ اُمید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وکیل صاحب! میں آپ کے پاس قانونی مدد حاصل کرنے ہی تو آئی تھی۔ ادریس پر کیس کرنے سے آپ نے منع کر دیا۔ اگر آپ کے تعاون سے اس دکان والے معاملے میں مجھے کوئی فائدہ حاصل ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں ڈوریاں ہلاتا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انشاء اللہ! چند روز ہی میں اس کے نتائج سامنے آ جائیں گے۔ ان نتائج کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔''

''آپ کے ذہن میں کیا ہے؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کچھ مجھے بھی تو بتائیں۔''

''میں آپ کے لیگل ایڈوائزر...... یا یوں سمجھیں، آپ کے وکیل کی حیثیت سے مسٹر مستقیم کو ایک بار نوٹس بھجواؤں گا جس میں واضح کیا جائے گا کہ ''باری ہیئر ڈریسر'' کے مالکانہ حقوق آپ کے پاس ہیں۔ اگر اس نے کسی سے یہ دکان خرید کر اسے ''خان ہیئر ڈریسر'' میں بدل لیا ہے تو وہ اس جائیداد کی خرید اور لیز وغیرہ کے قانونی کاغذات مجھے دکھائے۔ مذکورہ

نوٹس وصول ہونے کے پندرہ دن کے اندر اگر اس نے میرے دفتر میں آ کر مجھ سے رابطہ نہیں کیا یا اس نوٹس کے جواب میں کوئی تسلی بخش وضاحت پیش نہ کی تو آپ یعنی نگہت بیگم بیوہ ایوب باری مسٹر مستقیم کو عدالت میں طلب کروائیں گی ...... وغیرہ وغیرہ!'' میں نے سانس درست کرنے کے لئے لمحاتی توقف کیا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تو میں نے آپ کو سمجھانے کے لئے چند باتیں بتائی ہیں۔ نوٹس تو خاصا بھرپور اور تہلکہ خیز ہو گا۔ مستقیم سر کے بل دوڑا ہوا میرے پاس نہ آیا تو پھر بات ہی کیا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں مجھے اپنا وکیل مقرر کرنے کو تیار ہیں؟''

''پہلی فرصت میں امجد بیگ صاحب!'' اس نے مجھے میرے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنے بیٹے کو عدالت میں گھسیٹنے آئی تھی۔ اب اس کی جگہ مستقیم نے لے لی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ بہرحال...... مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میرے بیٹے کو غلط راہ پر ڈالنے والے مصیبت میں گرفتار ہونے جا رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اور آپ اس بات کا خیال رکھیں گی کہ فی الحال ادریس باری کو اس نوٹس کے بارے میں پتہ نہ چلے۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ میں نے چند کاغذات پر اس کے دستخط لئے، فیس کے معاملات طے کئے اور تسلی دلاسا دے کر نگہت بیگم کو اپنے دفتر سے رخصت کر دیا۔

اگلے روز میں نے اپنی وکالت کی روشنی میں ایک دھانسو قسم کا نوٹس تیار کیا اور رجسٹرڈ ڈاک سے اسے مسٹر مستقیم کے ایڈریس پر روانہ کر دیا۔ مستقیم کے بارے میں نگہت نے مجھے تفصیلی معلومات فراہم کر دی تھیں، علاوہ ازیں اس کا حلیہ، قد کاٹھ اور وضع قطع کی تفصیل بھی بتا دی تھی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، عدالت کا منہ دیکھے بغیر ہی یہ کیس کنارے لگ جائے گا۔ بہرحال، میں تو یہ چاہتا تھا کہ میری مؤکلہ کا بھلا ہو...... چاہے عدالت کے اندر جا کر یا عدالت سے باہر۔ اگر ادریس نے صدر والی دکان ابھی فروخت نہیں کی تھی اور مستقیم نے اس سلسلے میں جھوٹ بولا تھا تو اس کا پتہ چلنے والا تھا اور اگر دکان واقعی قانونی طور پر مستقیم کی ملکیت میں جا چکی تھی تو پھر ادریس باری کی واپسی بھی نگہت بیگم کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوتی۔

نوٹس کی ترسیل کے چند روز بعد ایک موٹا تازہ، ہٹا کٹا شخص میرے پاس آیا۔ وہ گہرے سانولے رنگ کا مالک ایک پستہ قامت انسان تھا اور اس وقت وہ خاصے غصے میں دکھائی دیتا تھا۔ اس نے خاصی صحت مند مونچھیں پال رکھی تھیں۔ میں نے پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا کر اس

کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لئے کرسی کی جانب اشارہ کر دیا۔

وہ کرسی کھینچ کر بڑے اکھڑ انداز میں بیٹھ تو گیا لیکن رسمی علیک سلیک کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے براہِ راست تپتے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھ لیا۔

''کیا آپ ہی مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہیں؟''

''شاید آپ نے دفتر کے باہر میرے نام کی تختی لگی نہیں دیکھی۔'' میں نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ ''ورنہ آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

وہ اُکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''نیم پلیٹ کے ساتھ یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ اس وقت اپنے کمرے میں مسٹر بیگ ہی بیٹھے ہوں گے۔''

وہ ایک انتہائی احمقانہ اور بے وقوفی کی بات کر رہا تھا لیکن میں نے کسی قسم کا سخت جواب دینے کی بجائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، میں نے آپ کی مشورہ نما نشاندہی کو نوٹ کر لیا ہے۔ میں انشاء اللہ! بہت جلد ایسی ہی تحریر کی ایک تختی بھی بنواتا ہوں جو ان اوقات میں نیم پلیٹ کے نیچے آویزاں کر دی جائے گی جب میں اپنے چیمبر میں موجود ہوں...... اینی ہاؤ، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

اس نے اپنی جیب میں سے ایک مڑا ہوا لفافہ برآمد کیا اور میری جانب بڑھاتے ہوئے غصیلے انداز میں مستفسر ہوا۔ ''کیا یہ آپ ہی کا کارنامہ ہے؟''

میں اس لفافے پر نگاہ پڑتے ہی پہچان گیا تھا۔ یہ وہی رجسٹرڈ نوٹس تھا جو میں نے مستقیم کو بھیجا تھا۔ اس نوٹس کے جواب میں مستقیم کو مجھ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا لیکن وہ سانولا گینڈا.....!

نگہت بیگم نے مجھے مستقیم کے بارے میں جو معلومات فراہم کی تھیں، ان کے مطابق وہ درمیانے قد کا مالک ایک دُبلا پتلا شخص تھا، رنگت گوری اور سر کے بال تقریباً سفید ہو چکے تھے۔ اس کا چہرہ کلین شیو تھا اور اپنے نام کے بالعکس وہ قدرے جھک کر چلتا تھا۔ جھکاؤ کوب والا نہیں تھا بلکہ اس کی عادت کا حصہ نظر آتا تھا...... اور میرے سامنے بیٹھا ہوا شخص کسی بھی زاویے سے مستقیم دکھائی نہیں دیتا تھا۔

میں نے سنجیدہ نظر سے اسے دیکھا پھر لفافے کی سمت سے نگاہ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، یہ لفافہ تو میرے ہی دفتر سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں کوئی ''کارنامہ انجام'' دینے والی کون سی بات ہے؟''

''خود ہی دیکھ لیں۔'' اس نے برہمی سے وہ لفافہ میرے سامنے میز پر پھینک دیا۔

میں نے اس کی بدتمیزی کا برا منائے بغیر اس لفافے کو ہاتھ میں لے کر گھمایا پھرایا پھر

اس تنومند شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ نوٹس میں نے مسٹر مستقیم کو بھیجا تھا...... کیا آپ ہی مستقیم ہیں؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

''میں مستقیم نہیں بلکہ اے ڈی خان ہوں...... اللہ داد خان۔''

''اے ڈی خان صاحب!'' میں نے اس شخص کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تو اس کا مطلب ہے، نوٹس کے جواب میں آپ مستقیم کی طرف سے کسی وضاحت کے لئے میرے پاس آئے ہیں۔''

''آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے مسٹر بیگ!'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ''مستقیم کی حیثیت میرے ایک ملازم ایسی ہے۔ میں نے اسے ''خان ہیئر ڈریسر'' کی نگرانی اور انتظام وغیرہ کے لئے دکان پر بٹھایا ہے۔ اس دکان کا اصل مالک میں ہوں۔ میں نے ادریس باری نامی ایک شخص سے وہ دکان خریدی ہے اور باقاعدہ قانونی لکھت پڑھت کے ساتھ۔ ادریس نے خود کو اس جائیداد کا مالک ثابت کیا تھا، اس کے بعد ہی یہ سودا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ نگہت بیگم کون ہے؟ اور اس نے آپ کے توسط سے یہ نوٹس کیوں بھجوایا ہے؟''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''نگہت بیگم ایوب باری کی بیوہ اور ادریس باری کی ماں ہے خان صاحب! دراصل قصہ یہ ہے کہ ایوب باری کے انتقال کے بعد مذکورہ دکان کے مالکانہ حقوق ان ماں بیٹے میں سے کسی کے نام منتقل نہیں ہوئے تھے لیکن جب نگہت کو پتہ چلا کہ اس کی دکان پر کسی اور کا قبضہ ہو چکا ہے تو وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے دکان پر فون کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو مستقیم نے بتایا کہ یہ دکان اس نے ادریس باری سے خرید لی ہے۔ اسے یقین نہ آیا تو اس نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔ بیٹے نے بھی دکان کی فروخت کی تصدیق کر دی۔ اس کے ساتھ ہی نگہت بیگم پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ اس کا بیٹا ادریس باری، مستقیم کی بیٹی روبی عرف بے بی پر عاشق ہو گیا ہے اور اکثر و بیشتر ان کے گھر کے چکر کاٹتا رہتا ہے۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئی کہ بیٹے کو اس خطرناک چکر سے کیسے نکالے؟ اور یہی تشویش اسے میرے دفتر تک لے آئی تھی۔ نگہت کا خیال ہے کہ مستقیم اور اس کی فیملی کی محلے میں کوئی اچھی پوزیشن نہیں ہے۔ محلے والے انہیں دو نمبر لوگ سمجھتے ہیں۔ اس بات نے نگہت بیگم کو فکر مند کر رکھا ہے۔''

میں لمحہ بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ادریس اور بے بی والا معاملہ تو رہا

ایک طرف، نگہت بیگم کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ صدر والی وہ دکان ہاتھ سے کیسے نکل گئی۔ ادریس باری کو قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی والدہ کے علم میں لائے بغیر بالا ہی بالا اس جائیداد کو فروخت کر دے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ادریس نے ایسا کون سا چکر چلایا ہے جو وہ دکان کی فروخت میں کامیاب ہو گیا۔ اسی مقصد کی خاطر میں نے مستقیم کو نوٹس بھیجا تھا جس کے جواب میں آپ آ گئے۔''

میں نے اللہ داد خان المعروف بہ اے ڈی خان کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے جو دکان ادریس باری سے خریدی ہے اس کی ملکیت کے کاغذات نگہت بیگم کی کسٹڈی میں رکھے ہوئے تھے جو وہاں سے غائب ہو چکے ہیں اور یہ کہ...... ادریس نے انکم ٹیکس کے کاغذات کے بہانے نگہت سے چند کاغذات پر اس کے دستخط لئے تھے۔ میں اے ڈی خان کو یہ معلومات فراہم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ پہلے میں اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا، وہ کیا کہانی لے کر میرے پاس آیا ہے۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور آخر میں کہا۔

''دیکھیں وکیل صاحب!'' میری وضاحت کے بعد اس کا غصہ اور برہمی اڑن چھو ہو گئی تھی۔ ''جہاں تک مستقیم کے محلے والوں کی، ان کے بارے میں رائے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کسی کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ میں ان لوگوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ دراصل مستقیم کی بیوی فیروزہ میرے دفتر میں کام کرتی ہے۔ ٹاور کے علاقے میں ''خان ٹریڈنگ کمپنی'' کے نام سے میرا کاروبار ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ لوگ تھوڑے آزاد خیال اور ماڈرن ہیں جس کے سبب لوگ انہیں اچھا نہیں سمجھتے۔ جو کہ انتہائی نامعقول بات ہے۔ بہرحال، فیروزہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے صدر والی جو دکان خریدی ہے وہاں اس کے شوہر کو رکھ لوں۔ مجھے کسی نہ کسی کو تو رکھنا ہی تھا، میں نے اپنی دکان مستقیم کے سپرد کر دی۔ نگہت بیگم کے بیٹے ادریس باری سے فیروزہ کے گھر ہی میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ ان لوگوں سے میرے یوں سمجھیں کہ فیملی ٹرمز ہیں اور وہاں میرا آنا جانا بھی ہے۔'' وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ چلا کہ ادریس اپنی دکان فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میرا انویسٹ منٹ کا پروگرام تھا۔ فیروزہ نے مشورہ دیا کہ میں وہ دکان خرید لوں۔ اس کام کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ فیروزہ نے اپنے شوہر کا نام پیش کرتے ہوئے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس دکان کے معاملات مستقیم کو سونپ دوں۔ وہ بڑی خوش اسلوبی سے کاروبار کو سنبھال لے گا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ادریس باری اس جائیداد کو فروخت

کرنے کا اختیار رکھتا تھا یا نہیں......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس لی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جائیداد کی خرید و فروخت کا مجھے وسیع تجربہ ہے۔ اس سلسلے میں، میں کسی قسم کا دھوکا نہیں کھا سکتا۔ میں نے اس دکان کے کاغذات کو دیکھ کر اچھی طرح تسلی کر لی تھی کہ وہ ادریس باری ہی کی ملکیت ہے۔ پھر رجسٹری آفس میں رجسٹرار کے سامنے بھی پرانے اور نئے ڈاکومنٹس چیک ہوئے تھے۔ اگر ان کاغذات میں کوئی کمی یا کمزوری موجود ہوتی تو رجسٹرار کی نظر سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اور اب تو دکان کی نئی لیز جو کہ میرے نام ہے، اس کے کاغذات بھی مجھے مل گئے ہیں۔ میں نے کھلے والی جائیداد نہیں خریدی بیگ صاحب!''

اس کے لہجے کا اعتماد بتاتا تھا کہ وہ مضبوط پاؤں پر کھڑا تھا۔ میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''آپ کی بات سمجھ میں آ رہی ہے خان صاحب! لیکن میری...... بلکہ نگہت بیگم کی تسلی کے لئے آپ کو ایک کام کرنا ہو گا۔ آپ اسے ایک کارِ خیر سمجھ لیں۔''

''جی بتائیں...... میں آپ لوگوں کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''میں ایک نظر اس دکان کے ڈاکومنٹس دیکھنا چاہتا ہوں۔ پرانے اور نئے دونوں۔ وہ پرانی دستاویزات جن کے مطابق وہ جائیداد پہلے ایوب باری اور پھر ادریس باری کی ملکیت تھی اور وہ نئی دستاویزات جن کی رو سے آپ اب اس دکان کے مالک ہیں۔ آپ کے نام لیز والے کاغذات کے ساتھ ہی دکان کی ملکیت کا پرانا دستاویزی ریکارڈ بھی موجود ہو گا۔''

''جی ہاں...... بالکل موجود ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''لیکن یہ سارے اہم کاغذات میرے گھر پر رکھے ہوئے ہیں اور میں انتہائی مصروف آدمی ہوں۔ آپ کو زحمت کر کے میرے غریب خانے تک آنا ہو گا۔''

''آپ کی رہائش کراچی کے کس علاقے میں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''البیلا!'' اس نے مختصر بتایا۔

''اچھا، وہ البیلا جو سبیلہ کے قریب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ گارڈن ویسٹ کا علاقہ ہے نا؟''

''جی ہاں۔ بالکل۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور اپنے گھر کا ایڈریس مجھے نوٹ کروا دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ رات کو کتنے بجے گھر میں ملیں گے؟''

''میں نو بجے کے بعد گھر پر ہی ہوتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں فون کر کے کسی روز آپ کے گھر آؤں گا۔''

البیلا اور لسبیلہ کا علاقہ میرے گھر کے راستے میں پڑتا تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ دفتر سے واپسی پر میں اے ڈی خان کو چیک کرلوں گا۔

وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور رخصت ہونے سے پہلے بولا۔ ''اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو اپنی کلائنٹ کو بھی ساتھ لے آئیں تا کہ ایک ہی وزٹ میں آپ لوگوں کی تسلی ہو جائے۔ میں اس معاملے کے لئے بار بار وقت نہیں نکال سکوں گا۔''

''ٹھیک ہے، میں نگہت بیگم کو بھی اپنے ساتھ لے آؤں گا۔'' میں نے یہ کہہ کر اسے رخصت کر دیا۔

آئندہ روز میں نے اپنے دفتر سے اپنی کلائنٹ نگہت بیگم کو فون کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور آخر میں پوچھا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ اے ڈی خان کے گھر چلیں گی؟''

''اے ڈی خان؟'' اس نے پوری تفصیل سننے کے بعد یاد کرنے والے انداز میں دہرایا۔ ''یوں محسوس ہو رہا ہے، یہ نام میں نے پہلے بھی کہیں سن رکھا ہے...... بہرحال بیگ صاحب! اے ڈی خان کے بارے میں آپ نے خاصے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ میں اس شخص سے ضرور ملنا چاہوں گی اور وہ دستاویزی ثبوت بھی دیکھنا چاہوں گی جن کی بناء پر وہ ہماری دکان کا مالک بن بیٹھا ہے۔''

''تو آپ مجھے بتا دیں، اس کی طرف کس روز چلیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ ''وہ رات کو نو کے بعد ہی گھر پر ملتا ہے۔ آپ کو میرے دفتر آنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گی۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ''بتائیں، کس روز اور کتنے بجے میں آپ کے دفتر آ جاؤں؟''

''کل جمعہ ہے اور جمعے کے روز میں جلدی بھی دفتر سے اٹھ سکتا ہوں۔'' میں نے سوچنے والے انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، آپ کل آٹھ اور نو بجے کے درمیان میرے دفتر پہنچ جائیں۔ میں فون کر کے اے ڈی خان کو بتا دیتا ہوں۔''

اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ بروقت میرے پاس پہنچ جائے گی۔ پھر پوچھا۔ ''آپ نے اے ڈی خان کا پورا نام کیا بتایا تھا؟''

''اللہ داد خان!'' میں نے جواب دیا۔

''ہوں...... اللہ داد...... اے ڈی خان......!''

''کچھ یاد آیا، آپ نے یہ نام پہلے کہاں اور کس حوالے سے سن رکھا ہے؟''

''نہیں......'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''میں یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، آپ یہ کوشش جاری رکھیں اور جیسے ہی کچھ یاد آئے فوراً مجھے بھی بتائیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ کے بیٹے ادریس باری کا کیا حال ہے؟''

''وہی حال ہے جو پہلے تھا۔'' وہ ایک دم اُداس ہو گئی۔ ''زیادہ وقت فیروزہ ہی کے گھر میں گھسا رہتا ہے۔ پتہ نہیں، ان لوگوں نے میرے بیٹے کو کیا گھول کر پلا دیا ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''آپ نے بتایا تھا، ادریس باری فیروزہ کی بیٹی روبی عرف بے بی کے عشق میں مبتلا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے تصدیقی انداز میں پوچھ لیا۔

''بالکل یہی صورتِ حال ہے جناب!'' وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولی۔ ''میرے استفسار پر اس نے بتایا ہے کہ روبی بھی اس سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اس کے والدین یعنی فیروزہ اور مستقیم بھی اس شادی کے لئے تیار ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اور آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ بے بی نہایت ہی حسین و جمیل اور پُرکشش لڑکی ہے؟''

''جی، اس میں تو کسی شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

''تو پھر آپ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بیٹے کو کچھ گھول کر پلا دیا ہے۔ بلکہ انہیں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔'' میں لمحے بھر کے لئے سانس لینے کو متوقف ہوا تو نگہت نے فوراً سوال کر دیا۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں بیگ صاحب؟''

''نگہت بیگم!'' میں نے کہا۔ ''بے بی نے اپنے حُسن کا جادو چلایا ہے۔ یہ سارا کرشمہ اسی کی کشش اور خوب صورتی کا ہے۔ آپ کا بیٹا حُسن گرفتہ ہے اور اس قسم کی صورتِ حال میں دماغ معقول انداز میں سوچنا بھول جاتا ہے۔ حُسن گرفتہ انسان کا ہر عمل غیر اختیاری ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے نفع نقصان کا ذرا خیال نہیں رہتا۔ رہا وہ شخص جو اسے سمجھانے کی کوشش کرے وہ اسے اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے۔ اسے ہر سمت اپنے محبوب کی صورت ہی نظر آتی ہے۔ خوابوں میں، خیالوں میں اور تصورات میں، تخیلات میں صرف ایک ہی ذات کی حکمرانی ہوتی ہے...... وہ ذات جس پر وہ مرمٹتا ہے۔''

نگہت بیگم نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''لیکن ادریس جس ذات کے چکر میں پھنس کر اپنی تباہی و بربادی کو یقینی بنا رہا ہے وہ بڑی ہی بدذات شے ہے بیگ صاحب! اگر وہ لوگ شریف اور خاندانی ہوتے تو میں خود ادریس کا رشتہ لے کر ان کے گھر جاتی۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے ادریس کے علاوہ اور کس کس کو بے بی کا آسرا دے رکھا ہے۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں بیگ صاحب! کسی طرح میرا ادریس ان کے چنگل سے نکل آئے تو میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں گی اور آپ کا یہ احسان تو میں زندگی بھر یاد رکھوں گی۔''

''پہلے ہم اے ڈی خان سے ملاقات کر کے صورتِ حال کی حقیقت کو سمجھ لیں۔'' میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ ''پھر میں ادریس باری کو فیروزہ اینڈ کو سے نکالنے بہ الفاظ دیگر چھڑانے کی کوشش کروں گا۔''

اس نے مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور دو چار رسمی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔''

آئندہ روز ہم دونوں اے ڈی خان کے گھر پہنچ گئے۔ اس نے سرسری انداز میں ہمارا استقبال کیا اور اپنے ڈرائنگ روم میں لے جا کر بٹھایا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ ایک ضخیم فائل اٹھا لایا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بڑی فراخ دلی سے بولا۔

''مسٹر بیگ! آپ ایک تجربہ کار وکیل ہیں۔ میں نے صدر والی دکان کے تمام کاغذات آپ کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں۔ آپ ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں تاکہ آپ لوگوں کی تسلی ہو جائے۔''

میں اس فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ دس پندرہ منٹ کی باریک بینی کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اے ڈی خان بالکل سچا تھا۔ اس نے عین قانونی طریقے سے وہ دکان خریدی تھی۔ اس سے پہلے، دستاویزات کی رو سے ادریس باری اس دکان کا مالک تھا اور اس سے قبل ایوب باری اس دکان کا مالک تھا۔ ادریس باری نے اپنے باپ کی ملکیت کو اپنی ملکیت میں کس طرح بدلا ہو گا، یہ سمجھنے میں مجھے قطعاً دقت محسوس نہ ہوئی۔ اس نے نگہت بیگم کی بے خبری میں مصنوعی انکم ٹیکس کے کاغذات پر جو دستخط کرائے تھے وہی اصل گیم تھا اور اس گیم میں کسی نہایت ہی شاطر اور ہوشیار وکیل کا اسے تعاون حاصل رہا ہو گا۔ نگہت کی مرضی اور آمادگی ظاہر کرتے ہوئے ایوب باری کی دکان کو ادریس باری کے نام منتقل کروایا گیا تھا۔ عین ممکن ہے، نگہت بیگم کو شدید علیل یا معذور یا مفلوج بتا کر اس کی طرف سے کوئی اٹنی ڈیوٹ وغیرہ دائر کر دیا گیا ہو۔ بہرحال اس گیم کو جس بھی انداز میں کھیلا گیا تھا، اب اے ڈی خان ہی اس دکان کا قانونی مالک تھا۔

میں نے نگہت بیگم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ گہری تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''جب اپنی مرغی ہی صحیح نہ ہو تو پرائے گھر میں انڈا دینے سے اسے کون روک سکتا ہے۔''

میں نے اسے مایوسی اور افسردگی کی کیفیت سے باہر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مرغی نے ابھی صرف ایک انڈا ہی پرائے گھر میں دیا ہے۔ اس کے پیٹ میں اور بھی انڈے ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ایسی ہی کوئی اور حرکت کرے، ہمیں مرغی کو واپس اپنے گھر لانا ہو گا۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟''

نگہت نے پُرمعنی انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

اے ڈی خان نے نگہت سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ بے حد اصرار کر کے اس نے ہمیں چائے پلائی۔ اس کے بعد ہم اس کے گھر سے نکل آئے۔

البیلا کے علاقے سے کورنگی اچھے خاصے فاصلے پر ہے اور اس وقت رات بھی کافی ہو چکی تھی۔ نگہت بیگم اپنے گھر سے اکیلی میرے دفتر پہنچی تھی لیکن واپسی میں اسے اکیلا بھیجنا مجھے مناسب محسوس نہ ہوا۔ اس روز مجھے گھر پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ گھر والے کسی شادی میں شرکت کے لئے نواب شاہ گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی اگلے روز دوپہر کے بعد تھی۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اپنی گاڑی میں نگہت بیگم کو اس کے گھر چھوڑ آؤں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ میں نے نگہت کو اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا۔

نگہت نے اس پیش کش پر میرا بے حد شکریہ ادا کیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

جب ہم کراسنگ سے آگے بڑھے تو اس نے مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! یہ آپ کی مہربانی ہے کہ اپنے قیمتی وقت کی پرواہ کئے بغیر آپ مجھے گھر چھوڑنے جا رہے ہیں۔ اگر آپ صرف پانچ منٹ اور نکال لیں تو بڑی نوازش ہو گی۔''

''پانچ منٹ........وہ کس لئے؟'' میں نے اُلجھن زدہ انداز میں پوچھا۔

''ہم ناصر کالونی کے قریب پہنچنے والے ہیں اور فیروزہ کا گھر ادھر ناصر کالونی ہی میں ہے اور مین روڈ سے زیادہ اندر بھی نہیں۔ میں چاہتی ہوں، ایک نظر آپ بھی اس گھر کو دیکھ لیں۔''

''کیا اس کا کوئی فائدہ ہو گا؟'' میرا لہجہ بدستور اُلجھا ہوا تھا۔

''ممکن ہے، اس گلی میں کھڑے دو چار افراد سے ملاقات ہو جائے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ہم اجنبی بن کر مستقیم اور فیروزہ کے بارے میں ان سے پوچھیں گے۔ دراصل میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ محلے والے ان کے بارے میں کس قسم کی رائے رکھتے ہیں۔''

میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے نگہت بیگم! آپ نے فیروزہ اینڈ کو کے بارے میں جو بھی ریسرچ کی ہے وہ بالکل درست ہوگی۔ میں اس حوالے سے مزید کوئی تفتیش یا تصدیق ضروری نہیں سمجھتا۔ بہرحال......" میں لمحہ بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس گھر کو ایک نظر دیکھنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔"

اپنے گھر پہنچنے سے قبل نگہت بیگم نے ناصر کالونی میں واقع وہ گھر مجھے دکھا دیا جس میں مستقیم رہتا تھا۔ وہ ایک سو بیس گز پر بنا ہوا ایک منزلہ صاف ستھرا مکان تھا جس کی چھت پر بنی ہوئی پانی والی ٹینکی کے اوپر سیمنٹ اور سریے کی مدد سے ایک اُڑتی ہوئی چیل بنائی گئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چیل اپنے پَر پھیلائے اس ٹینکی کے اوپر اُڑ رہی ہو۔

نگہت نے مجھے بتایا کہ اس گھر کو "چیل والا مکان" بھی کہا جاتا ہے۔

میں نے نگہت بیگم کو بخیریت اس کے گھر پہنچایا اور واپسی کی راہ لی۔

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد عدالت جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ نگہت کا فون آ گیا۔ میں نے اسے اپنے گھر کا نمبر بھی دے دیا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو اس کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"بیگ صاحب! پتہ ہے، میں آج پوری رات سو نہیں سکی۔"

"خیریت...... ایسا کیوں ہو گیا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ...... وہ اے ڈی خان ہے نا......" وہ ہیجانی لہجے میں بولی۔ "مجھے اس کے بارے میں یاد آ گیا ہے...... اور ادریس نے اس کی تصدیق بھی کی ہے...... ادریس رات گئے گھر آ گیا تھا۔"

میرے اندر بھی تجسس جاگ اٹھا۔ میں نے سنسنی بھرے انداز میں پوچھ لیا۔ "آپ کو اے ڈی خان کے بارے میں ایسا کیا یاد آ گیا ہے جس کی تصدیق آپ کے بیٹے نے بھی کر دی ہے؟"

وہ مضطربانہ لہجے میں بتانے لگی۔ "مستقیم اور فیروزہ جس مکان میں رہتے ہیں نا وہ دراصل اے ڈی خان کی ملکیت ہے۔ اس نے انہیں صرف رہنے کے لئے دیا ہوا ہے۔ یہ بات مجھے اس کے محلے داروں نے بتائی تھی وہ اے ڈی خان کے نام سے تو واقف نہیں ہیں لیکن انہوں نے مجھے اس شخص کا جو حلیہ بتایا تھا وہ اے ڈی خان پر فٹ بیٹھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے، یہ شخص اکثر و بیشتر فیروزہ کے گھر آتا ہے۔ میں نے اس مکان کے حوالے سے جب

ادریس سے پوچھا تو اس نے تصدیق کر دی کہ فیروزہ والے مکان کا مالک اے ڈی خان ہی ہے۔" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیگ صاحب! مجھے تو یہ اے ڈی خان بہت ہی خطرناک شخص لگتا ہے۔"

اے ڈی خان سے ہونے والی پہلی ملاقات میں اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا مستقیم کے گھر میں آنا جانا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ اس کے فیملی ٹرمز ہیں۔ اب رہی مکان کی ملکیت کی بات تو اس سے میرے خیال میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اے ڈی خان نے وہ گھر ان لوگوں کو ایسے ہی مفت میں رہنے کے لئے دیا ہوا تھا یا وہ اس کا کرایہ وصول کرتا تھا اس سے کوئی بحث نہیں تھی۔ جہاں فیملی ٹرمز ہوں، وہاں کچھ بھی ممکن ہے۔

میں نے نگہت بیگم کی انکشافیہ باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دی اور آخری جملے کے سلسلے میں اس سے پوچھ لیا۔ "آپ کے خیال میں اے ڈی کن معنوں میں خطرناک شخص ہے؟"

"میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ پوری طرح مستقیم اور فیروزہ سے ملا ہوا ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں بولی۔ "ان سب نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت میرے بیٹے کو ایک سنہری جال میں پھانس رکھا ہے۔ بے بی کا چارا ادریس نے نگل لیا تو انہیں اپنے منصوبے پر عمل کرنے میں بہت آسانی ہو گئی۔ اے ڈی خان نے بڑی مہارت سے ادریس کو اپنے شیشے میں اُتارا اور اس سے صدر والی دکان ہتھیا لی۔ اللہ جانے، آگے کیا کیا ہونے والا ہے!"

بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ میں اس کے جذبات اور احساسات کو سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک ماں تھی اور شوہر کے انتقال کے بعد ادریس کے سوا اس کا اس دنیا میں اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے صدر والی دکان کا، اپنے ہاتھ سے نکلنے کا گہرا دکھ تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑا صدمہ یہ تھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا بھی رفتہ رفتہ ہاتھ سے نکلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ تکلیف پہلے رنج سے کہیں بڑھ کر اور ناقابل برداشت تھی۔

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے اور سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "دیکھیں نگہت صاحبہ! آپ کا بیٹا اگر روبی عرف بے بی کی خاطر فیروزہ کے گھر کے چکر کاٹتا ہے تو اس کے لئے ہم براہِ راست اے ڈی خان کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ خاص طور پر ادریس کے اس دعوے کی روشنی میں کہ وہ بے بی سے شدید محبت کرتا ہے اور جواب میں وہ بھی اسے بے پناہ چاہتی ہے۔ اور یہ کہ فیروزہ اینڈ کو ان کی اس شادی پر معترض بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ معاملہ تو بالکل الگ ہو گا۔ وقت بتائے گا کہ ایسا ہو پاتا ہے یا نہیں۔"

میں تھوڑی دیر کو متوقف ہوا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''دوسرا معاملہ ہے صدر والی دُکان کا اور اس معاملے کا تعلق اے ڈی خان سے ہے۔ ہم اس کے گھر گئے تھے اور دکان کی خرید کے سلسلے کے تمام قانونی دستاویزی ثبوت ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس کا مطلب ہے، آپ کے بیٹے نے قیمت وصول کر کے وہ دکان اے ڈی کے ہاتھ بیچی ہے اور اس بات سے ادریس باری بھی انکاری نہیں۔''

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اُٹھی۔ ''لیکن اس دکان کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کہیں دکھائی کیوں نہیں دیتی؟''

''آپ نے بتایا تھا، ادریس نے اس رقم کو کہیں انویسٹ کر دیا ہے؟''

''وہ جھوٹ بولتا ہے........سراسر جھوٹ!'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''جب کوئی رقم کہیں انویسٹ کی جاتی ہے تو وہاں سے منافع کی رقم بھی باقاعدگی سے آنا شروع ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ بڑا گڑبڑ ہے۔ مجھے پورا یقین ہے، ادریس کو اُلو بنا کر اس سے دکان ہتھیا لی گئی ہے اور اگر واقعی اس نے اے ڈی خان سے کوئی بھاری رقم وصول کی ہے تو پھر اس نے مذکورہ رقم کہیں انویسٹ نہیں کی بلکہ بے بی کی اماں فیروزہ میڈم کو کھلا دی ہے۔ اس آسرے میں کہ وہ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کر دے گی۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں ایسے لوگوں کا طریقہ واردات کیا ہوتا ہے۔''

''اس صورت میں بھی ہم فیروزہ یا اے ڈی خان کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے۔'' میں نے بدستور نرم اور دھیمے لہجے میں کہا۔ ''سارا قصور آپ کے بیٹے ادریس باری کا ہے اور یہ نہایت ہی کڑوا سچ ہے نگہت صاحبہ!''

''میں جانتی ہوں........سب سمجھتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں ادریس کو اس بھنور سے کیسے نکالوں؟''

میں نے ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''جب اپنی سمجھ کام نہ کر رہی ہو تو پھر کسی قابل اعتماد شخص کی سمجھ سے کام لینا چاہئے۔'' اس سے ٹیلی فونک گفتگو کے دوران میں اپنی تیاری بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''میں آپ کا وکیل ہوں، اس کا مطلب ہے آپ مجھ پر بھروسہ کرتی ہیں۔ میں آپ کو ایک قیمتی مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے مشورے پر عمل کرنے کو تیار ہیں؟''

''بالکل........کیوں نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''آپ جو کہیں گے، میں کرنے کو تیار ہوں۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''آپ اپنے بیٹے کو میرے پاس لانے کے لئے تیار کریں۔ کسی بھی بہانے۔ میں اس سے ایک تفصیلی ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کے عشق کا بخار کتنی ڈگری پر ہے۔ میں بڑے طریقے سلیقے سے اس سے بات کروں گا اور میری باتوں کے لچھوں میں وہ گھر کر رہ جائے گا۔ اور جب میں محسوس کروں گا کہ لوہا گرم ہو چکا ہے تو میں ایک کاری چوٹ لگا دوں گا۔ مجھے امید ہے وہ میری بات کی حقیقت کو پہنچ جائے گا۔ میں حالات کی بالکل اصلی اور تلخ تصویر اس کے سامنے اُجاگر کروں گا اور مجھے ننانوے فیصد یقین ہے، وہ روبی عرف بے بی کے خیال کو اپنے دل سے نکال دے گا۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گی بیگ صاحب!'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ''دکان، اے ڈی خان اور فیروزہ اینڈ کو پر میں نے لعنت بھیج دی ہے۔ اگر میرا بیٹا مجھے واپس مل جائے تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو گی۔''

''ٹھیک ہے........میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے خلوص نیت سے کہا۔ ''جس روز آپ لوگوں کو میرے دفتر آنا ہو، پہلے مجھے فون پر اطلاع ضرور دیں تاکہ میں دیگر کلائنٹس کو ہینڈل کر سکوں۔ ممکن ہے ہماری میٹنگ طول کھینچ جائے۔''

''بیگ صاحب! میں پہلے ادریس سے بات کرتی ہوں پھر آپ کو فون کر کے بتاؤں گی۔'' نگہت نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

اختتامی جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے ریسیور کریڈل کر دیا۔

دو روز کے بعد نگہت کا فون آیا۔ اس وقت میں اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری سیکرٹری نے لائن دی تو میں نے نگہت کے ''السلام علیکم'' کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہنے کے بعد پوچھ لیا۔

''آپ کیسی ہیں؟''

''اللہ کا احسان ہے بیگ صاحب!''

''آپ کی آواز بتا رہی ہے، آپ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہیں۔''

''ایک سو ایک فیصد۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''میں نے ادریس کو آپ کے دفتر آنے کے لئے راضی کر لیا ہے۔ ہم کل شام میں آپ کے پاس آ رہے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ نے اسے کیا بتایا ہے کہ کس مقصد سے میرے پاس آئیں گی؟''

"بیگ صاحب! اس سلسلے میں، میں نے اس سے ایک جھوٹ بولا ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اب آپ نے میرے اس جھوٹ کو اس کے سامنے نبھانا ہے۔"

"اور......وہ جھوٹ کیا ہے؟" میں نے استفسار کیا۔

نگہت بیگم نے جواب دیا۔ "میں نے ادریس سے کہا ہے کہ میں اب اکثر بیمار رہنے لگی ہوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ، کس وقت بلاوا آ جائے لیکن میں اپنی آنکھ بند ہونے سے پہلے جائیداد وغیرہ کے معاملات کو اس طرح سیٹ کر دینا چاہتی ہوں کہ میرے بعد اس کے لئے کوئی مشکل کھڑی نہ ہو۔ صدر والی دکان کو تو وہ بیچ چکا، باقی دو مکان بچتے ہیں۔ میں اپنی زندگی میں یہ دونوں مکان اس کے نام کرنا چاہتی ہوں اور اس سلسلے میں، میں نے ایک قابل وکیل مرزا امجد بیگ سے بات کر لی ہے اور اسی لئے وکیل صاحب نے ہمیں اپنے دفتر بلایا ہے۔"

"اوہ......یہ تو خاصا خطرناک جھوٹ ہے۔" میں نے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔

"بیگ صاحب! میں نے سن رکھا ہے کسی کارِ خیر کے لئے ہلکی پھلکی دروغ گوئی جائز ہوتی ہے۔" اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"ہاں......میں نے بھی ایسا سن رکھا ہے اور اس کو صحیح بھی سمجھتا ہوں۔" میں نے بڑے رسان سے کہا۔ "لیکن آپ جو کچھ کرنے جا رہی ہیں وہ ہلکی پھلکی دروغ گوئی نہیں۔ کیا آپ واقعی وہ مکانات ادریس کے نام کرنے کا کوئی سنجیدہ ارادہ رکھتی ہیں؟"

"موجودہ صورتِ حال میں تو ایسا کوئی قدم اٹھانا سراسر حماقت ہو گی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "وہ جس طرح بے بی کے عشق میں غرق ہے، مکان ہاتھ میں آتے ہی وہ انہیں یا ان کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کو میڈم فیروزہ کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے، وہ لوگ مزید کچھ عرصہ تک اپنے گھر میں اس کے آ جانے کو برداشت کر لیں اور وہ رات دن وہاں پڑا رہے لیکن......میں تو فوراً ہی فٹ پاتھ پر آ جاؤں گی۔"

"جی ہاں......حالات کا تجزیہ یہی بتاتا ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "آپ کو ایسی حماقت کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ مگر یہ سوچ لیں کہ اگر ادریس کو ایک مرتبہ آپ نے اس پٹری پر چڑھا دیا تو پھر وہ آپ کی جان کو آ جائے گا۔ رات دن اس کی ایک ہی رٹ ہو گی کہ مکانات اس کے نام کر دیئے جائیں۔ آپ زیادہ عرصہ تک ٹال مٹول سے کام نہیں چلا سکیں گی۔" میں لمحہ بھر کو سانس لینے کے لئے تھما پھر نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔

"نگہت صاحبہ! یہ مال و زر اور زمین و جائیداد بڑی خطرناک چیزیں ہیں۔ انسان اگر ان کے حصول کے جنون میں مبتلا ہو جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے......کسی بھی حد تک جا سکتا

ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں نا؟"

میں اسے دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن مجھے یقین ہے اس نے میری بات کے جواب میں ایک صحت مند جھرجھری ضرور لی ہو گی۔ اگلے ہی لمحے اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس آواز میں بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ بہ درجہ اتم موجود تھی۔

"بیگ صاحب! آپ کا یہی مطلب ہے نا، اگر میں نے زیادہ عرصے تک اسے ٹہلائے رکھا تو وہ جائیداد حاصل کرنے کے لئے میری جان بھی لے سکتا ہے۔ زندگی میں نہ سہی، میری موت کے بعد تو یہ سب کچھ بہرحال اس کے حصے میں آئے گا!"

میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے کی بجائے الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "دیکھیں نگہت صاحبہ! میں انسان کی فطرت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بات کر رہا ہوں اور آپ کا بیٹا بھی ایک انسان ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی مخصوص فطرت بھی ہمارے سامنے کھل چکی ہے۔"

میں نے لمحاتی توقف کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جائیداد کے کاغذات وغیرہ تک پہلے اسے رسائی حاصل تھی۔ اس نے صدر والی دکان کو فروخت کرنا چاہا تو آپ کو بے وقوف بنا کر اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا لیکن اس کی اس حرکت سے آپ ہوشیار ہو گئیں اور مکانات وغیرہ کے کاغذات کو آپ نے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ ادریس وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس صورتِ حال میں اگر آپ اس سے مکانات کے سلسلے میں کوئی جھوٹا وعدہ کرتی ہیں اور پھر "آج کل، آج کل" کر کے اسے ٹہلاتی رہتی ہیں تو اس کے اندر ایک ضد جنم لے گی۔ جلد ہی یہ ضد سرکشی کا روپ دھار لے گی۔ آپ کی ٹال مٹول اسے کسی ایسے جنون میں مبتلا کر سکتی ہے کہ وہ حصولِ مقصد میں اندھا ہو کر کوئی سنگین قدم اٹھا بیٹھے۔"

"پھر......پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟" وہ گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ غلطی تو مجھ سے ہو چکی۔"

"میں آپ کا وکیل ہوں نگہت صاحبہ! لہٰذا آپ کو گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب جو کچھ بھی کروں گا، میں ہی کروں گا۔" میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ نے نیک مقصد کی خاطر اپنے بیٹے سے جو جھوٹ بولا ہے، میں اسے نبھاؤں گا اور ایسی خوب صورتی سے نبھاؤں گا کہ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔"

"اللہ آپ کو عمرِ خضر عطا کرے بیگ صاحب!" وہ دعائیہ لہجے میں بولی۔ "آپ جیسے نیک دل اور پُرخلوص لوگوں کی دنیا میں بڑی تیزی سے کمی ہوتی جا رہی ہے۔"

میں نے اس کی دعا پر تبصرے سے گریز کیا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اس میٹنگ میں مَیں آپ دونوں کے ہوتے ہوئے جو بھی طے کروں گا اس پر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گی۔ مجھے کوئی مناسب فیصلہ کرنے کے پورے اختیارات حاصل ہوں گے، یہ بات اچھی طرح سوچ لیں۔''

''ظاہر ہے بیگ صاحب! آپ جو فیصلہ کریں گے وہ میرے حق میں ہی ہوگا۔'' وہ متذبذب انداز میں بولی۔ ''میں بھلا آپ پر اعتراض کیوں کروں گی؟''

''میرا فیصلہ آپ دونوں کے حق میں انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔'' میں نے پورے تیقن سے کہا۔

وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''یہ مقدمہ اگر کورٹ کچہری کے بغیر آپ کے دفتر ہی میں حل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔'' وہ قدرے جذباتی ہوگئی۔ ''بیگ صاحب! آپ بھی میرے بیٹے کی طرح ہیں۔ آپ ایک ماں کے حق میں اچھا ہی سوچیں گے۔ میں آپ کو فیصلے کا پورا اختیار دیتے ہوئے یہ وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی ہر بات کو دل و جان سے مان لوں گی۔''

''آپ نے مجھے بیٹا کہہ کر اس کیس کو خاصا خاندانی سا کر دیا ہے نگہت صاحبہ!'' میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کے بیٹے اور آپ کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن اس سلسلے میں میری ایک چھوٹی سی عرض ہے۔''

''وہ کیا بیگ صاحب؟'' وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوئی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کل میرے دفتر نہ آئیں۔ میں دو تین دن اس کیس پر عملی نوعیت کا کچھ کام کرنا چاہتا ہوں، خاص طور پر مجھے اے ڈی خان اور مستقیم وغیرہ کی ہسٹری کے حوالے سے چند مصدقہ معلومات درکار ہیں جن کو بنیاد بنا کر میں ادریس سے بات کروں گا اور میں یقیناً اپنے ذرائع استعمال کر کے یہ معلومات حاصل کرلوں گا۔ آپ کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ ایسا کریں......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر تھوڑا توقف کیا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ آئندہ سوموار کو ٹھیک تین بجے سہ پہر میرے دفتر پہنچ جائیں۔ اس وقت مجھے فرصت ہوگی۔ لہٰذا تسلی سے بات ہوجائے گی۔''

اس نے میری بات پر عمل کرنے کا یقین دلایا اور میں نے رابطہ موقوف کر دیا۔

آئندہ ایک دو روز میں، میں نے اپنے گھوڑے دوڑا کر تمام ضروری معلومات حاصل کر

لیں۔ اس سلسلے میں مجھے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اب میں ادریس باری سے ایک دلچسپ گیم کھیلنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔ مجھے اے ڈی خان اور میڈم فیروزہ کے بارے میں بعض حیرت انگیز اور سنسنی خیز باتیں بھی پتہ چلی تھیں۔ ان کا ذکر میں اسی میٹنگ میں کروں گا جو آنے والے سوموار کو ہم تینوں کے بیچ ہونے والی تھی۔ تھوڑا سا تجسس اور کھوج آپ کے ذہنوں میں بھی تو موجود رہنا چاہئے!

سوموار کو وہ دونوں ماں بیٹا میرے دفتر میں موجود تھے۔ ادریس باری کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد کا ایک متناسب البدن شخص تھا۔ اس کے چہرے پر خاصی معقولیت پائی جاتی تھی اور اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس نے کوئی حماقت کا سودا کیا ہوگا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے ادریس باری کو اپنے ساتھ الجھا لیا۔

''تم مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھ سکتے ہو۔ چاہو تو انکل بھی کہہ سکتے ہو۔ حالانکہ ہماری عمروں میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہے۔ بہرحال میں صرف ایک وکیل ہی نہیں بلکہ آپ کی فیملی سے میرا بڑا پرانا تعلق ہے۔''

اس نے ایک لمحے کے لئے اُلجھن زدہ نظر سے اپنی ماں کو دیکھا پھر دوبارہ میری جانب متوجہ ہوگیا۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''اس شہر میں وکیلوں کی کوئی کمی تو نہیں۔ اگر تمہاری والدہ نے مجھ سے رابطہ کیا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ تو ہوگی نا۔''

میں لمحہ بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''شاید نگہت بیگم نے تمہیں نہیں بتایا کہ تمہارے والد ایوب باری سے کسی زمانے میں میرے دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب تم نے ابھی سکول جانا شروع کیا تھا۔ پھر میں ملک سے باہر چلا گیا اور ہم میں ربط ضبط نہ رہا۔ اسی وجہ سے ایوب باری نے کبھی تم سے میرا ذکر نہیں کیا ہوگا۔ لیکن یہ بات تمہاری والدہ کو اچھی طرح معلوم ہے۔''

میں سانس درست کرنے کے لئے تھوڑا متوقف ہوا تو ادریس باری بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے اس سے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سراسر غلط بیانی تھی اور یہ ایسی دروغ گوئی تھی جو اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے میں کر رہا تھا اور فوری طور پر اس کے پکڑے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ بعدازاں جو بھی حقیقت حال اس پر کھل بھی جاتی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہوتے۔

''میں کچھ عرصہ پہلے وطن لوٹا ہوں اور دوبارہ پریکٹس جمائی ہے۔ پچھلے دنوں میں نے

ایوب باری کی خیر خیریت دریافت کرنے کے لئے تمہارے گھر فون کیا تو نگہت بیگم سے بات ہوئی اور اس وقت مجھے پتہ چلا کہ میرے ایک دیرینہ دوست کا انتقال ہو چکا ہے اور تم....... جسے میں نے چار پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا، اب اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ تم نے اپنی والدہ کو بے حد پریشان کر رکھا ہے۔"

وہ چونک اٹھا اور سوالیہ نظر سے نگہت بیگم کو دیکھنے لگا۔ میں نے دوبارہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، تم میری باتوں کا برا نہیں ماننا۔ میں نے تمہیں اپنا چھوٹا بھائی کہا ہے لہٰذا ایک بڑے بھائی ہونے کے ناتے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں تمہارے فائدے نقصان پر نظر رکھوں۔ جب تمہاری والدہ نے مجھے تازہ ترین حالات کے بارے میں بتایا تو میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں میرے کلائنٹس کا تانتا بندھ جائے گا۔ تمہارے دو بڑے کارنامے میرے علم میں آئے ہیں جن میں سے ایک کو سن کر مجھے بے حد افسوس ہوا اور دوسرے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔"

"کون سے دو کارنامے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

میں نے کہا۔ "سیانے کہہ گئے ہیں کہ جب آپ کے پاس کسی کو بتانے کے لئے دو خبریں ہوں جن کا تعلق خوشی اور غمی لانے کا موجب ہو تو پہلے غمی کی خبر دینا چاہئے تاکہ جب بعد میں آپ اسے خوشی کی خبر سنائیں تو اس کا غم مکمل نہیں تو کسی حد تک ہی سہی، ختم ہو جائے۔ لہٰذا میں بھی اسی فارمولے پر عمل کرتا ہوں۔"

میں نے لمحے بھر کا توقف کر کے ٹٹولتی ہوئی نظر سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ادریس باری کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر ایک نامعلوم سی بے چینی جاگ اُٹھی تھی۔ وہ حیرت اور اُلجھن کی ملی جلی نظر سے کبھی مجھے اور کبھی اپنی والدہ کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ سن کر مجھے سخت افسوس ہوا کہ تم نے صدر والی دکان فروخت کر دی ہے......!"

"وہ......وہ وکیل صاحب!......میرا مطلب ہے، امجد بھائی......!" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "وہ دراصل بات یہ ہے کہ کاروبار بہت ڈاؤن جا رہا تھا اس لئے۔"

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اپنا بڑا بھائی تسلیم کر لیا تھا۔ اب میں با آسانی اپنے منصوبے کو آگے بڑھا سکتا تھا۔ میں نے نہایت ہی نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم نے وہ دکان کتنے میں فروخت کی ہے ادریس؟"

"ایک لاکھ تیس ہزار میں۔" اس نے جواب دیا۔ "تمام ساز و سامان کے ساتھ۔"

آج سے پینتیس چھتیس سال پہلے ایک لاکھ تیس ہزار کی اچھی خاصی ویلیو ہوا کرتی تھی۔

میں نے ایک لمحہ گہری سوچ میں ڈوبنے کی اداکاری کی اور پھر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"کاروبار ڈاؤن جا رہا ہو تو پھر اس نوعیت کا قدم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ میں محسوس کر رہا ہوں، تم نے بہت سوچ سمجھ کر ہی دکان فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ بہرحال، تمہاری والدہ کو یہ بات پسند نہیں آئی اس لئے اس نے مجھ سے تمہاری شکایت کر دی۔ میں نے پوچھا، دکان کس کو بیچی ہے؟ تمہاری والدہ نے بتایا، کوئی مستقیم صاحب ہیں.......اور یہ بھی پتہ چلا کہ تمہارا اس مستقیم کے گھر آنا جانا بھی ہے۔ اور یہی آنا جانا تمہاری والدہ کی پریشانی کا باعث ہے۔"

میں نے ایک مرتبہ پھر توقف کیا اور ایسی نظر سے ادریس باری کو دیکھنے لگا جیسے میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے بھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں اس حقیقت کو پہنچ چکا ہوں کہ اس نے کس طرح دستاویزی چکر چلا کر صدر والی دکان کو فروخت کیا تھا۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔

"میں نے تمہاری والدہ کی بات پوری توجہ سے سنی اور اپنی متجسس طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے مستقیم وغیرہ کے بارے میں تھوڑی تفتیش کر ڈالی اور اس کوشش کے دوران مجھ پر کئی حیرت انگیز انکشافات ہوئے.......!"

میں نے ڈرامائی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر مختلف قسم اور رنگ کے تاثرات آپس میں خلط ملط ہو کر رہ گئے تھے۔ میں نے پچھلے دنوں اے ڈی خان اور مستقیم اینڈ کو کے بارے میں جو ریسرچ کی تھی اسے عملاً آزمانے کا وقت آ گیا تھا لہٰذا ٹھہرے ہوئے لہجے میں، میں نے کہنا شروع کیا۔

"ادریس! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے دراصل وہ دکان اللہ داد خان نامی ایک شخص کے ہاتھ فروخت کی ہے جو اے ڈی خان کے نام سے مشہور ہے۔ مستقیم کی حیثیت اس کے ایک ملازم جیسی ہے۔ اور اسی اے ڈی خان کا مستقیم کے گھر آنا جانا بھی ہے۔ وہ ان لوگوں سے اپنے دیرینہ فیملی ٹرمز بتاتا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

"نن......نہیں۔" وہ کن انکھیوں سے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

میں نے اپنے منصوبے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ادریس! یہ سن کر تمہیں حیرت ہو گی کہ میں اس اے ڈی خان کو کافی عرصے سے جانتا ہوں اور اس کی حقیقت سے بھی بہ خوبی واقف ہوں۔''

''حقیقت......کون سی حقیقت؟'' اس نے تعجب خیز نظر سے مجھے دیکھا۔

اس دوران نگہت بیگم بالکل خاموش بیٹھی یہ سارا ڈراما پلے ہوتے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پہلے سے اسے اچھی طرح یہ بات سمجھا دی تھی کہ اسے بڑی عقل مندی اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہدایات کے عین مطابق عمل کرنا ہے۔ اور وہ بعینہ ایسا کر رہی تھی۔

''وہ حقیقت جو اس نے دنیا والوں سے چھپا رکھی ہے۔'' میں نے ادریس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بعض لوگ اسے کچھ سمجھتے ہیں اور بعض کچھ...... جیسے اس نے تمہیں بتایا ہو گا کہ وہ ایک ٹریڈنگ کمپنی کا مالک ہے جس کا دفتر ٹاور کے علاقے میں واقع ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کھارادر میں ایک اسٹیٹ ایجنسی چلاتا ہے...... خان اسٹیٹ ایجنسی!''

''لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

''شاید کوئی فرق نہ پڑتا، اگر تمہارا مستقیم کے گھر سے سنجیدہ تعلق نہ ہوتا۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تمہارے سنجیدہ معاملات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو بہت فرق پڑتا ہے ادریس میاں!''

وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ ''مجھے اے ڈی خان سے کوئی مطلب نہیں۔''

''لیکن مصیبت یہ ہے کہ تمہیں جس سے مطلب ہے، اے ڈی خان اس سے انتہائی متعلق ہے۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کچھ سمجھ نہیں سکا امجد بھائی!'' اس نے اُلجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

اب اسے سمجھانے کا وقت آ گیا تھا لہٰذا میں نے حاصل شدہ معلومات کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو ادریس! تمہیں پتہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ مستقیم اور اس کی فیملی کے ساتھ اے ڈی خان کا تعلق بہت پرانا ہے۔ مستقیم، ناصر کالونی والے گھر میں آنے سے قبل اورنگی ٹاؤن میں رہتا تھا اور اے ڈی خان کا وہاں بھی اس کے گھر میں آنا جانا تھا۔ بعض ناگہانی حالات سے مجبور ہو کر مستقیم کو اورنگی ٹاؤن چھوڑنا پڑا اور اے ڈی خان نے ان لوگوں کو ناصر کالونی میں آباد کر دیا۔ وہ جو ''چیل والا مکان'' ہے نا، وہ اے ڈی خان کی ملکیت ہے۔ وہ شروع ہی سے مستقیم اینڈ کو کا خیال رکھتا آیا ہے۔ تم سے صدر والی دکان بھی اس نے اس مقصد کی خاطر خریدی ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی کا ایک ذریعہ کھل جائے۔ مستقیم کی بیوی

فیروزہ کسی دفتر وفتر میں کام نہیں کرتی۔ یہ ساری کہانی لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ وہ دراصل اے ڈی خان کی کھارادر والی اسٹیٹ ایجنسی پر بیٹھتی ہے۔ یہ شخص بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنا کھیل کھیل رہا ہے۔'' میں لحہ بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مستقیم کے محلے والے انہیں اچھا نہیں سمجھتے۔ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اے ڈی خان اور مستقیم کی بیوی فیروزہ کے درمیان کوئی گڑبڑ معاملہ ہے جبھی وہ ان لوگوں پر حد سے زیادہ مہربان ہے اور......!''

''ان میں سے کچھ باتیں تو مجھے معلوم ہے اور کچھ میرے لئے انکشاف کی حیثیت رکھتی ہیں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''بہر حال...... مجھے ان فضول قسم کی باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں، میرا مقصد ضرور پورا ہو گا۔ مجھے صرف اور صرف بے بی سے غرض ہے۔''

''یہی بات تو میں تمہاری والدہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''جی......؟'' ادریس نے اس دو حرفی لفظ کو اتنی شدت سے کھینچا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔

لوہا گرم ہو چکا تھا لہٰذا میں نے کاری چوٹ لگانے میں ایک لمحے کی تاخیر مناسب نہ سمجھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''ادریس! تھوڑی دیر پہلے میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مجھے تمہارے دو کارناموں کے بارے میں پتہ چلا ہے جن میں سے ایک افسوس ناک ہے اور دوسرا باعث مسرت۔ افسوس ناک بات تو یہی تھی کہ تم نے صدر والی دکان فروخت کر دی اور خوشی کا مقام یہ ہے کہ تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے!''

وہ ہونقوں کی طرح منہ کھول کر بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر سرسراتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔ ''کیا...... آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں...... آپ کو یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ میں بے بی سے محبت کرتا ہوں؟''

میں اس کے جذبات کو ایک خاص نفسیاتی عمل سے گزار کر ایک ایسے مقام پر لے آیا تھا کہ میں اس کی نظر میں دنیا کا معتبر ترین شخص بن گیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے مجھ پر بھروسا کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے پروگرام کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے کہا۔

''محبت اس کائنات کا سب سے زیادہ طاقت ور اور قابلِ قدر جذبہ ہے۔ جو لوگ محبت

کرتے ہیں، میری نظر میں ان کی بڑی عزت ہے۔ تمہاری والدہ کی زبانی جب مجھے پتہ چلا کہ تم فیروزہ کی بیٹی روبی عرف بے بی کی محبت میں مبتلا ہو تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔'' پھر میں نے انگلی کی مدد سے نگہت بیگم کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

''یہ تو تمہاری اس حرکت پر بہت خفا تھیں لیکن میں نے انہیں سمجھایا ہے کہ حرکت ہی میں برکت ہے۔ میری بات ان کی سمجھ میں تو بیٹھ گئی ہے۔ لیکن ایک چھوٹی سی پرابلم ہے۔''

''کیا پرابلم ہے......؟'' وہ جوش بھرے لہجے میں بولا۔ ''امجد بھائی! مجھے بتائیں۔ میں چٹکی بجاتے میں اس پرابلم کو حل کر دوں گا۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے عملاً چٹکی بجا کر دکھا بھی دی۔

نگہت بیگم اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر میرے پاس لائی تھی کہ وہ اپنی جائیداد وغیرہ اس کے نام کرنا چاہتی ہے اور اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھے اس کے اس جھوٹ کو نبھانا ہو گا۔ اب اس کارِ خیر کا وقت آ گیا تھا۔ چونکہ میں نے اسے اپنی باتوں میں اُلجھا رکھا تھا اس لئے وہ یکسر بھلا بیٹھا تھا کہ نگہت کس غرض سے اسے میرے پاس لائی تھی!

''پرابلم بہت معمولی سی ہے اور اسے حل بھی صرف تم ہی کر سکتے ہو۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''تمہاری والدہ کو اپنی زندگی کا زیادہ بھروسہ نہیں رہا اور یہ چاہتی ہیں کہ آنکھ بند ہونے سے قبل یہ سب کچھ تمہارے نام کر دیں۔ انہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ تم کس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ یہ تمہاری پسند اور خوشی میں خوش ہیں۔ بس ان کی ایک ہی شرط ہے......اور وہ یہ کہ جلد از جلد تمہارے سر پر سہرا بندھا ہوا دیکھنا چاہتی ہیں اس بات کو تم یوں سمجھو کہ یہ چاہتی ہیں، تم جتنی جلدی ممکن ہو، بے بی سے شادی کر لو!''

نگہت بیگم نے اُلجھن زدہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ادریس سے جو کچھ کہا تھا وہ نگہت کے لئے انتہائی غیر متوقع اور ناقابل قبول تھا لیکن وہ چونکہ مجھے پورے اختیارات دے چکی تھی اس لئے کسی قسم کی مداخلت کرنے کی بجائے خاموشی سے میرا ''کام'' دیکھتی رہی۔

ادریس نے بے یقینی سے اپنی ماں کی جانب دیکھا پھر مجھ سے مستفسر ہوا۔ ''لیکن پہلے تو امی، بے بی کے خلاف تھیں۔ ان لوگوں کے بارے میں، محلے والوں کی رائے سے کئی مرتبہ مجھے آگاہ کرتے ہوئے قطع تعلق کے لئے کہہ چکی ہیں۔ پھر اچانک یہ انقلاب کیسے آ گیا؟''

''پہلے کی بات اور تھی ادریس!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اب حالات اور تمہاری والدہ کی سوچ میں بڑی تبدیلی آ گئی ہے اور یہ سب میرے سمجھانے کا نتیجہ ہے۔ اب ان کی شدید خواہش یہ ہے کہ تم فی الفور روبی عرف بے بی کو ان کی بہو بنا کر گھر لے آؤ۔ کیا تم بھی

یہی چاہتے ہو؟''

''کیسی باتیں کرتے ہیں امجد بھائی!'' وہ شاکی لہجے میں بولا۔ ''مجھ سے زیادہ اور کون چاہے گا۔ میرے بس میں ہو تو میں آج ہی بے بی سے شادی کر لوں۔''

''کیا تم بے بی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اتنی زیادہ کہ......جسے ناپ تول کر بتانا ممکن نہیں۔'' وہ روبی کے خیالوں میں کھو گیا۔

''اور وہ......؟'' میں نے جاننا چاہا۔

''وہ بھی مجھے بے پناہ چاہتی ہے۔''

''صرف چاہتی ہے یا تمہاری بات بھی مانتی ہے؟''

''وہ میری ہر بات مانتی ہے۔'' وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔ ''میری خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے۔''

''اور تم بھی اس کے لئے ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہو۔ ہے نا؟''

''بالکل......کیوں نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''بس، تو پھر سمجھو کہ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تم دونوں کو ایک ہونے سے نہیں روک سکتی۔ اگر تم میری ہدایات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں اس شادی کی گارنٹی دیتا ہوں۔'' میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور جیسے ہی تمہاری شادی ہو گی، نگہت بیگم تمام تر جائیداد تمہارے نام کر دیں گی۔ یہ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے یہ اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گی۔''

میں نے ادریس کے اردگرد جو نادیدہ جال پھیلایا تھا وہ پوری طرح اس میں جکڑا جا چکا تھا۔ بے بی کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ دو گھروں کی ملکیت بھی آنے والی تھی۔ یہ دہری خوشی اس کے جسم کے ہر حصے سے پھوٹ رہی تھی۔ اس نے مسرت بھرے لہجے میں مجھ سے دریافت کیا۔

''امجد بھائی! آپ بتائیں، مجھے کیا کرنا ہو گا؟ میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔''

مجھے اس کے طرزِ عمل پر سخت افسوس ہوا۔ بلکہ غصہ بھی آیا۔ وہ اپنی خوشی میں نگہت بیگم کو بالکل بھولا بیٹھا تھا۔ اس نے جھوٹی زبان سے ایک مرتبہ بھی رسماً یہ نہیں کہا تھا......امی جان! آپ اپنی زندگی اور موت کی باتیں کیوں کرتی ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ میرے سر پر سلامت

رکھے۔ میں نے جائیداد کا اچار ڈالنا ہے کیا؟ جب آپ ہی باقی نہیں رہیں گی تو کیا میں مکانوں کے در و دیوار کو چاٹا کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ........ وہ اپنے عزائم اور انداز سے لالچی اور خود غرض ثابت ہوتا تھا۔ مجھے اُس کی اس بات کا یقین بھی نہیں آیا کہ وہ بے بی سے سچی محبت کرتا تھا۔ محبت کرنے والا دل تو بہت ہی گداز ہوتا ہے۔ اس میں ہمدردی اور رواداری بھری ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو مجھے خود غرضی اور مطلب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تو یہ عشق نہیں، ایک ابال تھا، ایک جوش تھا، بالکل سوڈا واٹر کی مانند، جو بوتل کھلنے پر جوش مارتا ہے اور پھر جھاگ کی طرح ٹھنڈا ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ بھی بے بی کی آس میں اپنے ارمانوں کو پکار رہا تھا، ان میں سوڈا واٹر والا جوش بھر رہا تھا........ اس بات سے بے خبر کہ محبت کی اس کہانی کا انجام کتنا حسرت ناک ہوگا!

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ادریس! آج سوموار ہے۔ تم روبی اور اس کے والدین سے جا کر کہہ دو کہ آئندہ سوموار کو تمہاری والدہ اور میں، یعنی تمہارا بھائی مرزا امجد بیگ ان کے گھر تمہارے رشتے کی بات کرنے آ رہے ہیں۔''

''اوہ........ کیا واقعی........؟'' اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''میں تم سے مذاق تھوڑی کر رہا ہوں ادریس!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا ہمارے درمیان مذاق کا رشتہ ہے؟''

''نن........ نہیں........ ایسی بات نہیں ہے امجد بھائی!'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر کیسی بات ہے یار؟''

''وہ دراصل........ آپ نے اچانک ایک ایسی بات کہہ دی ہے نا........ جس کی میں آپ سے توقع نہیں کر رہا تھا۔'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اس لئے مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''تم خود کو چٹکی نوچ کر اس بات کا یقین کر لو کہ تم اس وقت کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہو۔ میں تمہارا بھائی امجد بیگ واقعی تمہارا رشتہ لگانے آئندہ سوموار کو فیروزہ کے گھر جانے والا ہوں۔''

اس نے تصدیقی نظر سے اپنی والدہ نگہت بیگم کی طرف دیکھا۔ نگہت بیگم کے دل و ذہن میں اس وقت پتہ نہیں، کیا چل رہا تھا بہرحال، اس نے مجھ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق فوراً اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس تصدیق نے ادریس باری کی خوشی کو دوبالا کر دیا۔ وہ عقیدت مندانہ نظر سے میری جانب دیکھتے ہوئے جذباتی لہجے میں بولا۔

''آپ گریٹ ہیں امجد بھائی!''

''تمہارا بڑا بھائی جو ہوں۔''

''آپ اب تک کہاں چھپے ہوئے تھے؟........ آئی مین، آپ نے امی کو بہت دیر سے یہ بات سمجھائی ہے۔ یہ تو روبی........ بلکہ اس شادی ہی کے خلاف تھیں۔''

''کارخانہ قدرت میں ہر کام کے لئے ایک خاص وقت ہوتا ہے ادریس!'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''کوئی بھی کام اپنے مخصوص وقت سے پہلے ہو سکتا ہے اور نہ ہی بعد میں۔ اور انسان اس مخصوص وقت سے آگاہ نہیں ہوتا اس لئے وہ........ جلدی اور دیر کی باتیں کرتا ہے۔''

وہ ان لمحات میں مجھ سے بے اندازہ امپریس نظر آتا تھا۔ میں نے ایک دو ضروری ہدایات کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خوشی خوشی میرے دفتر سے رخصت ہو گیا۔

اب تک فیروزہ اینڈ کمپنی کے جو حالات میرے سامنے آئے تھے ان کی روشنی میں، میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ ادریس کو منہ کی کھانا پڑے گی۔ جب وہ اپنے رشتے کی بات کرنے فیروزہ کے گھر جائے گا تو اسے ایک نئی اور ناقابل توقع صورتِ حال سے واسطہ پڑے گا۔ فیروزہ اپنی بے بی کے ذریعے ادریس کے ساتھ جو کھیل، کھیل رہی تھی اس کھیل میں شادی کا لفظ دور دور تک کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسے کھلواڑ شادی کے بغیر ہی کامیابی سے چلائے جا سکتے ہیں۔ میں نے پچھلے دو تین روز میں فیروزہ، مستقیم، اے ڈی خان اور بے بی وغیرہ کے حوالے سے جو ریسرچ کی تھی اس کی روشنی میں محلے والوں کی رائے ہر زاویے سے بڑی صائب نظر آتی تھی۔ وہ واقعی دو نمبر لوگ تھے۔

اگلے روز ادریس کی والدہ نگہت بیگم کا فون آ گیا۔ میں نے ریسیور کان سے لگا کر ''ہیلو'' کہا تو وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''بیگ صاحب! آپ نے یہ کیا چکر چلا دیا ہے؟........ وہ ابھی گھر سے نکلا ہے........ فیروزہ کو یہ بتانے گیا ہے کہ آئندہ سوموار کو ہم بے بی کا رشتہ مانگنے آ رہے ہیں۔''

میں نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے بڑا سود مند چکر چلایا ہے۔ یہ میری ایک چال ہے جو یقیناً کامیاب ہو گی۔ انشاء اللہ! آپ کا بیٹا صحیح سلامت واپس آ جائے گا۔''

نگہت نے میری بات پر زیادہ توجہ نہیں دی اور اپنی ہی دھن میں بولتی چلی گئی۔ ''لیکن بیگ صاحب! میں بے بی جیسی بدنام محلہ لڑکی کو کسی بھی قیمت پر اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔''

''آپ پر کون زور دے رہا ہے کہ آپ بے بی کو بہو بنائیں؟''

''یہ جو ادریس وہاں جا رہا ہے........ رشتے کی بات کرنے تو........؟''

''میں نے کہا ہے نا، یہ میری ایک چال ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے

ہوئے کہا پھر اسی سے پوچھ لیا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے؟ فیروزہ اینڈ کمپنی ادریس سے بے بی کی شادی کے لئے آمادہ ہو جائے گی؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

میں نے کہا۔ ''پھر آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ آپ بہت جلد دیکھ لیں گی کہ میری چال کیا رنگ دکھلاتی ہے۔''

''مگر آپ نے اپنی چال کے بارے میں مجھے تو کچھ بتایا ہی نہیں؟'' وہ شاکی لہجے میں بولی۔

میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہہ دیا۔ ''کل ادریس کی موجودگی میں تو اس سلسلے میں بات کرنا مناسب نہیں تھا اور یہ ایسی بات بھی نہیں تھی کہ ٹیلی فون پر کی جائے۔ آپ کسی وقت میرے دفتر آ جائیں۔ میں آپ کو اپنی پلاننگ سے آگاہ کر دوں گا۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

میں نے رسمی اختتامی کلمات کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

اسی رات نگہت بیگم میرے دفتر میں موجود تھی۔ میں نے سوچا، اسے ذرا بھی صبر نہیں ہوا۔ میں نے اپنی سیکرٹری سے کہہ کر اسے چیمبر میں بلا لیا، پھر اس کی کیفیت دیکھ کر میں چونک اٹھا۔ ان لمحات میں وہ بے حد پریشان اور فکرمند دکھائی دیتی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ ادریس کے حوالے سے کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''بیگ صاحب! غضب ہو گیا۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہی بول اُٹھی۔

''آپ اطمینان سے بیٹھیں اور مجھے بتائیں....... آخر ہوا کیا ہے؟''

''آپ کی چال اُلٹی پڑ گئی ہے بیگ صاحب!''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میں نے اُلجھن زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''پولیس میرے ادریس کو اٹھا کر لے گئی ہے۔'' وہ غم زدہ لہجے میں بولی۔

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھا۔ ''پولیس نے ادریس کو کس الزام میں اٹھایا ہے؟''

''مار پیٹ....... دنگا فساد.......!'' وہ پریشانی میں اچھی خاصی بے ربط ہو گئی تھی۔

میں نے دریافت کیا۔ ''کیا ادریس کا کسی سے کوئی جھگڑا وغیرہ ہو گیا ہے؟....... اور اس واقعے کا میری چال سے کیا تعلق ہے؟''

''آپ نے اسے فیروزہ سے بات کرنے بھیجا تھا۔'' وہ قدرے سنبھلے ہوئے لہجے میں

بتانے لگی۔ ''اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ادریس وہاں گیا ہے۔ ساری گڑبڑ فیروزہ کے گھر میں ہوئی ہے۔''

''لیکن گڑبڑ کیا ہوئی؟ کچھ اس کے بارے میں بھی تو بتائیں۔''

''ادریس جب چیل والے مکان پر پہنچا تو اتفاق سے فیروزہ اس وقت گھر میں نہیں تھی۔ وہ محلے ہی کی ایک دکان سے کچھ لینے گئی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بلی اور گڈو گھر سے باہر کھیل رہے تھے اور مستقیم حسب معمول خان ہیئر ڈریسر پر تھا۔ ادریس کھلے ہوئے دروازے سے سیدھا گھر کے اندر چلا گیا اور پھر....... اے ڈی خان سے اس کا جھگڑا ہو گیا.......!''

وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اتنا بتا کر خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔ ''اے ڈی خان اس وقت گھر میں کیا کر رہا تھا؟''

اُس نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا جیسے میری سادگی اور معصومیت پر اسے شدید حیرت ہوئی ہو۔ پھر زہریلے لہجے میں بولی۔ ''وہ مردود وہاں وہی کچھ کر رہا تھا جو کچھ کرنے کے لئے ایسے گھروں میں لوگ جاتے ہیں....... ادریس نے اے ڈی خان اور بے بی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا.......!''

''اوہ.......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ''اس صورت حال نے تو ادریس کو خاصا مشتعل کر دیا ہو گا۔''

''کوئی ایسا ویسا۔'' وہ ایک جھرجھری لینے کے بعد بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''ادریس کا تو جیسے خون کھول اٹھا تھا۔ اس نے اے ڈی خان کو بے دریغ مارنا شروع کر دیا۔ اے ڈی خان جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے، کوئی کمزور اور ناتواں شخص نہیں مگر اس وقت ادریس پر ایک جنون سوار تھا۔ اس نے مار مار کر اے ڈی خان کو ادھ موا کر دیا۔ اس دوران فیروزہ بھی لوٹ آئی تھی۔ اس نے گھر کے اندر اودھم برپا دیکھا تو چیخ و پکار شروع کر دی۔ اس کے واویلے پر محلے والے جمع ہو گئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کرا کے اے ڈی خان کو ادریس کے ہاتھوں انا للہ ہونے سے بچا لیا۔''

وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولی۔ ''اسی دوران کسی من چلے نے فون کر کے پولیس کو بھی بلا لیا۔ جب پولیس موقع پر پہنچی تو ضارب اور مضروب دونوں اسے مل گئے۔ مضروب کو فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا اور ضارب کو یعنی میرے بیٹے ادریس کو پولیس گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی ہے۔''

وہ خاموش ہوئی تو میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کا مطلب ہے،

میری چال کامیاب رہی...... بہ انداز دیگر ہی سہی!''

''تو...... تو آپ نے ادریس کو گرفتار کرانے کے بارے میں سوچ رکھا تھا؟''

''نہیں، نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔'' میں نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ ''میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ادریس، فیروزہ اینڈ کمپنی کی حقیقت سے واقف ہو جائے جس کے لئے میں نے رشتہ لگانے والا ایک سادہ سا منصوبہ ترتیب دیا تھا لیکن شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس کا کوئی بھی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا...... اس واقعے نے ادریس کی آنکھیں کھول دی ہوں گی۔ بے بی کی محبت کی قلعی اس کے سامنے کھل گئی ہے۔ وہ لڑکی جو ادریس کا دم بھرتی تھی اور ہر قیمت پر اس سے شادی کی خواہاں تھی...... اس کے غیاب میں وہ اے ڈی خان کے ساتھ کیا گل کھلا رہی تھی، یہ دیکھ کر یقیناً ادریس کو روبی عرف بے بی کے وجود سے نفرت ہو گئی ہو گی۔ مبارک ہو نگہت صاحبہ! آپ کا بیٹا واپس آ گیا۔''

''لیکن اس وقت ادریس پولیس والوں کے پاس ہے۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''وہ اس جھمیلے سے صاف نکل کر میرے پاس پہنچے گا تو مجھے اطمینان ہو گا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔''

''جب اتنا بڑا کام ہو گیا ہے تو یہ بھی ہو جائے گا۔'' میں نے تشفی بھرے انداز میں کہا۔ ''سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ فیروزہ اینڈ کمپنی سے متنفر ہو گیا ہے۔ بے بی کی خوبصورتی اور حُسن نے اس کے دل و دماغ پر جو بخار چڑھا رکھا تھا وہ اُتر چکا ہے...... شکر کریں کہ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آیا ہے ورنہ ایسے حُسن گرفتہ لوگوں کی واپسی بڑی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ وہ گرفتارِ حُسن نہیں بلکہ گرفتارِ بلا ہوتے ہیں۔''

اس نے تحمل سے میری بات سنی اور جب میں خاموش ہوا تو اصراری لہجے میں بولی۔

''بیگ صاحب! آپ کو اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ میں اچھی خاصی رقم بھی لے کر آئی ہوں۔ پولیس والوں سے مک مکا کر کے مجھے ادریس کو وہاں سے نکالنا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... تھانے چلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں، کیا ہو سکتا ہے؟''

''آپ کا بہت بہت شکریہ بیگ صاحب!'' وہ ممنونیت بھرے انداز میں بولی۔

''اس میں شکریہ والی کون سی بات ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ادریس تو میرا چھوٹا بھائی ہے۔''

نگہت بیگم کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

❁❁❁

آنکھ اوجھل

ایک روز میں عدالت سے باہر نکلا تو سامنے سے دو افراد کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ ان میں سے ایک خاتون اور دوسرا ایک نوجوان تھا۔

وہ دونوں اُمید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے قریب پہنچے تو مجبوراً مجھے بھی رُکنا پڑا۔ وہ دونوں میرے لئے اجنبی تھے لہٰذا میں سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔ خاتون نے پہل کرتے ہوئے مجھ سے تصدیقی انداز میں پوچھا۔

''آپ بیگ صاحب ہیں نا......؟''

''جی ہاں!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پورا نام دہرایا۔

''السلام علیکم وکیل صاحب!'' خاتون نے شائستہ انداز میں مجھے سلام کیا۔

اس کی تقلید میں اس کے ساتھی نوجوان نے بھی مجھے سلام کیا۔ میں نے ان کے سلام کا جواب دیا اور پیشہ ورانہ لہجے میں کہا۔ ''میں آپ لوگوں کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''جی...... وہ ہم پہلی مرتبہ مل رہے ہیں نا...... اس لئے پہچان کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' خاتون نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مجھے آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے۔''

نوجوان نے کہا۔ ''وہ دراصل، ہم آپ کے دفتر سے آ رہے ہیں۔ وہاں سے پتہ چلا کہ آپ عدالت میں ہیں، اس لئے ادھر چلے آئے اور پوچھتے ہوئے اور متعلقہ عدالت تک بھی پہنچ گئے۔ بھائی جان کے ایک دوست نے ہمیں آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ اگر آپ نے ہمارا کیس لے لیا تو بھائی جان کو مصیبت سے نجات مل جائے گی۔'' بات ختم کرتے ہی وہ امید افزا انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

اس نے، اس شخص کا کوئی نام بھی بتایا تھا جس نے انہیں مجھ سے ملنے کے لئے کہا تھا لیکن اس وقت مجھے یاد نہ آ سکا کہ وہ شخص کون ہے۔ بہر حال، میں نے باری باری ان دونوں کو

دیکھا اور کہا۔

''تو آپ کس کیس کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''کیس میرے شوہر کا ہے۔'' خاتون نے مضطربانہ انداز میں بتایا پھر اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ میرا دیور ہے۔''

''کیس کس نوعیت کا ہے؟'' میں نے سرسری لہجے میں دوبارہ پوچھا۔

وہ بولی۔ ''ان پر قتل کا الزام ہے!''

''اوہ......'' میں نے متاسفانہ انداز میں ایک گہری سانس خارج کی اور اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''آپ ٹھیک دو بجے میرے دفتر پہنچ جائیں۔ یہ معاملہ یوں کھڑے کھڑے ڈسکس نہیں کیا جاسکتا۔ دفتر میں اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔''

انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر خاتون نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے وکیل صاحب! ہم دو بجے آپ کے دفتر آجاتے ہیں۔''

میں ان سے رخصت ہوکر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

عدالتی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد میں لنچ کیا کرتا تھا۔ یہ میرا برسوں کا معمول تھا اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ مجھے اکیلے بیٹھ کر لنچ کرنا پڑے۔ دوست احباب میں سے کوئی نہ کوئی میرا ساتھ دینے کے لئے ضرور موجود ہوتا۔ اور بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ مجھے اپنے کسی کلائنٹ کے ساتھ لنچ کرنا پڑا۔ بہرحال، اس روز مجھے دوپہر کا کھانا اپنے ایک ہم پیشہ دیرینہ دوست کے ساتھ کھانا تھا۔ سٹی کورٹ کے علاقے میں ان دنوں ایک نیا ریسٹورنٹ کھلا تھا۔ اس کے کھانوں کی بہت تعریف سننے میں آئی تھی لہٰذا اس دن کا کھانا میرے دوست کی جانب سے اسی ریسٹورنٹ میں تھا۔ یہ ریسٹورنٹ آج بھی اس علاقے میں موجود ہے اور خوب چلتا ہے۔

میں سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ ''آزمائش شرط ہے'' کے فارمولے کا حامی ہوں اور...... اس ریسٹورنٹ کو آزمائش سے گزارنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہاں کے کھانوں میں بڑی منفرد قسم کی لذت پائی جاتی تھی۔ آج بھی اس ریسٹورنٹ کی بھیڑ کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے کھانوں کے معیار پر کوئی سودا نہیں کیا ہوگا۔

ریسٹورنٹ کا نام دانستہ ظاہر نہیں کیا جارہا کہ یہ پبلسٹی کے زمرے میں آجائے گا اور پبلسٹی کو مدر آف بزنس کہا جاتا ہے...... یہ بھاری معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی!

میں دفتر پہنچا تو وہ بھابی دیور میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔ میں نے فوراً انہیں اپنے چیمبر میں بلا لیا اور بیٹھنے کو کہا۔ اتنا تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ خاتون اپنے شوہر کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اس کے شوہر پر قتل کا الزام تھا لہٰذا اس کا پریشان ہونا لازمی بات تھی۔ اس کیس کی تفصیلات جاننے کے لئے میں نے رف پیڈ اور پین سنبھال لیا پھر اس سے پوچھا۔

''جی! اب بتائیں۔ آپ کے شوہر کو کس کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے؟''

''مس چاولہ!'' اس نے جواب دیا۔

''یہ مس چاولہ کون تھی؟'' میں نے استفسار کیا۔ ''میرا مطلب ہے......''

ملزم کے چھوٹے بھائی نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے کہہ دیا۔ ''وکیل صاحب! آپ ''مس'' سے کہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ وہ کوئی نوجوان لڑکی تھی۔ مس چاولہ کی عمر کم و بیش پینتالیس سال بتائی جاتی ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا برخوردار!'' میں نے اس خاتون کے نوجوان دیور کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر کسی خاتون کی شادی نہیں ہوتی تو وہ مس ہی کہلائے گی۔ چاہے اس کی عمر ساٹھ کا ہندسہ ہی کیوں نہ عبور کر جائے۔''

''جناب! اس کی شادی کے بارے میں بھی متضاد باتیں سننے میں آرہی ہیں۔'' وہ اپنے بیان کے حق میں زور مارتے ہوئے بولا۔ ''بعض لوگوں کا خیال ہے، اس کی شادی ہوئی تھی لیکن ناکام رہی۔ اور اس نے اپنی شادی پر ایک دبیز پردہ ڈال کر خود کو مس مشہور کر رکھا ہے۔''

''بھئی لگتا ہے، تم نے مقتولہ کے بارے میں اچھی خاصی ریسرچ کر رکھی ہے۔'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔

''گڈو!'' خاتون نے سرزنش بھرے انداز میں اپنے دیور کو مخاطب کیا۔ ''بیگ صاحب کا وقت بہت قیمتی ہے۔ ہم یہاں جس کام سے آئے ہیں اسی پر توجہ مرکوز رکھنا چاہئے۔ تم یہ کن غیر ضروری باتوں کو لے کر بیٹھ گئے ہو؟''

وہ مایوسی بھرے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مسٹر گڈو! تم مقتولہ کی نجی و پوشیدہ زندگی کے بارے میں مجھے جو کچھ بتانا چاہتے ہو اسے اپنے ذہن میں محفوظ رکھو۔ اگر میں ضرورت محسوس کروں گا تو اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا۔ دل چھوٹا نہ کرو۔''

اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات اُبھر آئے جس سے مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ اس کیس کے حوالے سے مجھے کوئی اہم بات بتانے والا تھا، چاہے یہ اہمیت اس کی

دانستہ ہی میں کیوں نہ ہو!

ملزم کی بیوی اور گڈو کی بھابی کو پوری طرح اپنی جانب متوجہ پا کر میں نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ ''خاتون! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پہلے ہمیں وہ کام کرنا چاہئے جس کی خاطر آپ کو یہاں تک آنا پڑا۔'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے اپنے سابق سوال کو دہرا دیا۔ ''جی بتائیں........ یہ مس چاولہ کون تھی؟''

''وہ ایک پبلشر تھی۔''

''اور آپ کے شوہر؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''میرے شوہر رائٹر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اوہ!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ''تو آپ کے شوہر پر الزام ہے کہ اس نے اپنی پبلشر کو قتل کر دیا ہے؟''

''جی نہیں۔'' ملزم کی بیوی نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''انہوں نے ابھی مس چاولہ کے لئے کام کا آغاز نہیں کیا تھا۔''

''تو آپ کے شوہر کس کے لئے لکھتے ہیں؟'' میں نے اس معاملے میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ ''یزدانی صاحب کے لئے۔''

''یزدانی صاحب کیا نکالتے ہیں؟''

''وہ ایک معروف رسالے کے مالک ہیں۔'' ملزم کی بیوی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''میرے شوہر ایک طویل عرصے سے اسی میگزین کے لئے لکھ رہے ہیں۔''

''ملزم کس قسم کی کہانیاں لکھتا ہے؟'' میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ بنیادی طور پر اردو فکشن لکھتے ہیں۔'' گڈو کی بھابی نے جواب دیا۔ ''معاشرتی جرائم، محبت، رومانس اور ایڈونچر ان کی کہانیوں کے خصوصی موضوعات ہیں۔''

''انٹرسٹنگ!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا لکھنے کے کام سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ اس سے با آسانی گھر چل سکے؟........ یا وہ اس ذمے داری کو نبھانے کے لئے رائٹنگ کے علاوہ بھی کچھ کرتے ہیں؟''

مغرب میں پبلشرز، رائٹرز کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں، مشرق میں اس سے بہت مختلف دیکھنے کو ملتا ہے۔ میں نے اسی تناظر میں ملزم کی بیوی سے وہ سوال کیا تھا اور اس نے میرے سوال کا بڑا تسلی بخش، معلومات افزا جواب دیا۔

''بیگ صاحب! ہمارے یہاں عموماً یہ ممکن نہیں ہے کہ لکھنے پر انحصار کیا جائے۔ کسی لکھاری کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ گھر کی معاشیات کا بوجھ اٹھا سکے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے شوہر کا شمار ان چند لکھنے والوں میں ہوتا ہے جنہیں اپنا گھر چلانے کے لئے لکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔''

''پھر تو واقعی آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں۔'' میں نے توصیفی نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''اب جلدی سے یہ بھی بتا دیں کہ آپ کے شوہر کا مقتولہ مس چاولہ سے کیا تعلق تھا جبکہ وہ مسٹر یزدانی کے لئے فل ٹائم کام کر رہا تھا؟''

اس نے ایک گہری سانس لی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ میرے شوہر ایک طویل عرصہ سے یزدانی صاحب کے لئے لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ایک لفظ بھی کسی اور پبلشر کے لئے نہیں لکھا۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے یزدانی صاحب اور میرے شوہر کے درمیان کسی معاملے پر کوئی ناچاقی چل رہی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ تو ہیں لیکن ذہنوں اور دلوں میں رفتہ رفتہ دوری بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے شوہر یزدانی صاحب میگزین کی ضرورت ہیں، اس لئے وہ میرے شوہر سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہتے۔ اختلافات اپنی جگہ لیکن میگزین تو متاثر نہیں ہو رہا نا۔ اور دوسری جانب میرے شوہر کی بھی کچھ عرصہ پہلے تک یہی سوچ رہی تھی کہ حالات کیسے بھی سہی لیکن آمدنی کا مضبوط وسیلہ یزدانی صاحب کا رسالہ ہی ہے۔ اگر وہ اس میگزین کو چھوڑ کر کہیں اور جاتے ہیں تو کوئی انہیں اتنا اچھا معاوضہ نہیں دے گا۔ لہٰذا بدمزگی کے باوجود بھی وہ کوئی رسک لینے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔''

وہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی تو میں نے پوچھ لیا۔ ''آپ نے اپنے شوہر کے حوالے سے ابھی ''کچھ عرصہ پہلے تک'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے، اب وہ پہلے جیسے حالات نہیں رہے۔ آپ کے شوہر کوئی رسک لینے کی پوزیشن میں آ چکے ہیں لہٰذا ان کی سوچ میں تبدیلی واقع ہونا بھی لازمی بات ہے۔ کیا میں درست انداز میں سوچ رہا ہوں؟''

''جی ہاں........'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''وقت بدل رہا ہے........ سب کے لئے! رائٹر کے لئے بھی اور پبلشرز کے لئے بھی........ اور یہی وقت مس چاولہ جیسی پبلشر کو سامنے لایا تھا لیکن افسوس کہ وہ اب باقی نہیں رہی........ اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مس چاولہ کے قتل کے الزام میں میرے شوہر

کو گرفتار کر کے تھانے میں بند کر دیا گیا ہے!''

وہ یک دم بے حد دل گرفتہ نظر آنے لگی۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ نے بتایا ہے کہ آپ کے شوہر نے مس چاولہ کے لئے کام کا آغاز نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کام کے سلسلے میں بات چیت چل رہی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟''

''جی، آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مس چاولہ کو پبلشنگ کی دنیا میں نمودار ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنا ایک ''پبلشنگ ہاؤس'' قائم کر لیا اور اس کے ساتھ ہی وہ اس مہم میں لگ گئی کہ اچھا لکھنے والے رائٹرز کو توڑ توڑ کر اپنے پبلشنگ ہاؤس میں اکاموڈیٹ کیا جائے۔ میرے شوہر سے بھی اس سلسلے میں مس چاولہ نے رابطہ کیا تھا!''

''کیا مقتولہ مس چاولہ نے کوئی نیا میگزین نکالا تھا؟'' میں نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔

''نہیں، وہ اس لائن کی نہیں تھی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''مس چاولہ نے مکمل ناول شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس کی پلاننگ یہ تھی کہ چوٹی کے تمام رائٹرز سے ناول لکھوا کر وہ ''چاولہ پبلشنگ ہاؤس'' کے بینر تلے شائع کرے۔ اس نے رائٹرز کو باقاعدہ اپنے ہاں ماہانہ تنخواہ پر اکاموڈیٹ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ کسی بھی کام کے بندے کو کہیں سے توڑ کر لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے بہ نسبت بہت اچھا معاوضہ دیا جائے اور مس چاولہ اسی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔ وہ جس بھی رائٹر کو توڑنا چاہتی، اس سے ملاقات کر کے ہینڈسم آفر دے دیتی۔ معاوضے کا فرق اتنا زیادہ ہوتا کہ رائٹر کو انکار کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچنا پڑتا۔ بہرحال، وہ اب تک تین معروف رائٹرز کو اپنی پیش کش سے چت کر چکی تھی۔''

''آپ اپنے شوہر اور مقتولہ مس چاولہ کی میٹنگ کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔'' میں نے گڈو کی بھابی کو اصل موضوع کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

''ہاں!'' وہ میرا مقصد سمجھتے ہوئے بولی۔ ''مس چاولہ نے اپنے ایک خاص آدمی سے میرے شوہر کے لئے پیغام بھجوایا کہ وہ کسی وقت اس سے مل لیں۔ یہ خبر مارکیٹ میں عام تھی کہ نئی پبلشر مس چاولہ اِدھر اُدھر سے بھاری معاوضے پر کام کے بندے توڑنے کی مہم میں لگی ہوئی ہے اور اب تک اس نے رسائل کی دنیا کے بھی دو رائٹرز توڑ لئے تھے۔ واضح رہے کہ توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ رائٹر کسی اور پبلشر کے لئے کچھ نہیں لکھے گا!'' یہاں پر رک کر وہ متاملانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

''جی، میں ''توڑنے'' کا مفہوم بہ خوبی سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے اس کی تسلی کر دی۔

وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''میرے شوہر میگزینز کی دنیا میں وہ تیسرے شخص ہیں جن سے مس چاولہ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مس چاولہ کے خاص آدمی سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے، میں ملاقات کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ ملاقات اس کے دفتر یا ادارے کے کسی حصے میں نہیں ہونی چاہئے اور اس کی ایک خاص وجہ تھی۔''

وہ تھوڑی دیر کے لئے متوقف ہوئی تو میں یہ کہے بنا نہ رہ سکا۔ ''لگتا ہے، آپ کے شوہر آپ سے بہت کلوز ہیں۔ وہ اپنے دفتر کی ہر بات آپ کو بتاتے ہیں؟''

''جی ہاں، یہ حقیقت ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت کلوز ہیں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولی۔ ''ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور اس نئے رشتے کی بنیاد ہم نے باہمی طور پر ''اعتماد'' پر رکھی ہے۔ جس شخص پر آپ کو بھرپور اعتماد ہو اس سے آپ کچھ بھی نہیں چھپائیں گے۔ کچھ ایسی ہی مثال اپنی بھی ہے۔ ہم چھوٹی سے چھوٹی بات بھی شیئر کرتے ہیں۔''

''پھر تو آپ دونوں کی جوڑی کو مثالی کہا جا سکتا ہے۔'' میں تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''بالکل۔'' وہ قطعیت سے بولی پھر کہا۔ ''میں آپ کو بتا رہی تھی کہ میرے شوہر نے مس چاولہ سے اس کے دفتر یا ادارے میں ملاقات سے گریز کیوں ظاہر کیا تھا۔ دراصل، بات یہ ہے کہ........''

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''جن اداروں میں مسابقت اور مقابلے کا رجحان پیدا ہو جائے وہاں دونوں فریق اپنی سہولت اور آسانی کے لئے جاسوسی اور مخبری کے نادیدہ نظام قائم کر لیتے ہیں۔ میرے شوہر کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ مس چاولہ کے اسٹاف کا ایک فعال شخص در پردہ یزدانی صاحب کے لئے کام کر رہا ہے اور وہ ایسا اہم آدمی ہے کہ مس چاولہ بہت ہی کم معاملات کو اس سے چھپا کر رکھتی ہے۔ وہ مذکورہ شخص پر اندھا اعتماد کرتی ہے اور وہی شخص مس چاولہ کا نمک خوار ہونے کے ساتھ ساتھ یزدانی صاحب کے لئے بھی کام کر رہا تھا۔ یزدانی صاحب کو ''چاولہ پبلشنگ ہاؤس'' سے متعلقہ جس بھی نوعیت کی معلومات درکار ہوتیں، وہ شخص چپکے سے فراہم کر دیتا۔ یزدانی صاحب ان خدمات کے صلے میں اسے بھاری رقم تحفے کے طور پر دیتے تھے جو لگ بھگ اس کی اس سیلری کے برابر ہی تھی جو وہ مس چاولہ سے لے رہا تھا۔ یزدانی صاحب کے ادارے سے، میرے شوہر پہلے رائٹر تھے جنہیں مس چاولہ نے ملاقات کی دعوت دی تھی۔ لہٰذا انہوں نے تمام خدشات سے بچنے

کے لئے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس سے ادارے کے باہر کہیں ملیں گے۔

''مس چاولہ کے پیغام رساں نے میرے شوہر کے حالات اس تک پہنچا دیئے۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ ان کی ملاقات خوشگوار فضا کے حامل ایک ہوٹل میں ہوگی اور اس ملاقات میں کوئی تیسرا موجود نہیں ہوگا۔ وہ ملاقات ہوئی اور نتائج کے اعتبار سے اسے کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس مختصر میٹنگ میں مس چاولہ نے ٹو دی پوائنٹ چند اہم سوال و جواب کئے جو کچھ اس طرح تھے۔

رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد جب وہ اصل موضوع کی طرف آئے تو مس چاولہ نے میرے شوہر سے پوچھا۔ ''یزدانی صاحب آپ کو پے منٹ کس حساب سے کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ......پے منٹ کا کرائی ٹیریا کیا ہے؟''

میرے شوہر نے جواب دیا۔ ''مجھے پر پیج پے منٹ ہوتی ہے۔''

''پر پیج ......یعنی فی صفحہ ......مسودے کا صفحہ؟''

''نہیں ......پیج سے مراد یہاں میگزین کا پرنٹڈ پیج ہے۔''

''فی صفحہ آپ کو کیا ملتا ہے؟'' مس چاولہ نے پوچھا۔

''مجھے وہاں کیا مل رہا ہے اس بات کو ڈسکس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' میرے شوہر نے خالص کاروباری انداز میں کہا۔ ''آپ تو اپنی بات کریں میڈم! آپ کو خاصا آگے آنا پڑے گا۔ ورنہ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں بن سکے گی۔''

''میں بات بنانے کے لئے ہی تو پوچھ رہی ہوں۔'' مس چاولہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے وہاں سے آپ کی آمدنی کا اندازہ ہو تو میں دیکھوں آگے کہاں تک بڑھا جا سکتا ہے۔''

چند لمحات کے غور و فکر کے بعد میرے شوہر نے مس چاولہ کو بتایا کہ انہیں یزدانی صاحب فی صفحہ کتنے پیسے دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ سنگل کہانی کی بہ نسبت سیریز اور سیریل وغیرہ کا ریٹ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں رائٹر پر زیادہ ذمے داری عائد ہو جاتی ہے۔''

مس چاولہ نے کہا۔ ''مجھے تو آپ سے صرف ناول لکھوانا ہیں ......یعنی رسائل کی زبان میں اسے آپ سیریل کہہ سکتے ہیں جو قسط وار شائع ہونے کے بجائے ایک ساتھ مجلد صورت میں منظر عام پر آئے گا۔'' وہ لمحہ بھر کو متوقف ہوئی پھر پوچھا۔ ''آپ ایک ماہ میں اوسطاً کتنے صفحات لکھ لیتے ہیں؟''

''کم و بیش ڈیڑھ سو۔'' میرے شوہر نے جواب دیا۔

''ڈیڑھ سو......یعنی ایک سو پچاس۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ ''اس کا مطلب ہے، اگر ان ڈیڑھ سو صفحات کو ناول کی شکل میں چھاپا جائے تو یہ کم از کم چھ سو صفحات پر مشتمل ایک خوب صورت اور ضخیم کتاب بنے گی۔''

پھر وہ زیر لب کچھ حساب کرنے لگی۔ میرے شوہر کو یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ اس کی ماہانہ آمدنی کا اندازہ لگا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''میں آپ پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس آپ مجھے ہر ماہ چار سو صفحات کا ایک ناول تحریر کر دیں۔ آپ کے حساب سے میگزین کے تقریباً سو صفحات بنیں گے۔ میرے خیال میں آپ یہ کام بڑے آرام اور خوش اسلوبی سے کر لیں گے۔''

''بالکل کر لوں گا......اور بڑے اچھے انداز میں کر لوں گا۔'' میرے شوہر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن معاوضے کا معاملہ طے ہونے کے بعد۔''

''مجھے تمہارا انداز بہت اچھا لگا۔'' وہ تھوڑا بے تکلف ہوتے ہوئے آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ ''میں ایک کاروباری خاتون ہوں اور تم بھی اس وقت خالصتاً کاروباری انداز میں معاملات طے کر رہے ہو۔ بہرحال، میں تمہیں چار سو صفحات والے ایک ناول کا جو معاوضہ دوں گی، وہ تمہارے میگزین کے تین سو صفحات کے برابر ہوگا......یعنی یوں سمجھو کہ تمام کام نسبتاً کم اور آمدنی یقیناً دوگنا ہو جائے گی۔ بولو، منظور ہے؟''

مس چاولہ نے میرے شوہر کو اتنی بڑی اور پُرکشش پیش کش کی تھی کہ انکار کی کسی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن میں اپنے شوہر کے مزاج اور عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ غیر منطقی اور نان ٹیکنیکل آسانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی انہیں فوری طور پر منتخب کرتے ہیں۔ انہیں یہ حقیقت معلوم تھی کہ وہ سال ہا سال سے یزدانی صاحب کے لئے لکھ رہے ہیں اور پے منٹ کے معاملے میں کبھی انہیں کسی دشواری یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اور اس بات کے بھی قوی امکانات نظر آتے تھے کہ یزدانی صاحب کا ادارہ کم از کم پندرہ بیس سال تک یونہی کامیابی سے چلتا رہے گا جبکہ اس کے مقابلے میں ''چاولہ پبلشنگ ہاؤس'' کے بارے میں یہ بات اتنے وثوق سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس ادارے کی ابھی ابتداء تھی۔ آگے جا کر کیا حالات پیش آئیں، اس حوالے سے قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مس چاولہ کی پیش کش پُرکشش اور خوش نما تھی لیکن اس پیش کش کی عمر کے بارے میں یقینی طور پر

کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ پھر میرے شوہر اس نکتے کو بھی نہیں بھول سکتے تھے کہ مس چاولہ سے وابستگی کا مطلب ہو گا یزدانی صاحب سے قطع تعلق........ کیونکہ بہ یک وقت دو کشتیوں کی سواری ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا اپنے تحفظات کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مس چاولہ سے کہا۔

''میڈم! آپ کی پیش کش مجھے منظور ہے لیکن میں سب سے پہلے اپنی سیکیورٹی چاہوں گا۔''

''کیسی سیکیورٹی؟'' مس چاولہ نے سوالیہ نظر سے انہیں دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ ''آپ کے ادارے سے وابستہ ہونے کے بعد میں یہ چاہوں گا کہ یزدانی صاحب سے میرا کوئی تعلق نہ رہے۔''

''نیچرلی!'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''میں بھی یہ برداشت نہیں کروں گی کہ تم میرے علاوہ کسی اور پبلشر کے لئے کام کرو۔ میں اسی لئے تمہیں اتنا اچھا معاوضہ آفر کر رہی ہوں۔''

وہ چند لمحات کے لئے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے سیکیورٹی والے معاملے کی ابھی تک وضاحت نہیں کی۔ جو بھی کہنا چاہتے ہو، واضح الفاظ میں کہو۔ ابھی ہمارے تعلقات کی ابتداء ہے۔ اچھا ہے، ہر بات کلیئر ہو جائے۔ مجھے یہ قطعاً پسند نہیں کہ بعد میں خواہ مخواہ غلط فہمیاں جنم لیتی رہیں۔''

میرے شوہر نے اس ملاقات کے بعد گھر آ کر مجھے بتایا کہ مس چاولہ کتنی پُرکشش اور زبردست عورت ہے۔ ایسی خوبصورت اور دلکش لیڈی باس کے لئے تو مفت میں بھی کام کیا جا سکتا ہے۔ وہ مجھے چڑانے کے لئے دوسری عورتوں کے حُسن و جمال کے قصے اکثر سناتے رہتے ہیں اور فکشن رائٹر ہونے کے باعث انہیں بات کو بڑھا چڑھا کر اور مرچ مسالے سے مزین کر کے پیش کرنے میں چنداں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن میں چونکہ ان کی عادت سے بہ خوبی واقف ہوں لہٰذا اس قسم کی آگ لگانے والی باتوں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ ایک کان سے سنا، تھوڑی تفریح لی اور دوسرے کان سے نکال باہر کیا۔ میں نے اس روز بھی اسی حکمت عملی سے کام لیا تو وہ گہری سنجیدگی سے بولے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مس چاولہ بڑی رعب دار اور متاثر کن شخصیت کی مالک ہے۔ وہ ''آپ'' سے ''تم'' پر آئی تو مجھے ذرا سا بھی ایسا ویسا محسوس نہیں ہوا بلکہ ایک انجانی سی مسرت کا احساس ہوا کہ اتنی بھرپور شخصیت کی حامل کوئی طرح دار عورت مجھے اپنائیت اور محبت سے ''تم'' کہہ کر مخاطب کر رہی ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ........''

''بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے میٹھی ناراضگی سے کہا۔ ''آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے کہ کتنے صفحے فکشن کے بلا معاوضہ ہی بول گئے ہیں اور بولتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہ

تو سراسر نقصان کا سودا ہوا نا؟''

''تم مجھے چپ کرانے کے لئے ہمیشہ یہی حربہ آزماتی ہو'' وہ شکایتی انداز میں بولے۔

میں نے کہا۔ ''جس پر جو حربہ کام کرتا ہو وہی آزمایا جاتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں، تمہیں مس چاولہ کی تعریف اچھی نہیں لگتی۔'' انہوں نے مجھے ستانے کی غرض سے کہا۔ ''تم کچھ جیلس نہیں ہو رہی ہو؟''

''جیلس ہوتی ہے میری جوتی۔'' میں نے بھی اس تفریحی فکشن کو آگے بڑھا دیا۔ ''اگر آپ مس چاولہ کے حُسن اور دلکشی سے اتنے ہی متاثر ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے، آپ جائیں یہاں سے۔ اسی کے در پر پڑے رہیں اور اسے دیکھ دیکھ کر مفت میں ناول لکھتے رہیں۔ میں آپ کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی!''

''پھر وہی دھمکی؟'' وہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولے۔ ''یہ تمہارا گھر تو میری جان لے لے گا۔'' پھر وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیہ انداز میں کہتے۔ ''اے اللہ! تُو مجھے ذاتی گھر کب دے گا؟ بیوی کے گھر سے پتہ نہیں کب نجات ملے گی۔ یہ عورت تو دن رات بے گھری کا احساس دلا دلا کر مجھے مار ہی ڈالے گی۔'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوئے پھر خلاء میں گھورتے ہوئے نادیدہ مستقبل قریب میں شوہر بننے والے مردوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

''اے اللہ کے بندو! اگر شادی جیسی حماقت کا دل میں خیال بھی آ جائے تو شادی کے بعد اپنے گھر میں رہنا چاہئے۔ وہ گھر ذاتی ہو یا کرائے کا، لیکن خدارا! اپنی بیوی کے گھر میں رہائش اختیار کرنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ شادی کر کے تمہاری دنیا تو برباد ہو گی ہی، بیوی کے گھر میں رہو گے تو وہ تمہاری عاقبت کا بھی ناس مار کے رکھ دے گی۔''

ان کی بات سن کر مجھے ہنسی تو بہت آئی لیکن سنجیدگی کی اداکاری کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ''کوئی فائدہ نہیں ہے شور مچانے کا۔ کوئی آپ کی نہیں سنے گا۔ سب یہی کہیں گے، خود تو شادی کر کے بیٹھ گئے اور دوسرے کو منع کر رہے ہیں۔ انسان کی بات میں اس وقت تک اثر پیدا نہیں ہوتا جب تک وہ بات کی عملی تفسیر نہ بن جائے جس کی وہ تبلیغ یا تلقین کر رہا ہو۔''

''تو تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی زبان میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے تم سے نجات حاصل کر لوں۔ نہ رہے گا بانس اور نہ ہی بجے گی بانسری۔ جب میں بیوی والا نہیں رہوں گا تو دوسروں کو شادی سے روکنے کا جواز مضبوط ہو جائے گا۔''

''مجھ سے نجات حاصل کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔'' میں بھی فل تفریح کے موڈ میں آ

گئی تھی۔ ''ایک پامسٹ نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتایا تھا کہ مجھے بیوگی کا صدمہ اٹھانا پڑے گا۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

''اچھی طرح سمجھ رہا ہوں تمہاری بات کو۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔ ''اور اس پامسٹ کو بھی سمجھ لوں گا جب وہ میرے ہاتھ آئے گا۔ یہ نجومی اور دست شناس اکثر و بیشتر دوسروں کی بیویوں کو ورغلانے کی مہم میں لگے رہتے ہیں...... تمہارا شوہر تم سے بناوٹی محبت کرتا ہے...... اس کا کسی اور عورت سے چکر چل رہا ہے...... ایک سانولی سی، میانہ قد عورت نے تم پر بندش کروا دی ہے۔ وہ تمہارے شوہر کو تم سے چھیننا چاہتی ہے...... تمہارا شوہر ہڈحرام ہے، خود کام نہیں کرنا چاہتا اور طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا رکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے، تم کماؤ اور وہ آرام سے گھر میں بیٹھ کر روٹیاں توڑتا رہے۔ اس کم بخت کی طبیعت اس وقت خراب نہیں ہوتی جب وہ گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھا دل پشوری کرتا رہتا ہے یا...... جب تم جاب پر ہوتی ہو تو پڑوسن سے گپیں لگاتے ہوئے بھی اس کی نامراد طبیعت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی...... وغیرہ وغیرہ!''

وہ لمحے بھر کے لئے سانس ہموار کرنے کو تھمے پھر دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

''مجھے ذرا فرصت مل جائے، میں ان قسمت کا حال بتانے والوں پر ایک صحت مند ناول ضرور لکھوں گا جس میں ان کے ہتھکنڈوں کی پوری تفصیل کہانی کے اندر موجود ہو گی اور سب سے دلچسپ بات اس ناول کی یہ ہو گی کہ میں اسے کسی نجومی کے سرمائے ہی سے شائع کراؤں گا۔''

''اور پھر آپ خود ہی بیٹھ کر اس ناول کو پڑھتے رہیں گے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''آپ کے دام میں آئے ہوئے اس پبلشر نجومی کو بھی اس ناول سے یقیناً کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس سے ملتے جلتے ڈبا پیروں اور ناگی باباؤں کے کارناموں کے قصے اکثر و بیشتر اخبارات اور مختلف میگزینز کی زینت بنتے رہتے ہیں۔''

''اب ایسی بھی ناقدری نہیں ہو رہی۔'' وہ برا مان گئے۔ ''اس دنیا میں جہاں جہاں اُردو پڑھی جاتی ہے، میرے ریڈرز وہاں موجود ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق، میں کم از کم پانچ لاکھ قارئین کا رائٹر ہوں۔ ان میں سے ایک لاکھ میرے فین ہیں جو مجھ سے ملنے، میری ایک جھلک دیکھنے کے مشتاق ہیں...... اور پچاس ہزار ایسے ہوں گے جو مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں اور میری خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں اور سنو......!'' وہ لمحہ بھر کو رُکے، پھر ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''ان پچاس ہزار محبت کرنے والوں میں بیس پچیس ہزار تو لڑکیاں اور عورتیں بھی ہوں گی۔ تم کن ہواؤں میں اُڑ رہی ہو؟''

''چھی چھی!'' میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی خواتین قارئین کے لئے اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل جائے تو وہ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گی؟ اور اگر میں بھی اعداد و شمار کا ایسا ہی دعویٰ کروں تو آپ کیا سوچیں گے؟''

''کیا مطلب، تم ایسا کون سا دعویٰ کرو گی؟'' وہ آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔

میں نے اپنے الفاظ کو گہری سنجیدگی کا لبادہ اوڑھاتے ہوئے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ کو پتہ ہے، اس دنیا میں جہاں جہاں اُردو پڑھی جاتی ہے وہاں میرے ریڈرز موجود ہیں......''

میں انہی کے کہے ہوئے الفاظ کو دہرا رہی تھی۔ ''ایک محتاط اندازے کے مطابق، میں کم از کم تین لاکھ قارئین کی رائٹر ہوں۔ ان میں سے پچھتر ہزار میرے فین ہیں جو مجھ سے ملنے، میری ایک جھلک دیکھنے کے مشتاق ہیں اور...... پچیس ہزار تو ضرور ایسے ہوں گے جو مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں اور میری خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں اور سنیں......'' میں نے بھی انہی کے انداز میں ڈرامائی توقف کیا پھر کہا۔ ''ان پچیس ہزار محبت کرنے والوں میں دس پندرہ ہزار تو نوجوان اور جوان مرد بھی ہوں گے۔ آپ یہ برداشت کر لیں گے؟''

میں نے الفاظ کے کھیل میں انہیں کلین بولڈ کر دیا تھا لیکن وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے کو تیار نہیں تھے، تیکھے لہجے میں بولے۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو، میری ہی بعض کہانیوں پر تمہارا ڈمی نام چھپتا ہے۔ جس ماہ میری ایک سے زیادہ کہانیاں شائع ہوں تو کسی کہانی پر تمہارا نام لگا دیا جاتا ہے حالانکہ تمہارا لکھنے سے دور کا بھی تعلق یا واسطہ نہیں۔''

''ہاں، میں یہ بات بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور میرے علاوہ رسالے کے ایڈیٹر یزدانی صاحب اور متعلقہ چند افراد بھی اس راز سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ لیکن میں نے آخر میں جن دس پندرہ ہزار نوجوان اور جوان مرد قارئین کا حوالہ دیا ہے وہ تو اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں نا۔ اگر وہ مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں تو انسانیت کا تقاضا یہی ہو گا کہ میں بھی ان کی محبت کا جواب محبت ہی سے دوں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''

وہ بری طرح لاجواب ہو گئے اور کھسیانے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے، میں تمہیں مس چاولہ سے ہونے والی میٹنگ کے بارے میں بتا رہا تھا

"اوہ لیس........مس چاولہ........بیوٹی کوئین۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

اتنا کہہ کر گڈو کی بھابی تھمی اور زیرلب مسکرانے لگی۔

وہ ایک باتونی عورت تھی اور کافی دیر سے اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی۔ میں نے اسے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ بہت دلچسپ اور پُرمعنی بول رہی تھی۔ میں ایک طرح سے اس کے بیان میں کھو کر رہ گیا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ قائم کیا کہ وہ اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھی اور اس کی گرفتاری پر بے حد پریشان بھی تھی۔ شاید اسی لئے وہ دل اور ذہن کا غبار نکال کر اپنی ٹینشن کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں نے اس کے شوہر کو نہیں پڑھا تھا لیکن اسے سننے کے بعد مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اگر وہ جب کبھی لکھنے کی طرف آئی تو یقیناً اپنے شوہر سے زیادہ اچھا لکھے گی۔ اس کے پاس ذخیرۂ الفاظ کی کمی تھی اور نہ ہی اسلوب بیان میں کوئی جھول۔ رائٹرز والے سارے جراثیم اس میں موجود تھے۔

میں نے سرسری سے انداز میں پوچھ لیا۔ "آپ کو کہانی لکھنے کا شوق نہیں ہے؟"

"ایک نیام میں ایک ہی تلوار کافی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

میں نے کہا۔ "آپ اپنے شوہر کے حالات اور انہیں پیش آنے والے واقعے سے اتنی اچھی طرح مجھے آگاہی دے رہی ہیں کہ لگتا ہے، ان سے کسی سوال کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

"میری کوشش تو یہی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "وہ پہلے ہی بہت زیادہ پریشان ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ نے تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟"

"میں نے ماسٹرز کر رکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کے بعد؟" میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ عام سے لہجے میں بولی۔ "پھر شادی ہو گئی۔ اور اب گھر سنبھالتی ہوں۔"

"اپنا گھر یا اپنے شوہر کا گھر؟" میں نے قدرے شوخ انداز میں پوچھا تا کہ اس کی پریشانی کچھ کم ہو جائے۔

وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولی۔ "اصل میں، جس گھر میں ہم رہ رہے ہیں وہ میرے نام ہے اس لئے میں اسے "اپنا گھر" کہہ کر انہیں چھیڑتی رہتی ہوں۔ ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ جب میں ان کی ہوں تو پھر میری ہر شے بھی انہی کی ہوئی نا!"

"اپنے شریک حیات کے لئے اسی انداز میں سوچنا چاہئے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے خیال میں آپ کے شوہر ایک خوش قسمت انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہرت، عزت کے علاوہ آپ جیسی بیوی بھی عطا کر رکھی ہے۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے بیگ صاحب!" وہ یک لخت افسردہ ہو گئی۔ "لیکن یقین جانیں، اس وقت ہم بہت پریشان ہیں۔ میں باتوں میں گم کر کے خود کو بہلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"مجھے اس بات کا پوری طرح احساس ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے میں نے آپ کو روکنے یا ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اس گفتگو کے دوران ہمارا اصل ٹاپک کہیں کھو کر رہ گیا۔"

"لیکن اس ٹاپک کو اب واپس آ جانا چاہئے۔" وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ "ضرور!"

"میں آپ کو بتا رہی تھی کہ میرے شوہر نے مس چاولہ سے سیکیورٹی کی بات کی تھی۔" وہ موضوع کے ٹوٹے ہوئے تسلسل کو جوڑتے ہوئے بولی۔ "مس چاولہ کے استفسار پر انہوں نے بے دھڑک بڑے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

"میں کم از کم دس ناول کی پے منٹ ایڈوانس میں لوں گا۔"

مس چاولہ نے ایک لمحہ سوچا پھر کہا۔ "میں ایڈوانس پے منٹ کی مخالف نہیں ہوں۔ لیکن دس ناولز کی رقم بہت زیادہ نہیں ہو جائے گی؟ اگر میگزین کے حساب اور معاوضے کو سامنے رکھیں تو ایک طرح سے یہ تمہاری بیس ماہ کی آمدنی کے برابر ہو گی۔ یعنی ایک سال اور آٹھ ماہ کا معاوضہ پیشگی؟"

"بالکل......اعداد و شمار تو یہی بتاتے ہیں۔" میرے شوہر نے تائیدی انداز میں کہا۔ "لیکن میڈم! آپ اس نئے معاملے کا موازنہ میرے پچھلے معاملے سے نہ کریں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپ نے "چاولہ پبلشنگ ہاؤس" کوئی دو تین ماہ چلانے کے لئے تو قائم نہیں کیا نا۔ میری شکل میں آپ کو ایک طرح سے بیس ماہ کے لئے ایک رائٹر فل ٹائم میسر آ جائے گا۔"

وہ پُرخیال انداز میں بولی۔ "میں تمہاری بات سے اتفاق کرتی ہوں۔ میں نے یہ پبلشنگ ہاؤس محض نمود و نمائش کے لئے نہیں قائم کیا بلکہ تم دیکھنا، ایک دن بہت جلد یہ ملک کا سب سے بڑا پبلشنگ ہاؤس بن کر اُبھرے گا......انشاء اللہ!" وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوئی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے ساتھ ہی تم بھی شہرت کی بلندیوں کو چھو لو گے۔ لیکن میں ایک بار پھر یہی کہوں گی کہ دس ناولز کی ایڈوانس پے منٹ بہت زیادہ ہو گی۔ میری مانو تو تین ناولز کی

پے منٹ لے لو، ہوں........؟"

ان کے درمیان تھوڑی سی بارگیننگ ہوئی، بالآخر پانچ ناولز کے ایڈوانس معاوضے پر بات طے ہوگئی۔ یہ ایک طرح سے ان کی دس ماہ کی آمدنی کے برابر رقم تھی۔ مس چاولہ نے میرے شوہر سے پوچھا۔

"آپ اس وقت یزدانی صاحب کے لئے کوئی سیریل تو نہیں لکھ رہے ہیں نا؟"

وہ حیرت انگیز طور پر ایک مرتبہ پھر تم سے آپ کی طرف لوٹ آئی تھی۔ میرے شوہر نے اس کے سوال کے جواب میں بتایا۔

"میں پچھلے تین سال سے باقاعدگی کے ساتھ ایک قسط وار کہانی لکھ رہا ہوں اور یہ ایک اتفاق ہے کہ اس سلسلے کی صرف تین اقساط باقی ہیں۔ دو تو میں لکھ کر دے چکا ہوں۔ بس آخری قسط میرے ہاتھ میں ہے۔"

"ٹھیک ہے، آپ اس آخری قسط سے جلد از جلد جان چھڑا کر یزدانی کے حوالے کر دیں۔" مس چاولہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اس کے بعد یزدانی کے ادارے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ آپ جو کچھ بھی لکھیں گے، صرف اور صرف میرے لئے لکھیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔" میرے شوہر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ کے لئے کام کا آغاز میں اس وقت کروں گا جب........"

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھ گئی، آپ آگے کیا بولنے والے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو صرف ایک دن انتظار کرنا ہوگا۔ آپ کل شام کو سات بجے میرے بنگلے میں آ جائیں۔ میں پانچ ناولز کی ایڈوانس پے منٹ کا چیک آپ کو دے دوں گی۔"

میرے شوہر اس خبر سے دل ہی دل میں بے حد خوش ہوئے تاہم انہوں نے اس اندرونی مسرت کو اپنے چہرے سے عیاں نہیں ہونے دیا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"چیک وصول کرنے کے لئے بنگلے پر آنا ضروری ہے کیا؟"

مس چاولہ نے گہری نظر سے میرے شوہر کی آنکھوں میں دیکھا اور ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "چیک تو میں آپ کو کہیں بھی دے سکتی ہوں........ حتیٰ کہ اس وقت یہاں بھی۔ لیکن چیک کے علاوہ بھی چند قانونی تقاضے پورے کرنا ہیں اور اس کام کے لئے آپ کو میرے بنگلے پر آنا ہوگا۔"

"مثلاً کس نوعیت کے قانونی تقاضے؟" میرے شوہر نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

مس چاولہ نے بتایا۔ "ہمارے درمیان ایک لیگل ایگری منٹ ہوگا جس کی رو سے آپ میرے علاوہ اور کسی بھی پبلشر کے لئے ایک لفظ بھی نہیں لکھیں گے اور میں آپ کو فی ناول جو معاوضہ دوں گی، اس ایگری منٹ میں اس کا باقاعدہ ذکر کیا جائے گا۔ اس قانونی معاہدے پر ہم دونوں کے دستخط ہوں گے۔ میں کل دن میں اپنے وکیل سے مشورہ کر کے اسٹامپ پیپر پر وہ معاہدہ تیار کروالوں گی۔ آپ شام کو میرے بنگلے پر آ کر وہ معاہدہ پڑھ لیں اور مطمئن ہونے کے بعد اس پر دستخط کر دیں۔ یہ کام اگر میں اپنے دفتر میں کروں گی تو آپ کو وہاں آنے میں شاید کوئی اعتراض ہو۔ آپ نے میرے آدمی کو جو پیغام دیا تھا وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں کل شام سات بجے آپ کے بنگلے پر پہنچ جاؤں گا۔" میرے شوہر نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ آپ ابھی بتا دیں کہ آپ جو ایگری منٹ تیار کروائیں گی، اس کی میعاد کیا ہوگی؟"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" مس چاولہ نے اُلٹا انہی سے پوچھ لیا۔

انہوں نے کہا۔ "میرے خیال میں فی الحال ایک سال کا معاہدہ مناسب رہے گا۔"

"چلیں، میں آپ کی بات رکھ لیتی ہوں۔" وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے میں تو یہ چاہتی تھی کہ عمر بھر کا معاہدہ ہو جائے!"

اس روز میرے شوہر نے گھر آ کر مجھے اس ملاقات کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ "عمر بھر کے معاہدے" والی بات بتاتے ہوئے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے شرارت بھرے انداز میں ان سے پوچھ لیا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟........ ویسے مس چاولہ کی پیش کش بری بھی نہیں۔"

"تو کیا تم مجھے ایسا سمجھتی ہو؟" وہ قدرے خفگی بھرے لہجے میں مستفسر ہوئے۔

میں نے اپنی شریر سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں ایسا ویسا سمجھنے والی کون سی بات ہے؟ ویسے بھی آپ کے پاس بہ یک وقت چار کی گنجائش تو ہے ہی۔ جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو آپ کسی اور کی فکر کیوں کرتے ہیں؟"

"میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، تم مجھ سے تفریح لے رہی ہو۔" وہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولے پھر تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ "ویسے میں نے محسوس کیا ہے، مس چاولہ بڑی خطرناک عورت ہے۔"

"تو آپ نے اس مختصر سی ملاقات میں اس کی خطرناکی بھی جانچ لی؟" میں نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کا پہلا ناول مس چاولہ کی صورت و سیرت پر ہی ہونا چاہئے۔ یہ

آپ پر ایک طرح کا اخلاقی قرض ہے۔"

"اخلاقی قرض؟" وہ منہ بگاڑ کر بولے۔ "اخلاقی فرض کے بارے میں تو سنا تھا، لکھا اور پڑھا تھا لیکن یہ........ اخلاقی قرض کیا ہوتا ہے؟"

"یہ بھی "اخلاقی فرض" ہی کی طرح ایک ذمے داری ہوتی ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "بس ایک نقطے کے اضافے نے اسے "اخلاقی قرض" بنا دیا ہے۔ فرض کو تو نبھایا جا سکتا ہے لیکن قرض کو اتارنا پڑتا ہے اور........ وہ بھی اخلاقی تقاضوں کے عین مطابق۔" میں لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ میرا احسان مانیں کہ میں نے آپ کی ڈکشنری میں اپنے توسط سے ایک نئے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ اب آپ پوری آزادی کے ساتھ اس لفظ کو اپنی کہانیوں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط بھی ہے۔"

"کیسی شرط؟" انہوں نے اُلجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "جس طرح وظائف و عملیات کی دنیا میں مختلف حروف اور الفاظ کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اس کے بعد ہی اس عمل کی اثر پذیری پر اختیار حاصل ہوتا ہے، بالکل اسی طرح آپ کو بھی "اخلاقی قرض" کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔"

"اور تمہاری نظر میں وہ زکوٰۃ کیا ہو سکتی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں جی! میں کوئی کامل بزرگ یا کوئی پہنچی ہوئی باجی اللہ والی تو نہیں ہوں کو آپ کو زکوٰۃ کے پیچیدہ اور کٹھن مراحل سے گزارنے کے لئے کوئی سخت معاہدہ کراؤں۔ میں سیدھے سادھے رائٹر کی ایک سیدھی سادھی بیوی ہوں لہٰذا "اخلاقی قرض" کی زکوٰۃ کو بھی آپ ایک قرض سمجھ کر ہی اتاریں۔ مس چاولہ عرف خطرناک عورت کے لئے آپ جو پہلا ناول تحریر فرمائیں اس میں اگر آپ گیارہ مرتبہ یا تینتیس مرتبہ یا اکتالیس مرتبہ یا چوراسی مرتبہ "اخلاقی قرض" کا استعمال کریں تو اس لفظ کی زکوٰۃ خود بہ خود ادا ہو جائے گی۔ کم از کم گیارہ مرتبہ........ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟"

انہوں نے ہاں کہا اور نہ ہی نہ۔ بس سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔"

گڈو کی بھابی صاحبہ اور اس کیس کے ملزم کی زوجہ محترمہ اتنا کہہ کر لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی تو میں نے سکوت کے اس لمحے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر میں اس لمحے کو گنوا دیتا تو پھر آنے والے لمحات میں یقیناً مجھے بھی سر پکڑ کر بیٹھنا ہوتا!

ملزم کی بیوی خوش شکل اور خوش گفتار تھی۔ بیدار مغز اور تیز رفتار تھی۔ اور سب سے بڑی

بات یہ کہ سمجھ دار اور ہوشیار بھی تھی........ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ آج کا پورا دن میں صرف اس کی سنوں گا۔ مجھے اور بھی کلائنٹس کو اٹینڈ کرنا تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ میں گڈو کی بھابی کو نمٹا کر اپنے چیمبر سے رخصت کر دیتا۔ وہ مجھ سے اپنے قلم کار شوہر کا کیس ڈسکس کرنے آئی تھی اور اسے کیس ہی کی حد تک محدود رہنا چاہئے تھا۔ اس کی فروعی باتیں خواہ کتنی بھی دلچسپ اور تفریحی کیوں نہ ہوں مگر میں ان کے لئے ایک مخصوص وقت ہی دے سکتا تھا۔

ویسے یہ بات ماننے کی ہے کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ پیچیدہ اور حیران کن شے ہے، اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا ممکن نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے جب گڈو نے مجھے مس چاولہ کے "مس" ہونے کی حقیقت کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی تو اس کی بھابی صاحبہ نے یہ کہہ کر اسے چپ کرا دیا تھا کہ ہم یہاں جس مقصد کے لئے آئے ہیں، بیگ صاحب سے وہی بات کرنا چاہئے۔ فروعی باتیں بعد میں بھی کی جا سکتی ہیں۔ اور اب اسے مطلق یہ احساس نہیں تھا کہ وہ بار بار اصل موضوع کو فراموش کر کے دلچسپ فروعی قصوں سے لگ جاتی تھی۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا، اب اسے ایسا کوئی موقع نہیں دوں گا۔ چنانچہ وہ جیسے ہی سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوئی، میں نے فوراً پوچھ لیا۔

"تو کیا اگلے روز شام کو آپ کے شوہر مس چاولہ کے بنگلے پر گئے تھے؟"

"جی ہاں، گئے تھے۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "اور اسی رات کو دس بجے پولیس نے انہیں مس چاولہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔"

"کیا؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "کیا اسی روز مس چاولہ قتل کر دی گئیں؟"

"بالکل یہی واقعہ پیش آیا تھا وکیل صاحب!" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ "یہ کتنے دن پہلے کی بات ہے؟"

"یہ تیرہ مئی کا واقعہ ہے۔" اس نے بتایا۔ "بارہ مئی کو ان کی ملاقات ہوٹل میں مس چاولہ سے ہوئی اور تیرہ مئی کی شام کو سات بجے وہ وعدے کے مطابق مس چاولہ کے بنگلے پر پہنچے جو شہر کے ایک پوش علاقے میں واقع ہے۔ مس چاولہ سے ملاقات کے بعد وہ گھر آ گئے تھے۔ ہم نے رات کا کھانا ایک ساتھ کھایا اور پھر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے۔ ہمیں ٹی وی دیکھتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سامنے پولیس والوں کو کھڑے پایا۔ پھر وہ انہیں مس چاولہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے لے گئے۔"

اس روز مئی کی بیس تاریخ تھی۔ میں نے جلدی سے ذہن میں حساب لگایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تیرہ مئی کو گرفتار ہونے والے رائٹر صاحب کو اس وقت عدالتی ریمانڈ پر پولیس کی کسٹڈی میں ہونا چاہئے۔ پھر تصدیق کی خاطر میں نے اپنے سامنے بیٹھی ملزم کی بیوی سے پوچھ لیا۔

''اس وقت آپ کے شوہر کہاں ہیں؟''

اس نے متعلقہ تھانے کا نام بتایا اور کہا۔ ''ان کے ریمانڈ کی مدت ختم ہونے میں صرف کل کا دن باقی ہے۔ پرسوں انہیں عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔''

''ہوں......!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز آپ کے شوہر کتنے بجے گھر واپس آئے تھے؟......میرا مطلب ہے، مس چاولہ سے ملاقات کرنے کے بعد؟''

''اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''انہوں نے آپ کو ملاقات کے بارے میں کیا بتایا تھا؟ کیا مس چاولہ سے ان کا ایگری منٹ ہو گیا تھا؟''

''نہیں......ایگری منٹ نہیں ہو سکا تھا۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''کیوں......اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ مس چاولہ اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث اس روز اپنے وکیل سے ملاقات نہیں کر سکی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لہٰذا ایگری منٹ کے کاغذات تیار نہیں ہو سکے تھے۔ مس چاولہ نے ان سے معذرت بھی کی تھی اور یہ وعدہ بھی کہ آئندہ روز یعنی چودہ مئی کی شام کو دوبارہ اس کے بنگلے پر جانا ہو گا لیکن......'' اس نے دل شکستگی کے انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا پھر دُکھی لہجے میں بولی۔

''چودہ مئی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پولیس انہیں گرفتار کر کے ساتھ لے گئی۔ شاید مس چاولہ کے ساتھ کام کرنا ان کی قسمت ہی میں نہیں تھا۔''

میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔ ''مس چاولہ......یعنی مقتولہ کے ساتھ آپ کے شوہر کی جو بھی ڈیل چل رہی تھی وہ ان دونوں کے بیچ تھی، کسی تیسرے کو اس معاملے کی خبر نہیں تھی۔ لیکن مس چاولہ کے قتل اور آپ کے شوہر کی گرفتاری کے بعد یہ معاملہ ڈھکا چھپا نہیں رہا۔ مقتولہ اور ملزم کے درمیان استوار ہونے والے نئے تعلق کی خبر یزدانی صاحب تک بھی پہنچ گئی ہو گی جب کہ ان کا ایک خاص مخبر نما جاسوس ''چاولہ پبلشنگ ہاؤس'' کے سیٹ اپ میں پہلے سے موجود ہے۔ اس سارے واقعے میں یزدانی صاحب نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟''

''وہ میرے شوہر سے خاصے خفا ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ان کی گرفتاری

کے فوراً بعد میں نے سب سے پہلے یزدانی صاحب ہی سے رابطہ کیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر انہیں ان کی گرفتاری کی خبر ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے تعاون کی درخواست کی تو وہ بڑے روکھے انداز میں بولے۔

''آپ کے شوہر نے کام ہی ایسا کیا ہے کہ میں کیا، کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔''

میں یہ سمجھی کہ ''کام'' سے ان کا اشارہ میرے شوہر اور مس چاولہ کے درمیان ہونے والی ڈیلنگ کی طرف ہے۔ ظاہر ہے یہ بات یزدانی صاحب کو ناگوار لگنے والی تھی لہٰذا ان کی خفگی سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے نرم اور خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''یزدانی صاحب! میں مانتی ہوں، وہ ایک غلط قدم اٹھانے جا رہے تھے۔ اگر وہ اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کرتے تو میں انہیں روکنے کی کوشش کرتی لیکن ....بہرحال، اب گزری ہوئی باتوں پر مٹی ڈالیں۔ مس چاولہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی ''چاولہ پبلشنگ ہاؤس'' بھی سمجھیں ختم ہو گیا۔ لہٰذا ان کا مس چاولہ کے لئے لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ان کی غلطی کو معاف کر دیں اور اس کڑے وقت میں ہماری مدد کریں۔ آپ بڑے تعلق والے ہیں۔ پولیس کے بعض بڑے آفیسرز سے بھی آپ کے دوستانہ مراسم ہیں۔ آپ کوئی سفارش لگائیں اور پولیس والوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ یہ مجرمانہ ذہن رکھنے والے انسان نہیں ہیں۔ مس چاولہ کو انہوں نے قتل نہیں کیا۔ ان کی ساری بہادری، جرأت اور شجاعت صرف کہانیوں تک محدود ہے۔ وہ قلم کی مدد سے کاغذ پر تو......''

''آپ شاید میری بات کو سمجھ نہیں سکیں۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ''میں اپنی ناراضگی کی وجہ سے اس کی مدد کرنے سے انکار نہیں کر رہا بلکہ......''

''پھر کیا وجہ ہے یزدانی صاحب؟'' اس مرتبہ میں نے قطع کلامی کی۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''میں نے 'میں کیا، کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا' اس لئے کہا تھا کہ اس پر جو سنگین الزام ہے وہ کوئی معمولی بات نہیں......کم از کم میں تو اس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

''یزدانی صاحب!'' میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''ان پر مس چاولہ کو قتل کرنے کا الزام ہے۔ انہوں نے مس چاولہ کو قتل کیا نہیں......مجھے یقین ہے، جلد یا بدیر یہ الزام غلط ثابت ہو گا اور عدالت انہیں باعزت بری کر دے گی۔''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا۔'' یزدانی صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تو......اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی......انہیں قاتل سمجھتے ہیں؟'' میں نے دُکھ

بھرے لہجے میں کہا۔

''میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ اسی تیکھے، نمک چھڑکنے والے لہجے میں بولے۔ ''پولیس کو اس بات کا پورا یقین ہے اور وہ عدالت میں آپ کے شوہر کو قاتل ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گی۔''

میں سمجھ گئی کہ یزدانی صاحب سے کسی قسم کی توقع رکھنا حماقت ہی ہوگی۔ میرے شوہر کے لئے ان کے دل میں جو میل آ گیا تھا اسے دھونا آسان نہیں تھا۔ ان کی باتوں سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ میرے شوہر کے لئے اپنے میلے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے لہٰذا میں نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔''

وہ خاموش ہوئی تو میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''یزدانی صاحب اگر آپ کے شوہر کو قاتل نہیں بھی سمجھ رہے تو ان کے انداز اور رویے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے بے گناہ بھی تصور نہیں کرتے۔ اور میں سمجھتا ہوں، ان کی اس بے مروتانہ سوچ کے پیچھے وہی خفگی پوشیدہ ہے جو آپ کے شوہر کے مس چاولہ سے رابطے کے باعث ان کے دل میں پیدا ہوئی ہے۔ میرے خیال میں وہ آپ کے شوہر کے عمل کو بے وفائی اور غداری کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔''

''ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے بھی کچھ ایسا ہی محسوس کیا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''یزدانی صاحب جائیں جہنم میں۔ وہ میرے شوہر کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی میں کسی مدد اور تعاون کے لئے ان کی طرف دیکھنا پسند کروں گی۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لئے لمحے بھر کو تھمی پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔

''بیگ صاحب! میں نے اپنے شوہر کا کیس پوری تفصیلات کے ساتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ ان کو باعزت بری کرانا اب آپ کا کام ہے۔ آپ کی فیس وغیرہ کے علاوہ جو بھی عدالتی اور غیر عدالتی اخراجات ہوں گے، میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ آپ اپنی فیس تو ابھی مجھ سے لے لیں۔ جن صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے انہوں نے بتایا تھا کہ آپ فیس ایڈوانس میں لیتے ہیں۔''

''انہوں نے غلط نہیں کہا۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''فیس کے معاملے میں میرا یہی اصول ہے۔ بہر حال........'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ آپ نے مجھے جتنی تفصیل سے اس کیس کے بارے میں بتایا، میرے ریکارڈ میں ایسی اور کوئی مثال موجود نہیں تھی لیکن ابھی اس کیس

کے بعض پہلو تشنہ ہیں۔ خصوصاً میں وہ سبب جاننا چاہتا ہوں جس کی بناء پر پولیس نے آپ کے شوہر کو مس چاولہ کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کیا ہے........ پھر یہ کہ وقوعہ کے روز مقتولہ کے بنگلے پر آپ کے شوہر اور مقتولہ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی، اس روز مقتولہ کی طبیعت میں کس قسم کی خرابی پیدا ہو گئی تھی، اس بنگلے میں مقتولہ کے علاوہ اور کون رہتا ہے، مذکورہ روز آپ کے شوہر کی وہاں موجودگی کے دوران کوئی اہم واقعہ تو پیش نہیں آیا، مقتولہ کو کس طریقے سے اور کب قتل کیا گیا تھا، آلۂ قتل کی کیا نوعیت ہے........ وغیرہ وغیرہ!''

اس نے بڑے تحمل سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر کہا۔ ''ان میں سے چند سوالات کے جوابات تو میں دے سکتی ہوں، باقی باتیں آپ کو انہی سے پوچھنا ہوں گی۔''

''آپ کو جتنا معلوم ہے، وہ تو بتا دیں۔'' میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے قلم کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

وہ بولی۔ ''وقوعہ کے روز مقتولہ کو شدید قسم کا نزلہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ دفتر بھی نہیں جا سکی تھی اور وہ سارا دن اس نے گھر میں رہ کر ہی گزارا تھا۔ میرے شوہر اور مقتولہ کے بیچ میں بھی مختصر گفتگو ہوئی۔ میں اس کے مکالمے تو آپ کو نہیں سنا سکتی البتہ اتنا جانتی ہوں وہ جس کام سے وہاں گئے تھے وہ ایک دن کے لئے مؤخر ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وقوعہ کے روز مقتولہ اپنے بنگلے میں اکیلی ہی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور بھی وہاں رہتا تھا یا نہیں اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔ میرے شوہر کی وہاں موجودگی کے دوران کوئی اہم یا قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ مقتولہ کے بارے میں پولیس کا مؤقف یہ ہے کہ اسے سائلنسر لگے پسٹل سے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ خاموشی کے ساتھ دو مہلک گولیاں اس کے سینے میں اتریں اور وہ انا للہ ہو گئی۔ ان میں سے ایک گولی نے اس کے دل میں سوراخ کر دیا تھا۔ مقتولہ کی لاش اس کے بیڈ روم میں، بیڈ پر پڑی ملی تھی۔ بستر اس کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ پولیس نے بنگلے کی تلاشی کے دوران آلۂ قتل بھی برآمد کر لیا۔ اس سائلنسر لگے پسٹل پر میرے شوہر کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں........ اور یہی سب سے زیادہ تشویش کی بات ہے!''

''واقعی، یہ تو گہری تشویش کی بات ہے۔'' میں نے فوراً تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''اس سلسلے میں آپ نے ملزم سے استفسار کیا تھا؟''

''جی ہاں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔ ''میں جب حوالات میں ان سے ملنے گئی تو میں نے آلۂ قتل کے حوالے سے انہیں کریدا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ اس سائلنسر لگے پسٹل سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے مطابق، مذکورہ پسٹل مقتولہ کی ملکیت

ہے۔ انہوں نے وہ ہتھیار اس کے بنگلے میں پڑا دیکھا تھا اور مقتولہ ہی کے کہنے پر وہ پسٹل انہوں نے اٹھا کر مقتولہ کو دیا تھا لہٰذا اس پر ان کے فنگر پرنٹس آ جانا لازمی بات ہے۔"

"ہوں۔" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اس نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ "آپ ان سے ملنے تھانے کب جائیں گے؟"

"آج کسی وقت...... یا پھر کل۔" میں نے خیالات سے چونکتے ہوئے کہا۔ "پرسوں تو ان کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اس سے پہلے ہی آپ کے شوہر سے ایک بھرپور ملاقات بہت ضروری ہے۔ آپ اس سلسلے میں فکرمند نہ ہوں۔ میں اپنی سہولت دیکھتے ہوئے تھانے کا چکر لگا لوں گا۔"

"آپ کی تسلی نے مجھے مطمئن کر دیا۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "اب آپ مجھ سے اپنی فیس وصول کر لیں تا کہ یہ اطمینان بھی ہو جائے کہ کیس میں آپ نے مضبوط ہاتھ ڈال دیا ہے۔"

میں نے فوراً سے پیشتر اس کی فرمائش پوری کر دی۔

فیس کی وصولی کی رسید اس کے ہاتھ میں آئی تو وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی تقلید میں گڈو بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"گڈو! تمہاری آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"انٹر کا امتحان دے دیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "آج کل فارغ ہی ہوں۔"

"فارغ ہو تو میرے لئے ہی کچھ کام کرو۔" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "یہ کام تمہارے بھائی جان کے کام آئے گا۔"

"کیوں نہیں......ضرور جناب!" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ حکم کریں، مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"تم کل کسی وقت دفتر میں آ کر مجھ سے ملو۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "پھر بتاتا ہوں، تم سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔"

"آپ یقیناً مجھ سے مقتولہ مس چاولہ کے بارے میں پوچھیں گے۔" وہ اندازہ قائم کرنے والے لہجے میں بولا۔ "وہ...... جو میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اس نے "مس" بننے کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے!"

"ہاں، یہ تفصیل بھی تم سے سننا ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ تم کل میرے پاس آؤ تو...... اس دوران میں تمہارے بھائی

جان سے بھی ملاقات کر لیتا ہوں۔"

"او کے بیگ صاحب! میں کل آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔" وہ یقین سے بولا۔

اس کے بعد ہم تینوں کے درمیان الوداعی کلمات کا تبادلہ ہوا اور وہ دیور بھابی شکریہ ادا کر کے میرے دفتر سے رخصت ہو گئے۔

ملزم کی باتونی، خوش بیان بیوی نے مجھے مس چاولہ مرڈر کیس کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کر دی تھیں جن کی روشنی میں، میں ایک خاص انداز میں سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ مجھے اس پراسرار کیس میں تین افراد نہایت ہی اہم دکھائی دے رہے تھے۔ نمبر ایک، مقتولہ مس چاولہ۔ نمبر دو، ملزم قلم کار۔ نمبر تین، ملزم کا ناراض پبلشر یزدانی۔

ان میں سے نمبر ایک تو زندگی کی قید سے آزاد ہو گیا تھا، نمبر دو پولیس کی قید میں تھا اور عنقریب جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے والا تھا اور نمبر تین بالکل لاتعلق اور آزاد گھومتا پھر رہا تھا۔ مسٹر یزدانی نے ملزم کی گرفتاری پر، اس کی بیوی کے ساتھ جس روکھے پھیکے بلکہ دشمنانہ رویے کا مظاہرہ کیا تھا وہ میرے لئے قابل غور تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ملزم کے لئے اپنے دل و دماغ میں بہت زیادہ نفرت پالے بیٹھا تھا۔ یا تو اسے یقین تھا کہ مس چاولہ کو ملزم ہی نے موت کے گھاٹ اتارا ہے اور یا پھر وہ یہ چاہتا تھا کہ ملزم اس کیس میں لٹک جائے۔ چاہے اس نے مس چاولہ کا مرڈر کیا ہے یا نہیں کیا!

یہ ایک گمبھیر اور سنسنی خیز صورت حال تھی اور مجھے اس تمام تر گمبھیرتا اور سنسنی خیزی سے گزر کر حقائق تک پہنچنا تھا تا کہ میں اپنے مؤکل کو انصاف دلا سکوں...... اور مجھے صد فیصد یقین تھا کہ میں بہت جلد ایسا کر گزروں گا!

اس روز کلائنٹس سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے دفتر سے نکلا اور گھر جانے سے پہلے گاڑی کو اس تھانے کی سمت دوڑا دیا جس میں گڈو کا بھائی عدالتی ریمانڈ کی مدت گزار رہا تھا۔ ملزم کو بس کل کا دن پولیس کی کسٹڈی میں گزارنا تھا، پرسوں ایک چالان کے ساتھ پولیس اسے حوالۂ عدالت کر دیتی۔ اس کے بعد میرا عملی کام شروع ہو جاتا۔

ملزم سے ملاقات خاصی سودمند ثابت ہوئی۔ اس کے بارے میں، اس کی بیوی نے بڑی تفصیل سے مجھے معلومات فراہم کر دی تھیں۔ لہٰذا اِدھر اُدھر کی باتوں کی بجائے میں نے اپنا فوکس اسی منظر پر رکھا جب ملزم، مقتولہ سے ملنے اس کے بنگلے پر گیا تھا، یعنی تیرہ مئی شام سات بجے...... وقوعہ کے روز...... پھر اسی روز رات دس بجے اسے اس کے گھر سے، مس

چاولہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔

ملزم کی عمر کا اندازہ میں نے چالیس کے آس پاس لگایا۔ رنگ صاف، قد درمیانہ اور جسم مائل بہ فربہی۔ اسے صحت مند کہا جا سکتا تھا لیکن موٹا نہیں۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے ذہانت، تجربہ اور بردباری ٹپکتی تھی۔ تاہم ان لمحات میں وہ خاصا سنجیدہ اور متفکر دکھائی دیا جیسے کسی کہانی کے ''اینڈ'' پر آ کر اٹک گیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس کہانی کو کیا انجام دے۔ گویا اپنی کہانی نے اسے متذبذب کر رکھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا، آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

رسمی علیک سلیک اور تعارف کے بعد میں نے تمام ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لے لئے جن میں وکالت نامہ سرفہرست تھا۔ اس نے مجھ سے زیادہ سوالات نہیں کئے بلکہ میں نے اس سے جو بھی پوچھا، اس کا مدلل اور مفصل جواب دیتا چلا گیا۔ اس کے تعاون کے باعث میں بہت کم وقت میں، بہت زیادہ باتیں جاننے میں کامیاب ہو گیا جن میں بعض حیرت انگیز انکشافات بھی شامل تھے۔ لیکن میں سردست آپ کو اس ملاقات کی تفصیل نہیں سناؤں گا ورنہ سارا سسپنس جاتا رہے گا اور کہانی کا سسپنس آخری مرحلے تک قائم و دائم رہنا چاہئے خصوصاً جب یہ کہانی کسی قلم کار کی ہو۔ بہرحال، عدالتی کارروائی کے دوران لمحہ بہ لمحہ میں آپ کو ان حیرت انگیز انکشافات سے روشناس کراتا رہوں گا۔

جب میں حوالات سے واپس آنے لگا تو میں نے گڈو کے قلم کار بھائی جان سے پوچھا۔

''آپ کو یہاں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

''یقین نہیں آ رہا!'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کس بات کا یقین نہیں آ رہا؟'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''یہ جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا ہے...... اور پیش آ رہا ہے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اس دنیا میں کسی وقت، کسی کے ساتھ، کچھ بھی پیش آ سکتا ہے اور یہ حقیقت آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ ایک حساس دل اور فعال دماغ رکھنے والے رائٹر ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''آپ جن حالات سے گزر رہے ہیں یہ انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ نے مس چاولہ کو قتل نہیں کیا تو پھر جلد یا بہ دیر آپ ان تکلیف دہ حالات سے نکل آئیں گے۔''

''میں مثبت انداز میں سوچنے کا عادی ہوں۔'' اس نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''اور مجھے اپنے

عمل پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں، مس چاولہ کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ لہٰذا مجھے امید ہے، میں باعزت اس کیس سے بری ہو جاؤں گا اور...... مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کوئی صفحات پر لکھی ہوئی کہانی نہیں جسے اپنی مرضی سے، پسندیدہ انجام تک پہنچا دیا جائے...... اور یہ میرے ہاتھ میں بھی نہیں ہے۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

''اس لئے میں انتظار کروں گا...... صرف انتظار۔''

''آپ انتظار کریں اور میں انتظام کرتا ہوں۔'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''آپ کی زندگی کی اس عملی کہانی کو میں اپنی وکالت کے زور پر منطقی انجام تک پہنچاؤں گا۔ آپ اپنے حوصلے کو جوان رکھیں اور کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی نصیحت کو یاد رکھوں گا۔''

میں نے اندازہ لگا لیا کہ اپنی بیوی کی بہ نسبت وہ خاصا کم گو تھا۔ اسی تناظر میں، میں نے اس سے کہا۔ ''آپ کی بیوی نے مجھے اس واقعے کے بارے میں بڑی مفصل معلومات فراہم کر دی ہیں۔ اہم تو رہیں ایک طرف، انہوں نے غیراہم اور غیرمتعلق بھی بہت ساری باتیں مجھے بتائی ہیں۔''

''ہاں!'' اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''وہ اللہ کی بندی بڑی باتونی ہے۔ جب بولنے پر آتی ہے تو یہ بھول جاتی ہے کہ کیا بولنا ہے اور کیا نہیں۔ بس اپنی ہی دُھن میں بولتی چلی جاتی ہے۔''

''آپ کے لئے تو بڑی مشکل ہو جاتی ہو گی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ اپنی بیوی کی بہ نسبت بڑے کم گو ہیں۔''

''کم گو......'' اس نے آنکھیں پھیلا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''اگر تناسب ہی میں بات کرنا ہے تو میرے لئے ''کم گو'' کی بجائے ''گونگا'' کا لفظ زیادہ مناسب رہے گا۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر خاصے خوش گوار انداز میں بولا۔

''جناب! میری کم گوئی اور اس کی زود گوئی کا کیا پوچھتے ہیں۔ اگر میری زبان پر فالج گر جائے یا میں کسی بھی سبب قوتِ گویائی سے محروم ہو جاؤں تو ہفتے دس دن سے پہلے اس کو خبر نہیں ہونے والی...... آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

اس نے آخری جملہ اس انداز سے ادا کیا تھا جیسے پوچھ رہا ہو، میں نے اس کی بیان کردہ اس مختصر سی ''لاسٹ لائن اسٹوری'' کو انجوائے کیا یا نہیں۔ دراصل باتونی بیویوں کے حوالے

سے ایک معروف لطیفہ ہے جو میں نے پہلے سے سن رکھا تھا لہٰذا مجھے ملزم کی بات کو سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔

"بڑی اچھی طرح سمجھ گیا ہوں!" میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے آپ بھی اپنے گھر میں گونگے شوہر کا کردار ادا کرتے ہیں۔"

"نہیں!" میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر اس کے متضاد صورتِ حال ہو گی؟"

"ویسی بھی نہیں۔"

"ایسی بات ہے اور نہ ہی ویسی۔" وہ حیرت سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "پھر کیسی بات ہے بیگ صاحب؟"

"دراصل...... بات یہ ہے کہ......" میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی تک بیوی ایسی نعمت سے محروم ہوں!"

"کیا واقعی......؟" اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں...... میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"پھر تو آپ بڑے خوش نصیب ہیں وکیل صاحب!" وہ مذاق کے رنگ میں بولا۔

مجھے خوشی اور اطمینان حاصل ہوا کہ وہ مصیبت کی ان گھڑیوں میں بھی زندہ دلی اور خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ میں نے دیکھا ہے قتل کے ملزم عموماً عدالتی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہی ادھ موئے سے ہو جاتے ہیں۔ وکالت کے ساتھ ساتھ انہیں طبعی طور پر بھی سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اپنے تازہ ترین قلم کار موکل کی بات کے جواب میں پوچھا۔

"آپ نے مجھے خوش نصیب کس حوالے سے کہا؟"

وہ شرارت بھرے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے، جس نعمت سے اپنی محرومی کا ذکر کیا ہے، آپ کو معلوم نہیں کہ نعمت نظر آنے والی وہ چیز کتنی بڑی زحمت ہوتی ہے...... آپ اسے اپنی محرومی نہیں بلکہ خوش قسمتی سمجھیں بیگ صاحب!"

"گویا...... آپ اپنی بیوی کو 'زحمت' کہہ رہے ہیں؟" میں نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "اب آپ اس کو بتا نہیں دیجئے گا۔"

"اس گھبراہٹ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے، آپ اپنی بیوی سے بہت ڈرتے ہیں؟" میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جب آپ بیوی والے ہو جائیں گے تو خود ہی سب کچھ پتہ چل جائے گا جناب!" وہ

گمبھیر لہجے میں بولا۔ "یہ ایسا پھل ہے کہ جس نے کھایا، وہ پچھتایا...... اور جس نے نہیں کھایا، وہ بھی پچھتایا۔ اسی لئے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب پچھتانا ہی ٹھہرا تو پھر یہ پھل کھانے میں تاخیر مناسب نہیں۔"

"آپ کے فلسفے کو عملی طور پر سمجھنے اور پرکھنے میں تو پتہ نہیں، ابھی کتنا وقت لگے گا۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی بیوی بہت اچھی ہے...... وہ آپ سے سچی محبت کرتی ہے۔"

"ہاں...... یہ تو حقیقت ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

میں نے اپنے موکل اور مس چاولہ مرڈر کیس کے ملزم کو چند اہم ہدایات دیں اور عدالت میں ملاقات کا وعدہ کر کے وہاں سے واپس آ گیا۔

آئندہ روز حسبِ وعدہ ملزم کا چھوٹا بھائی گڈو میرے پاس آیا۔ میں نے تھوڑی دیر اسے باہر ویٹرز لابی میں انتظار کرایا پھر اپنے چیمبر میں بلا لیا۔

گڈو کی عمر لگ بھگ انیس بیس سال تھی۔ پچھلی ملاقات میں اس نے مجھے بتایا تھا کہ انٹرنس کا امتحان دینے کے بعد وہ فارغ بیٹھا ہے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"ہاں، اب بتاؤ کہ تم مس چاولہ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

وہ بولا۔ "بیگ صاحب! اکثر لوگ مقتولہ کو غیر شادی شدہ سمجھتے تھے اسی لئے اسے مس چاولہ کہا جاتا تھا اور وہ خود بھی "مس" کہلوانا ہی پسند کرتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ بعض جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ اس نے چند سال پہلے شادی کی تھی۔"

"یہ بات تو تم مجھے پہلے بھی بتا چکے ہو۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہارا بھی یہ خیال ہے کہ مقتولہ نے اپنی ناکام شادی پر ایک پردہ سا ڈال رکھا ہے، یہ کیا قصہ ہے؟"

"جناب! زیادہ تفصیل تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ مقتولہ کی شادی چند روز رہی تھی...... یہی کوئی دو تین روز...... پھر اس کا شوہر اسے چھوڑ کر بیرونِ ملک چلا گیا۔"

"بیرونِ ملک......؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کس ملک؟"

"فرانس۔" گڈو نے جواب دیا۔

"ہوں!" میں نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا مقتولہ کا شوہر اسے طلاق دے

کر پاکستان سے گیا تھا یا اس کے جانے کے بعد بھی یہ رشتہ برقرار تھا؟‘‘

’’جو لوگ مقتولہ کی شادی کے راز سے واقف ہیں، ان کے مطابق اختیار بیگ اسے طلاق دیئے بغیر ہی ملک چھوڑ کر فرانس چلا گیا تھا۔‘‘ گڈو نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ’’کیونکہ وہ شخص اسے طلاق دینے کی پوزیشن میں تھا اور نہ ہی اس کے بغیر وہ ملک چھوڑ کر کہیں جا سکتا تھا۔ اسے نہایت ہی خاموشی سے یہ کام کرنا تھا.......سو اس نے کر ڈالا!‘‘

’اختیار بیگ‘ سے گڈو کی مراد مقتولہ کا مبینہ شوہر تھی۔ لگتا تھا، اس نے مقتولہ مس چاولہ کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

’’گڈو! تم نے اختیار بیگ کے حوالے سے جن حالات کا ذکر کیا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اختیار بیگ اور مقتولہ کے سوشل اسٹیٹس میں نمایاں فرق تھا اور یہ کہ اختیار بیگ نے کسی خاص مقصد کے تحت مقتولہ سے شادی کی تھی۔ مقصد پورا ہوتے ہی وہ غائب ہو گیا۔ کیا میں درست انداز میں سوچ رہا ہوں؟‘‘

’’جی ہاں.......آپ کا اندازہ بڑی حد تک درست ہے۔‘‘ وہ اپنی گردن کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ’’میں بالکل تصدیق شدہ معلومات تو نہیں رکھتا لیکن جو کچھ آپ نے محسوس کیا ہے، حالات اسی سے ملتے جلتے رہے ہیں۔‘‘

’’ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی گڈو!‘‘ میں نے اُلجھن زدہ انداز میں اپنے سامنے بیٹھے ملزم کے چھوٹے بھائی سے کہا۔ ’’جب مقتولہ اور اختیار بیگ کی باقاعدہ شادی ہوئی تھی اور چند باخبر افراد کو اس شادی کا علم بھی ہے تو پھر ان کی شادی کو خفیہ نہیں کہا جا سکتا۔ کم از کم مقتولہ کے حلقے کو تو پتہ ہونا چاہئے کہ وہ مس نہیں رہی تھی بلکہ مسز اختیار بیگ بن گئی تھی۔ چاہے دو تین دن کے لئے ہی۔ اس راز پر پردہ ڈالنا مقتولہ کے لئے آسان ثابت نہیں ہو سکتا تھا؟‘‘

’’آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب!‘‘ وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ’’بات دراصل یہ ہے کہ مقتولہ کی شادی کچھ ایسے حالات میں ہوئی تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ لہٰذا مقتولہ بڑی صفائی سے اس راز کو راز رکھنے میں کامیاب رہی تھی۔‘‘

’’مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم نے مقتولہ اور اس کے ذاتی معاملات پر پی ایچ ڈی کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔‘‘ میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

’’ایسی بات نہیں ہے بیگ صاحب!‘‘ وہ قدرے جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔ ’’دراصل میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ میرے اندر تجسس و تحقیق کا مادہ عام لوگوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک بات میرے ذہن میں اٹک جائے تو مجھے ہر پل بے قرار رکھتی ہے۔ جب تک

میں اس معاملے کی تہہ تک رسائی حاصل نہ کر لوں، مجھے چین نہیں آتا۔‘‘ وہ لمحہ بھر کے لئے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

’’میں مقتولہ کے بارے میں، زیادہ عرصے سے کچھ بھی نہیں جانتا۔ چند روز قبل یہ کردار سامنے آیا ہے جب بھابی نے مجھے بتایا کہ بھائی جان کسی نئے پبلشر کے لئے کام شروع کرنے والے ہیں۔ میں نے بھابی سے، مقتولہ کے حوالے سے چند سوالات کئے۔ انہیں بھائی جان کی زبانی جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ انہوں نے مجھے بتا دیا۔ اسی لمحے میری متجسس طبیعت پھڑک اُٹھی۔ خصوصاً مقتولہ کی ہینڈسم آفر نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرے ذہن نے مجھے اُکسایا کہ اس شخصیت کے بارے میں کھوج لگانا چاہئے جو کچھ عرصہ پہلے ایک پبلشر کی حیثیت سے سامنے آئی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پبلشنگ کی دنیا میں گفتگو کا موضوع بن گئی ہے۔ بس........ تو پھر میں اپنے کام سے لگ گیا اور جب بھائی جان کو مس چاولہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تو لامحالہ میری اس تحقیق اور جستجو میں بہت زیادہ تیزی آ گئی لہٰذا میں مقتولہ کے بارے میں بہت کچھ جاننے میں کامیاب ہو گیا۔‘‘

’’کسی بھی موضوع یا مضمون پر پی ایچ ڈی کرنے کے لئے اسی نوعیت کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے گڈو!‘‘ میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ’’اب تم جلدی سے مجھے وہ ’’بہت کچھ‘‘ بتا دو جو تم نے مقتولہ کے بارے میں جانا ہے۔‘‘

وہ چند لمحے خاموش رہ کر اپنے ذہن میں پھیلے ہوئے خیالات کو مجتمع کرتا رہا پھر اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی چند روزہ انکشاف انگیز اور معلومات افزا کارگزاری بیان کرنا شروع کر دی۔ میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھالا اور پورے انہماک سے اسے سننے لگا۔ گزشتہ روز ملزم کی زبانی بھی مجھے چند اہم اور مفید باتیں معلوم ہوئی تھیں گڈو نے ان معاملات میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ میں ان تمام چونکا دینے والے نکات کو عدالتی کارروائی کے دوران مناسب مواقع پر سامنے لاتا رہوں گا۔‘‘

گڈو کے خاموش ہونے پر میں نے اسے چند ہدایات دیں، مزید کھوج والے کام میں لگایا اور تسلی دلاسا دے کر اپنے دفتر سے رخصت کر دیا۔ اس نے جلد از جلد میری مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کیا اور مجھے سلام کر کے چلا گیا۔

اس نوجوان گڈو میں مجھے بڑا کرنٹ نظر آیا تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ وہ آگے جا کر ضرور کوئی بڑا کارنامہ انجام دے گا۔ اس قسم کے متجسس فطرت اور بے چین طبع لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر کے دکھاتے ہیں۔ وہ ایک بپھرے، مچلے ہوئے طوفان کی مانند ہوتے ہیں، کوئی شے جن کی راہ

میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ گڈو بھی ایک ایسا ہی بے قرار طوفان تھا۔

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان پیش کر دیا۔

مس چاولہ مرڈر کیس کے سلسلے میں، اس روز عدالت میں میری پہلی حاضری تھی۔ میں ملزم کے وکیل یعنی وکیل صفائی کی حیثیت سے عدالت کے کمرے میں موجود تھا۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے سے قبل ہی میں نے اپنا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت دائر کر دی تھی۔

عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کئے۔ لیکن اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ میرے دلائل جج کو زیادہ متاثر نہ کر سکے۔ ایک تو فوجداری مقدمات میں ضمانت بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ پھر آلۂ قتل پر ملزم کے جو فنگر پرنٹس مل گئے تھے اس نکتے نے میرے مؤکل کی پوزیشن اور بھی خراب کر دی تھی۔ الغرض جج نے قلم کار ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ میں اسی نوعیت کی عدالتی کارروائی کی توقع کر رہا تھا لہٰذا مجھے کسی قسم کا دھچکا نہیں پہنچا۔ میری تیاری مکمل تھی اس لئے میں انتہائی پُرامید تھا۔

جج نے آئندہ پیشی کے لئے دس روز بعد کی تاریخ دی تھی لہٰذا اس سے پہلے کوئی عملی کارکردگی نہیں دکھائی جا سکتی تھی۔ آگے بڑھنے سے قبل میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور استغاثہ کے مؤقف کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ یہ معلومات عدالتی کارروائی کو اچھی طرح سمجھنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ مس چاولہ کی موت تیرہ مئی کی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور اس موت کا سبب وہ گولی بتایا گیا تھا جو اس کے دل کو چھیدتے ہوئے گزر گئی تھی۔ مقتولہ پر سائلنسر لگے پسٹل سے دو فائر کئے گئے تھے۔ دونوں گولیوں نے اس کے سینے میں جگہ بنائی تھی لیکن دل میں گھسنے والی گولی نے اس کی جان لے لی۔

لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹ بھی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے ساتھ منسلک تھی اور مذکورہ رپورٹ میں، بڑے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ موت کے وقت مقتولہ جزوی طور پر کسی خواب آور دوا کے زیر اثر تھی۔ جزوی طور پر ان معنوں میں کہ وہ با ہوش و حواس گفتگو کر سکتی تھی لیکن اس کی سوچ پر ہلکا سا خمار بھی تھا۔

ملزم نے مجھے بتایا کہ وقوعہ کے روز جب وہ اس سے ملنے گیا تو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں

تھی اسی سبب ان کے بیچ وہ ایگریمنٹ بھی نہیں ہو سکا تھا۔ مقتولہ کو ایسا شدید نزلہ ہو گیا تھا کہ وہ اس روز دفتر میں بھی نہیں جا سکی تھی۔ اس منظر اور پس منظر میں سوچا جا سکتا تھا کہ مقتولہ نے نزلہ روکنے والی کوئی دوا استعمال کی ہو گی۔ نزلہ اور زکام میڈیکل کی زبان میں ایک قسم کی الرجی تصور کئے جاتے ہیں اور ڈاکٹر حضرات ان کی ٹریٹمنٹ کے لئے اینٹی الرجک اور اینٹی ہسٹامین ادویات استعمال کراتے ہیں۔ اینٹی الرجک اور اینٹی ہسٹامین دوائیں نیند آور بھی ہوتی ہیں۔ مقتولہ کے ہلکے خمار کو ایسی ادویہ کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا تھا۔

استغاثہ نے اپنی رپورٹ میں میرے مؤکل یعنی اس کیس کے ملازم کو لالچی، مکار، چال باز اور فریبی قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ ملزم نے کسی طرح مقتولہ تک رسائی حاصل کی۔ وہ اسے اپنے فریب کے شیشے میں اتار کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کمرشل میگزینز کی انڈسٹری میں اس کا ایک نام تھا لہٰذا مقتولہ کو اپنے دام میں لانے کے لئے اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ وہ دفتر سے باہر خفیہ طور پر مقتولہ سے ملاقاتیں کرتا رہا اور جب مقتولہ اس کے منصوبے پر عمل کرنے کو تیار ہو گئی تو وہ معاہدے کے لئے اس کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ لیکن اتفاق سے اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث مقتولہ ایگریمنٹ تیار نہ کروا سکی۔ پھر ان کے درمیان کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ مقتولہ کو خاصا محتاط رویہ اختیار کرنا پڑا جس سے ملزم کو محسوس ہوا کہ اس کی محنت ضائع ہونے والی ہے لہٰذا اس نے اپنے بچاؤ کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ مقتولہ سے معاملہ بگڑ چکا ہے چنانچہ اب اس کے لئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر مقتولہ یا کسی اور ذریعے سے ''ڈیل'' والی بات مسٹر یزدانی تک پہنچ گئی تو اس کے لئے بہت برا ہو جائے گا۔ مقتولہ سے تو معاملہ خراب ہو گیا تھا اگر مسٹر یزدانی بھی اس کی طرف سے نگاہ پھیر لیتا تو ملزم کے گھر میں فاقوں کی نوبت لازم ٹھہرتی۔ مسٹر یزدانی ملزم کو کہانی لکھنے کا جتنا معاوضہ دے رہا تھا اتنے پیسے ملزم کو مارکیٹ میں کہانیاں لکھ کر اور کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے اپنے مستقبل کو مخدوش اور ڈوبتا ہوا دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ اسی پریشانی میں اُلجھے ہوئے ذہن نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اگر مقتولہ کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دے تو...... نہ رہے گا بانس اور نہ ہی بجے گی بانسری۔ وہ مقتولہ کے بیڈروم میں، سائلنسر لگا پسٹل رکھا دیکھ چکا تھا لہٰذا اس نے مقتولہ کو اسی کے پسٹل سے ٹھنڈا کر دیا اور خاموشی کے ساتھ بنگلے سے نکل گیا۔

استغاثہ کی رپورٹ میں بہت سی باتیں مبہم اور غیر منطقی تھیں جو حقائق کے ساتھ میل نہیں رکھتی تھیں۔ بہرحال، استغاثہ نے اگر ایسی رپورٹ تیار کی تھی تو اس کی وضاحت کے لئے اس

کے پاس مدلل جواز بھی ہوگا لہٰذا اس حقیقت کو کھولنے کے لئے آئندہ پیشی کا انتظار کرنا ضروری تھا۔

یہ اچھا ہوا کہ مجھے چند روز مزید مل گئے اور اس مدت میں گڈو نے دن رات کوشش کر کے مجھے وہ معلومات فراہم کر دی جن کی میں نے اس سے فرمائش کی تھی۔ گویا اب میں زیادہ بہتر انداز میں فائٹ کرنے کے لئے تیار تھا۔

❁

جج نے جیسے ہی اپنی کرسی سنبھالی، عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہو گیا۔

اس روز اس کیس میں متعلقہ تمام افراد عدالت کے کمرے میں موجود تھے۔ ملزم کی باتونی بیوی اور سرگرم بھائی گڈو بھی حاضرینِ عدالت کے درمیان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے قلم کار ملزم کو عدالتی دنیا کی ساری اونچ نیچ بڑی وضاحت سے سمجھا دی تھی۔ وہ ایک رائٹر ہونے کے باعث جہاں خاصا جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص تھا، وہاں اس کا مشاہدہ اور مطالعہ بھی بہت گہرا تھا لہٰذا اس نوعیت کی ہدایت کے سلسلے میں مجھے اس پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔

جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ میرے مؤکل نے صحتِ جرم سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا اور وکیل استغاثہ جرح کے لئے اکیوزڈ باکس کے نزدیک چلا گیا۔ اس نے ملزم کو گہری نظر سے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ تم وقوعہ کی شام کسی خاص ایگری منٹ کے سلسلے میں مقتولہ کے بنگلے پر پہنچے تھے؟''

''جی ہاں...... یہ سچ ہے۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مختصر سا جواب دیا۔

''تم مسٹر یزدانی کے علم میں لائے بغیر مقتولہ سے کوئی خفیہ ایگری منٹ کرنے والے تھے۔'' وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور تمہارا یہ عمل غیر اخلاقی ہونے کے ساتھ ساتھ مجرمانہ بھی تھا۔ کیونکہ اصولی طور پر تم مسٹر یزدانی کے لئے کام کرنے کے پابند تھے۔''

''پہلی بات تو یہ کہ اس نوعیت کے کام علی الاعلان یا کسی کو بتا کر نہیں کئے جاتے۔'' ملزم میری ہدایت کے عین مطابق قدم قدم آگے بڑھتا رہا۔ ''دوسرے یہ کہ میرے اور یزدانی صاحب کے درمیان پچھلے کچھ عرصے سے خاصے سنگین قسم کے اختلافات چلے آ رہے ہیں۔ حالات اس رخ پر جا رہے تھے کہ جلد یا بہ دیر ہمیں ایک دوسرے سے الگ ہونا ہی تھا اور...... میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ مقتولہ سے معاہدہ ہونے کے بعد میں خود یزدانی صاحب کو صورتِ حال سے آگاہ کر دوں گا۔''

''لیکن افسوس......!'' وکیل استغاثہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''وہ معاہدہ ہو ہی نہیں سکا جس کے حوالے سے تم نے بڑے بڑے حسین خواب دیکھنا شروع کر دیئے تھے...... ایسے خواب جن میں دولت کی ریل پیل ہوتی اور اسی ریل پیل میں تمہیں مقتولہ کا خوب صورت ساتھ بھی میسر ہوتا...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''صرف اس حد تک کہ میں نے زیادہ معاوضے کی خوشی میں مستقبل کے حوالے سے نئی نئی منصوبہ بندیاں شروع کر دی تھیں۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''مقتولہ کی ذات سے منسوب کر کے آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔''

''کیا مقتولہ تمہیں اچھی نہیں لگتی تھی؟'' وکیل استغاثہ نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''ہاں...... اچھی تو لگتی تھی۔'' ملزم نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ مجھے بھاری معاوضے پر سائن کر رہی تھی۔ یزدانی صاحب کے ادارے سے میں ایک ماہ میں کہانیاں لکھ کر جتنے پیسے کما رہا تھا، میرے حساب سے وہ اس رقم سے تین گنا زیادہ معاوضہ دینے پر تیار تھی اور وہ بھی پورے پانچ ماہ کا معاوضہ پیشگی۔ اسی سلسلے میں وقوعہ کے روز ہمارے درمیان ایگری منٹ ہونے والا تھا۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''جو پبلشر مجھے اتنی پُرکشش پیش کش کر رہی تھی، یقیناً وہ مجھے اچھی تو لگے گی ہی۔''

''شاید تم میرے سوال کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے ہو۔'' وکیل استغاثہ نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ ''مقتولہ کا تمہیں اچھا لگنے سے میری کوئی اور مراد تھی!''

''وضاحت کر دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' ملزم نے معتدل انداز میں کہا۔

وکیل استغاثہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں معزز عدالت کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ تم نے ایک خاص منصوبے کے تحت مقتولہ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ زیادہ معاوضے پر اس کے لئے کام کرنا تو دنیا کو دکھانے کا ایک سبب تھا جبکہ تمہارا منصوبہ یہ تھا کہ تم کسی طرح مقتولہ کو شکار کرنا چاہتے تھے۔ تم اسے اپنے چکر میں پھنسا کر اس کے کاروبار اور جائیداد پر قابض ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن مقتولہ نے ابتدائی مرحلے پر ہی تمہاری اصلیت کا سراغ لگا لیا اور وقوعہ کے روز جیسے ہی تم نے مقتولہ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی، وہ ہتھے سے اُکھڑ گئی۔ تمہاری نیت جب مقتولہ پر کھل گئی تو اس نے فوراً محتاط رویہ اختیار کر لیا لہٰذا ایگری منٹ والا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا جو تمہارے منصوبے کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو؟''

"ہاں، میں کر سکتا ہوں۔" ملزم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں تھا جو آپ بیان کر رہے ہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں تھا......!" وکیل استغاثہ نے چبا چبا کر ملزم کے الفاظ کو دہرایا اور پوچھا۔ "پھر کیا سبب تھا کہ وقوعہ کے روز تمہارے اور مقتولہ کے درمیان ایگری منٹ نہ ہو سکا؟"

"میں اپنے بیان میں اس امر کی وضاحت کر چکا ہوں۔" ملزم نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ "مذکورہ روز مقتولہ کو شدید قسم کا نزلہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ پورا دن اپنے بنگلے پر ہی رہی تھی۔ ایگری منٹ تیار نہیں ہو سکا تھا لہٰذا اس پر دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے مقتولہ نے مجھے اگلے روز یعنی...... تیرہ مئی کو دوبارہ بنگلے پر بلایا تھا۔"

"یہ تو تم کہہ رہے ہو نا!" وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "عدالت کو ہر بات کا ثبوت درکار ہوتا ہے۔"

"آبجیکشن یور آنر!" میں فوراً اپنے مؤکل کی مدد کو لپکا اور با آواز بلند کہا۔ "جناب عالی! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ جہاں یہ بتاتی ہے کہ مقتولہ دل میں گھسنے والی ایک مہلک گولی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی، وہیں اس رپورٹ سے منسلک لیبارٹری ٹیسٹ کے نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت مقتولہ کسی نیند آور دوا کے جزوی اثر میں تھی۔ اس نے کوئی ہسٹامین قسم کی دوا لے رکھی تھی جو عموماً نزلہ زکام کی صورت میں لی جاتی ہے اور استغاثہ کی جانب سے معزز عدالت میں جو چالان پیش کیا گیا ہے اس میں یہ بات بڑے واضح الفاظ میں لکھی ہوئی ہے کہ مقتولہ اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث ایگری منٹ تیار نہیں کرا سکی تھی۔ ازیں علاوہ، اس امر کی تصدیق مقتولہ کے آفس اسٹاف سے بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ شدید نزلے کی وجہ سے اس روز دفتر نہیں گئی تھی اور وہ سارا دن اس نے اپنے گھر میں رہ کر گزارا تھا۔ اس بات کی گواہی وہ وکیل بھی دے سکتا ہے جس کی مدد سے مقتولہ ایگری منٹ تیار کروانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ایک خاص بات اور......"

میں نے لمحے بھر کو متوقف ہو کر حاضرین عدالت پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "یور آنر! ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے فاضل دوست نے معزز عدالت کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ملزم نے ایک خاص منصوبے کے تحت مقتولہ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ بعد میں انہوں نے مذکورہ منصوبے کی بڑی بھونڈی تفصیل بھی بیان کی ہے......!" میں دانستہ ایک مرتبہ پھر ڈرامائی انداز میں متوقف ہوا پھر سلسلۂ وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میرے مؤکل نے مقتولہ سے رابطہ نہیں کیا تھا بلکہ سلسلہ جنبانی مقتولہ کی جانب سے شروع ہوا تھا۔ ان دونوں کی پہلی ملاقات ایک مقامی ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں بارہ مئی کو ہوئی جس میں تمام امور طے ہو گئے، بس ایگری منٹ پر دستخط ہونا باقی تھے اور اسی مقصد کے لئے ہی آئندہ روز مقتولہ نے ملزم کو شام سات بجے اپنے بنگلے پر بلایا تھا یعنی...... تیرہ مئی، وقوعہ کے روز۔ اس حساب سے ملزم اور مقتولہ میں صرف دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اب میں اپنے فاضل دوست کے مؤقف کی طرف آتا ہوں۔"

میں نے لمحے بھر کو ٹھہر کر ایک گہری سانس لی پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وکیل استغاثہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ملزم ایک خاص مقصد کی خاطر مقتولہ کی سمت بڑھا تھا۔ وہ اسے شکار کر کے مال و دولت اور اس کے بزنس پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ سب کو یہ ماننا پڑے گا کہ ملزم کا منصوبہ نہایت ہی حساس اور اہمیت کا حامل تھا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ملزم اپنے عظیم الشان منصوبے کے دوسرے روز ہی مقتولہ سے کچھ ایسا ویسا کہہ جائے جو اسے برا لگے۔ وہ ملزم کے انداز سے سمجھ جائے کہ اس کے ارادے کتنے خطرناک ہیں چنانچہ وہ ایگری منٹ کے معاملے میں محتاط ہو جائے، وہ یہ فیصلہ کر لے کہ اسے ملزم سے کسی بھی قیمت پر کوئی ڈیل نہیں کرنا لہٰذا یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے۔ عقل اور حالات و واقعات سراسر اس بات کی نفی کرتے ہیں۔ اگر واقعی ملزم کے ارادے خطرناک اور نیت میں کوئی فتور موجود تھا تو پھر اصولی طور پر اسے پہلے مقتولہ کے ساتھ ایگری منٹ والے معاملہ کو فائنل کرنا چاہئے تھا۔ جب مقتولہ کے ساتھ اس کا ایک مضبوط کاروباری تعلق قائم ہو جاتا تو اسے اپنا مقصد حاصل کرنے میں زیادہ آسانی میسر آ جاتی۔ وہ رفتہ رفتہ اپنی کوشش سے چاہے مقتولہ کے دل میں جگہ بناتا یا اس کے دماغ کو کنٹرول کرتا اور کچھ عرصے کی محنت کے بعد وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتا۔ اس قسم کی بازیاں بہت سوچ سمجھ کر اور ٹھنڈے دل و دماغ سے کھیلی جاتی ہیں۔ جلد بازی میں کام بگڑنے کا اندیشہ ایک سو ایک فیصد موجود رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ......"

میں ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "استغاثہ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وقوعہ کے روز مقتولہ اور ملزم میں کیا بات چیت ہوئی تھی۔ ملزم نے ایسی کون سی حرکت کی تھی جس پر مقتولہ بھڑک اٹھی، اسے ملزم کی نیت بھانپنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ لگی اور وہ اس معاہدے سے پیچھے ہٹ گئی؟"

"اس واقعے کا ایک گواہ موجود ہے۔" وکیل استغاثہ نے پُر جوش انداز میں کہا۔ "استغاثہ

کے گواہوں کی جوفہرست عدالت میں پیش کی گئی ہے اس میں مذکورہ گواہ کا نام بھی شامل ہے۔ اس گواہ کو مناسب موقع پر عدالت میں ضرور پیش کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، جب استغاثہ کا وہ گواہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گا تو اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''فی الحال اس سے بھی ایک زیادہ اہم مسئلہ در پیش ہے۔''

''کون سا مسئلہ بیگ صاحب؟'' جج نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔''جناب عالی! استغاثہ کی رپورٹ میں قتل کا جو محرک بیان کیا گیا ہے وہ قابلِ غور اور نا قابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔'' میں نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''استغاثہ کے مطابق، جب ملزم نے یہ دیکھا کہ مقتولہ اس کے رویے سے بدک گئی ہے اور اب معاہدے کا ایک فیصد امکان بھی باقی نہیں رہا تو اسے اس تشویش نے آن گھیرا........ اگر مقتولہ نے کسی طرح ''ڈیل'' والی بات مسٹر یزدانی تک پہنچا دی یا مسٹر یزدانی کو کسی اور ذریعے سے یہ بات پتہ چل گئی تو وہ اسے اپنے ادارے سے برطرف کر دے گا۔ لہٰذا اپنے مستقبل کو ڈوبتا اور تباہ ہوتا دیکھ کر ملزم نے انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس کے پریشان ذہن کا ایک فوری فیصلہ تھا۔ وہ مقتولہ کے بیڈروم میں ایک سائلنسر لگا پسٹل دیکھ چکا تھا چنانچہ اس نے اسی پسٹل سے دو گولیاں چلا کر مقتولہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ استغاثہ کی رپورٹ کے اس حصے میں خامیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔''

''بیگ صاحب! ان خامیوں کی وضاحت کریں گے آپ؟'' جج نے مجھ سے استفسار کیا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا۔''جناب عالی! جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، میرے مؤکل اور مقتولہ کے درمیان صرف دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ ایک بارہ مئی کی شام مقامی ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں جہاں انہوں نے تمام معاملاتِ کاروبار کو زبانی طے کر لیا تھا اور اس ڈیل کو قانونی شکل دینے کے لئے مقتولہ نے اگلے روز تیرہ مئی کی شام ملزم کو اپنے بنگلے پر بلایا تھا۔ تیرہ مئی کی شام یعنی وقوعہ کے روز ان کی ملاقات بہت ہی مختصر رہی اور وجہ مقتولہ کی طبیعت کی خرابی تھی۔''

میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔''یہ بات طے ہے کہ ان دونوں کے بیچ اس سے پہلے کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور بعد میں تو ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مقتولہ کسی قسم کی ملاقات کے لئے باقی نہیں رہی۔ اب ذرا اصول

کی بات پر غور کرنا ہو گا........'' میں نے ڈرامائی انداز میں لحاتی توقف کیا پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! انسانی فطرت اور نفسیات تو یہ اصول بیان کرتی ہے کہ مقتولہ نے اگر وقوعہ کے روز شام میں ملزم کو اپنے بنگلے پر بلایا تھا تو اس ملاقات کے لئے اسے ملزم کو اپنے ڈرائنگ روم تک محدود رکھنا چاہئے تھا۔ ان کے درمیان کوئی رشتے داری نہیں تھی اور ایسی بے تکلفی کی فضا قائم نہیں ہو سکی تھی کہ وہ ملزم سے ملاقات کے لئے اسے اپنے بیڈروم میں لے جاتی جہاں کہ مقتولہ کی لاش پڑی ملی ہے۔ میرے اس مؤقف کی توثیق استغاثہ کی رپورٹ سے بہ خوبی ہو جاتی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق وقوعہ کے روز مقتولہ اور ملزم کے درمیان کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ مقتولہ کو خاصا محتاط رویہ اختیار کرنا پڑا جس سے ملزم کو محسوس ہوا کہ اس کی محنت ضائع ہونے والی ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے بچاؤ میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ وہ مقتولہ کے بیڈروم میں، سائلنسر لگا پسٹل رکھا دیکھ چکا تھا لہٰذا اس نے مقتولہ کو اسی کے پسٹل سے ٹھنڈا کر دیا........ وغیرہ وغیرہ!'' اتنا کہہ کر میں لمحے بھر کو خاموش ہوا۔

''جناب عالی!'' میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔''استغاثہ کے بیان کی رو سے ملزم نے آلۂ قتل مقتولہ کے بیڈروم سے حاصل کیا اور دو خاموش گولیاں چلا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس بیان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وقوعہ کے روز مقتولہ اور ملزم کی ملاقات بیڈروم میں ہوئی تھی جہاں ملزم نے سائلنسر لگا پسٹل رکھا دیکھا تھا۔ جبکہ اصولی طور پر انہیں بنگلے کے ڈرائنگ روم میں ملاقات کرنا چاہئے تھی۔''

''یہ کوئی اصول نہیں ہے۔'' وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں کہا۔''وہ مقتولہ کا ذاتی بنگلہ تھا۔ وہ اس بنگلے کے ایک ایک حصے میں جانے کا حق رکھتی تھی۔ اس کی مرضی وہ اپنے کسی مہمان سے ڈرائنگ روم میں ملاقات کرے یا پھر ملاقات کے لئے اسے اپنے ساتھ بیڈروم میں لے جائے۔ مقتولہ آپ کے بیان کردہ اصول کی پابند نہیں!''

''او کے مائی ڈیئر کونسلر!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''گویا آپ اس بات پر مصر ہیں کہ وقوعہ کے روز مقتولہ اور ملزم کی ملاقات بیڈروم میں ہوئی تھی جہاں سے مقتولہ کی لاش برآمد ہوئی؟''

''جی ہاں........ یہی حقیقت ہے!'' وکیل استغاثہ نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے ان دونوں کے درمیان اتنی انڈر اسٹینڈنگ پیدا ہو چکی تھی کہ مقتولہ کشاں کشاں ملزم کو اپنے بیڈروم تک لے جاتی؟''

"بالکل...... ایسا ہی تھا۔" وکیل استغاثہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میرے فاضل دوست! لگتا ہے آپ نے استغاثہ کی رپورٹ میں سے صرف وہی باتیں پڑھی ہیں جو آپ کے حق میں جاتی ہیں اور ان تمام حقائق کو نظر انداز کر دیا جو تیر کی مانند آپ کی طرف آ رہے تھے؟"

وکیل استغاثہ کے ایک ایک لفظ سے طنز ٹپکتا تھا۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور بالکل انجان بنتے ہوئے پوچھ لیا۔

"وکیل صاحب! آپ میری راہ نمائی فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ پلیز بتائیں، میں نے کون سے حقائق کو نظر انداز کیا ہے؟"

وکیل استغاثہ نے فخریہ انداز میں جج کی طرف دیکھا۔ جج بڑی دلچسپی سے ہمارے درمیان ہونے والی بحث کو سماعت کر رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر اس مقدمے کے آغاز ہی میں ایسی صورتِ حال پیش آ گئی تھی کہ ہم دونوں وکلاء براہِ راست ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ وکیل استغاثہ نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر میری فرمائش پوری کرتے ہوئے بولا۔

"میرے فاضل دوست! استغاثہ کی جانب سے جو رپورٹ عدالت میں پیش کی گئی ہے، اس میں جہاں یہ لکھا ہے کہ ملزم نے مقتولہ کے بیڈ روم میں سائلنسر لگا پسٹل دیکھ لیا تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ ان کی ملاقات بیڈ روم میں ہوئی تھی۔ اس بیان سے چند سطور اوپر یہ بھی درج ہے کہ ملزم، مقتولہ کو اپنے دام میں لانے کے لئے دفتر سے باہر اس سے خفیہ ملاقاتیں کرتا رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے، ان کے درمیان صرف دو نہیں بلکہ متعدد ملاقاتیں ہو چکی تھیں لہٰذا جان پہچان اور بے تکلفی پیدا ہو جانا لازمی بات ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ملزم کا مقتولہ کے بیڈ روم تک چلے آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں!"

"ٹھیک ہے، میرے فاضل دوست! میں ایک لمحے کے لئے آپ کی بات کو راست مان لیتا ہوں۔" میں نے مصلحت آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا آپ اپنے اس مؤقف کے حق میں کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ وقوعہ والی ملاقات سے قبل وہ دونوں دفتر سے باہر کئی بار مل چکے تھے؟"

"اگر اس امر کی ضرورت پیش آئی تو استغاثہ کی جانب سے ثبوت مہیا کر دیا جائے گا!" وہ اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولا لیکن میں نے اس کے اندر کا کھوکھلا پن فوراً محسوس کر لیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے فاضل دوست! آپ کے دعوے سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان دونوں

میں بڑی گہری شناسائی پیدا ہو چکی تھی؟"

"جی، بالکل۔ میں یہی حقیقت بیان کر رہا ہوں!" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے تیکھے انداز میں استفسار کیا۔ "میرے فاضل دوست! جب ملزم اور مقتولہ میں گہری شناسائی پیدا ہو چکی تھی، وہ وقوعہ سے قبل کئی مرتبہ دفتر سے باہر آپس میں ملاقات کر چکے تھے۔ ان متعدد ملاقاتوں کے نتیجے میں ان کے درمیان اچھی خاصی جان پہچان اور بے تکلفی قائم ہو گئی تھی۔ وہ آپس میں اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ وقوعہ کے روز مقتولہ نے ملاقات کے لئے ملزم کو اپنے بیڈ روم میں بلا لیا تھا تو...... تو پھر اتنی انڈر اسٹینڈنگ کے باوجود بھی مقتولہ، ملزم کی کسی بات پر اچانک کیس بدک گئی؟ یعنی وہ اتنی محتاط ہو گئی کہ ملزم کو اپنی تباہی و بربادی صاف نظر آنے لگی۔ چنانچہ اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لئے ملزم نے اسے قتل کر ڈالا۔"

میں لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ استغاثہ کے مطابق، مقتولہ اور ملزم کے درمیان واقع جس بے تکلفی اور انڈر اسٹینڈنگ کو پینٹ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی رو سے وہ ایک دوسرے کی بڑی سے بڑی بات بھی برداشت کر سکتے تھے۔ مقتولہ جب ملاقات کے لئے ملزم کو اپنے ساتھ بیڈ روم میں لے جا سکتی ہے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کی کسی بے تکلفی کا برا مان جائے...... اور ایسا برا مان جائے کہ ملزم کو اپنا مستقبل ڈوبتا ہوا دکھائی دینے لگے۔ لہٰذا وہ خود کو بچانے کے لئے ایک سنگین قدم اٹھانے پر تیار ہو جائے...... یعنی اسے قتل کر دے؟"

میں نے یہ آبجیکشن وکیل استغاثہ سے کیا تھا لیکن روئے سخن چونکہ جج کی جانب تھا لہٰذا میرے خاموش ہونے پر اس نے پوچھ لیا۔

"بیگ صاحب! آپ کے اعتراض میں بہ یک وقت کئی چیزوں پر زور دیا گیا ہے۔ معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں مقتولہ اور ملزم میں بے تکلفی اور انڈر اسٹینڈنگ نہیں تھی؟ کیا وہ وقوعہ سے قبل متعدد بار آپس میں ملاقات نہیں کر چکے تھے؟ کیا وقوعہ کے روز ملزم نے مقتولہ کے بیڈ روم میں اس سے ملاقات نہیں کی تھی؟ کیا مقتولہ، ملزم کی کسی حرکت پر برہم نہیں ہوئی تھی؟ اور کیا ملزم نے مقتولہ کو قتل نہیں کیا؟"

"یور آنر!" جج کے خاموش ہونے پر میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میرا بالکل یہی مطلب ہے۔"

وکیل استغاثہ پہلے مجھے اور پھر جج کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظر میں اُلجھن اور تعجب

تھا۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ اپنے مؤقف کی وضاحت کریں گے؟''

''شیور!'' میں نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! سچی بات یہ ہے کہ مقتولہ مس جاولہ کے قتل سے میرے مؤکل کا دور دور کا واسطہ بھی نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی گہری سازش کے تحت اسے قتل کے اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملزم بے گناہ و بے قصور ہے۔''

میں تھوڑی دیر کے لئے رکا، ایک اطمینان بھری سانس کھینچی اور اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! یہ حقیقت ہے کہ وقوعہ سے پہلے بارہ مئی کو مقتولہ اور ملزم کی پہلی ملاقات ہوئی تھی لہٰذا ان کے درمیان کسی نوعیت کی بے تکلفی یا انڈر اسٹینڈنگ کے بارے میں سوچنا کسی حماقت سے کم نہ ہوگا۔ وہ دونوں سراسر ایک کاروباری معاملے میں ملے تھے اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو صرف اور صرف بزنس تک محدود رہی تھی۔ چنانچہ آئندہ روز ....یعنی تیرہ مئی، وقوعہ کے روز جب ملزم تحریری معاہدے کے لئے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچا تو مقتولہ نے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں اس سے ایک مختصر سی ملاقات کی جس میں مقتولہ نے ملزم کو بتایا کہ اس کی طبیعت کی خرابی کے باعث وہ اپنے وکیل سے ایگری منٹ تیار نہیں کروا سکی لہٰذا یہ معاملہ کل تک ملتوی سمجھا جائے۔ ملزم ڈرائنگ روم سے اٹھا اور اپنے گھر آ گیا۔ دیٹس آل یور آنر!''

جج نے بڑے معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی اور استفسار کیا۔ ''اور........ اس سائلنسر لگے پسٹل کو آپ کہاں فٹ کریں گے جس پر ملزم کے ایف پی پائے گئے ہیں؟''

''آلۂ قتل........ سائلنسر لگا پسٹل اس کیس کا حصہ ہے جناب عالی! لہٰذا وہ ادھر ہی رہے گا، کہیں نہیں جائے گا'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور جہاں تک اس پسٹل پر پائے جانے والے فنگر پرنٹس کا تعلق ہے تو اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں، وہ میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم کے انگلیوں ہی کے نشانات ہیں۔ ہوا کچھ یوں تھا........'' میں نے ڈرامائی توقف کر کے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! وقوعہ کے روز جب ملزم، مقتولہ کے بنگلے پر پہنچا تو مقتولہ نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا پھر ملاقات کے دوران ہی ملزم نے مذکورہ پسٹل وہاں پڑا دیکھ لیا لیکن اس نے مقتولہ سے اس پسٹل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس روز مقتولہ کی طبیعت ناساز تھی اور دوسرے یہ کہ ملزم کام سے کام رکھنے والا آدمی

ہے۔ اس نے مقتولہ سے نہایت ہی مختصر سی ملاقات کی اور جانے کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مقتولہ اس سے پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھی۔ ملزم جیسے ہی وہاں سے رخصت ہونے لگا، مقتولہ نے چونکتے ہوئے انداز میں اس سے کہا........ ارے، یہ تو میں یہیں بھولے جا رہی ہوں........ پھر ملزم سے مخاطب ہوتے ہوئے اضافہ کیا........ آپ یہ پسٹل اٹھا کر مجھے دے دیں۔ یہ بالکل اصلی ہے۔ آپ نے کہانیوں میں ہر قسم کا اسلحہ ''استعمال'' کیا ہوگا۔ ذرا اس کے لمس کو بھی انجوائے کر لیں........ میرے مؤکل نے مذکورہ پسٹل اٹھایا اور مقتولہ کی جانب بڑھا دیا۔ لہٰذا پسٹل پر اس کی انگلیوں کے نشانات آ گئے۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

وکیل استغاثہ نے گھور کر معاندانہ نظر سے مجھے دیکھا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔

''جناب عالی! میرے فاضل دوست نے اپنے مؤکل کی سیفٹی اینڈ سکیورٹی کے لئے جتنی بھی موشگافیاں کی ہیں ان کی تصدیق یا تو مقتولہ کر سکتی ہے یا پھر ملزم........ یہ بات طے ہے کہ ملزم اس وقت اپنے وکیل کی زبان بولے گا اور مقتولہ سے کچھ پوچھنا ممکن نہیں۔ وہ ہم سب سے اتنی دور جا چکی ہے کہ ہم اس کا........ اس کی آواز کا تعاقب نہیں کر سکتے۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں کیا کہوں؟''

وکیل استغاثہ نے بڑی بے بسی سے جج کے سوال کے جواب میں ایک کمزور سا سوال اٹھا کر خاموشی اختیار کی تو جج نے اس سے استفسار کیا۔

''آپ ملزم سے کوئی اور سوال کرنا چاہیں گے؟''

''نو مور کوئسچن یور آنر!''

وکیل استغاثہ کے اس حتمی جواب پر جج نے ایک گہری سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''جناب عالی! میں ملزم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ کی اجازت ہو تو۔''

''یو آر پرمیٹڈ!'' وہ رعب دار آواز میں بولا۔

جج کی اجازت پاتے ہی میں ملزم والے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران وکیل استغاثہ اپنے لئے مخصوص سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اپنے مؤکل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

''تم فکشن رائٹر ہو۔ کیا کبھی تم نے سوچا تھا کہ زندگی میں اس طرح کسی سچی کہانی کا

کردار بن جاؤ گے کہ ایک قاتل کی حیثیت سے تمہیں وکیل استغاثہ کی کڑی جرح کا سامنا کرنا پڑے گا؟''

''نہیں........میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔'' وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''کبھی کسی کہانی کا کردار بننے کا خیال آیا بھی تو وہ ایسا بھیانک کردار ہرگز نہیں تھا۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے ایک جھرجھری لی۔

میں نے کہا۔ ''حقیقی زندگی اور فکشن کی دنیا میں یہی تو فرق ہے۔ فکشن ورلڈ میں رائٹر اپنی مرضی سے، جس کردار سے جو چاہے کرواسکتا ہے۔ لیکن حقیقت کی دنیا میں انسان بے بس اور لاچار ہے۔ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے اسکرپٹ کوئی اور........کہیں اور بیٹھ کر ہی لکھتا ہے........ یہ الگ بات کہ دیکھنے، سننے اور محسوس کرنے میں یہی آتا ہے جیسے انسان ہی سب کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ بہرحال........انسان کے اختیار اور بے اختیاری کی بحث بہت طویل ہے اور خاصی متنازع بھی۔ میں یہاں اس تفصیل کا ذکر کرکے معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن تم تسلی رکھو، اس بھیانک کردار سے بہت جلد تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔''

اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور اُمید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے معتدل لہجے میں استفسار کیا۔ ''تم وقوعہ کے روز کتنے بجے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچے تھے؟''

''اس نے سات بجے بلایا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور میں ٹھیک سات بجے ہی وہاں پہنچا تھا۔''

''کیا اس روز مقتولہ کے علاوہ کوئی اور شخص بھی بنگلے میں موجود تھا؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کردی۔ ''کسی اور شخص سے میری مراد مقتولہ کے ملازمین نہیں ہیں!''

ملزم سے ملاقات کے دوران، میں اس سے ہر نوعیت کی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ یہاں جو کچھ کیا جارہا تھا، وہ عدالتی کارروائی کا حصہ تھا۔ دراصل، میں ملزم کے جوابات سے یہ حقائق معزز عدالت کے ریکارڈ پر لانا چاہتا تھا کہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔

ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''جناب! یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ مقتولہ کے بنگلے پر ملازم نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ میں نے اطلاعی گھنٹی بجائی تو ایک خوش شکل شخص نے گیٹ کھولا۔ وہ صورت سے ملازم نہیں بلکہ مالک دکھائی دیتا تھا۔ میں مقتولہ کی

فیملی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لہٰذا میں نے مذکورہ شخص کو مقتولہ کا کوئی رشتے دار سمجھ لیا۔ اس شخص کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ اس نے میرے سامنے میرا نام دہرایا اور پوچھا کہ کیا میں ناول وغیرہ کے حوالے سے مقتولہ سے ملنے آیا ہوں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ بنگلے کے اندر لے گیا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد اس نے کہا۔ میں آنٹی کو بھیجتا ہوں........اور پھر غائب ہوگیا۔ پھر میں نے اس کی صورت دوبارہ نہیں دیکھی۔'' وہ لمحے بھر کو توقف کرکے پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اس وقت میں اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اب معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا نام جمی ہے اور وہ خود کو مقتولہ کا بھانجا بتاتا ہے۔ وہ کافی عرصہ سے مقتولہ کے بنگلے ہی میں رہ رہا تھا........بلکہ اب بھی وہیں رہ رہا ہے۔''

''جمی کو بعد میں دیکھیں گے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''تم مقتولہ سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے؟''

''تھوڑی دیر کے بعد مقتولہ ڈرائنگ روم میں آگئی۔'' ملزم میرے سوال کے زاویے کو سمجھتے ہوئے بولا۔ ''پھر وہیں ڈرائنگ روم میں ہماری مختصر سی ملاقات ہوئی اور وہ اُٹھ کر واپس بنگلے کے اندرونی حصے میں چلی گئی اور میں واپس گھر آگیا۔ جمی نامی وہ شخص مجھے گیٹ تک چھوڑنے آیا تھا۔''

''ٹھیک ہے........'' میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ''مقتولہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اندر چلی گئی اور تم گھر آگئے۔ لیکن اس پسٹل کا کیا قصہ ہے جسے اس کیس میں آلۂ قتل کی حیثیت حاصل ہے اور جس کے دستے پر تمہاری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں؟''

''اس پسٹل کا قصہ آپ تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کو سنا چکے ہیں وکیل صاحب!'' ملزم نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''گویا تم میرے بیان کی تصدیق کرتے ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں........بالکل!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے سوال کیا۔ ''اس کا مطلب ہے، تم نے مقتولہ کی فرمائش پر مذکورہ پسٹل اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا؟''

''جی ہاں........میں نے ایسا ہی کیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم نے اس پسٹل کو کس انداز میں پکڑ کر اٹھایا تھا؟''

"دستے کی طرف سے۔" اس نے بتایا۔ "جیسا کہ استعمال کرنے کے لئے تھاما جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پسٹل کے دستے پر میری انگلیوں کے نشانات ثبت ہو گئے۔ میں اس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں جس ہتھیار کو اٹھا کر مقتولہ کے حوالے کر رہا ہوں وہ بعد میں میرے لئے اتنی بڑی مصیبت کھڑی کر دے گا!"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "جب انسان کی توقع کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگتا ہے۔ بہرحال......" میں نے لمحاتی توقف کے بعد سلسلۂ کلام کو جاری رکھا۔ "تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ جب تم نے مقتولہ کے کہنے پر مذکورہ آلۂ قتل اٹھا کر اس کے حوالے کیا تو تم دونوں بنگلے کے ڈرائنگ روم میں کھڑے تھے؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا۔

"تم نے دستے سے پکڑ کر پسٹل مقتولہ کی جانب بڑھایا تھا۔ ہے نا؟"

"جی...... جی ہاں۔"

"اور مقتولہ نے پسٹل لیتے وقت اسے کیسے پکڑا تھا؟"

"اس کی نال کی طرف سے۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی تھی؟"

"جی بالکل۔" اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "وہ پسٹل کو بیرل کے رخ سے تھامے تھامے میری نگاہ سے اوجھل ہو گئی تھی۔"

"جب تم نے مقتولہ کی فرمائش پر مذکورہ آلۂ قتل اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا تو کیا پسٹل کے بیرل پر سائلنسر بھی لگا ہوا تھا؟" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"نہیں...... بالکل نہیں!" ملزم نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

❁

آئندہ پیشی پر میں نے جج سے درخواست کی کہ گواہوں کے بیانات سے پہلے میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ جج نے فوراً میری فرمائش پوری کر دی۔ کسی بھی کیس میں انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں موجود رہنا پڑتا ہے۔

انکوائری آفیسر وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہوا تو میں جرح کے لئے اس کے قریب پہنچ گیا۔

وہ عہدے کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے سوال کیا۔

"سب انسپکٹر صاحب! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"

"......اعوان!" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں اسی نام سے مشہور ہوں۔"

"کیا میں آپ کو آپ کے اسی نام سے پکار بھی سکتا ہوں؟"

"آپ کی مرضی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں اس کے نام وغیرہ سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اگر اپنا اصلی نام چھپا رہا تھا تو میں نے بھی کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے اصلی نام سے آگاہی رکھنے کے باوجود بھی محض میں نے اپنے مخصوص انداز کی روایت نبھاتے ہوئے یہ سوالات کئے تھے۔ میں نے باقاعدہ جرح کا آغاز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟"

اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "مقتولہ کے بھانجے جمی نے لگ بھگ ساڑھے آٹھ بجے فون پر ہمیں اس واردات کی اطلاع دی تھی۔"

"آپ موقع واردات پر کتنے بجے پہنچے تھے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"نو بجے۔" اس نے جواب دیا۔

"رات کے نو بجے یا دن کے......؟" میں نے اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنا چاہا۔

وہ ناگوار انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "جب اطلاع رات کے ساڑھے آٹھ بجے دی گئی تھی تو ظاہر ہے، ہم رات ہی کے نو بجے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے!"

مجھے اپنی کوشش میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، قدرے معذرت خواہانہ انداز میں، میں نے تفتیشی افسر سے کہا۔ "آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ دراصل، آپ نے وقوعہ کی اطلاع کا وقت بتاتے ہوئے رات اور دن کی وضاحت نہیں کی تھی اس لئے......"

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا، وہ مجھے ہی گھور رہا تھا۔

میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "اعوان صاحب! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، مقتولہ کی موت تیرہ مئی کی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ کیا آپ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے اتفاق کرتے ہیں؟"

"بالکل...... سو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔"

"آپ جب وقوعہ کی رات نو بجے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچے تو آپ نے وہاں کیا دیکھا؟"

"جمی مین گیٹ پر ہمارا منتظر تھا۔" انکوائری آفیسر نے جواب دیا۔ "ہم اس کی راہ نمائی میں مقتولہ کے بیڈروم میں پہنچے جہاں وہ بیڈ پر اپنے ہی خون میں نہائی پڑی تھی۔"

"گویا جب آپ مقتولہ کے پاس پہنچے تو وہ موت کی گود میں جا چکی تھی؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جی ہاں...... اسے دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس کے بعد آپ نے موقع کی کارروائی کی ہو گی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "اور پھر ملزم کی گرفتاری کے لئے اس کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے؟"

"جی ہاں، واقعات بالکل اسی ترتیب سے پیش آئے تھے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ "آپ نے ملزم کو کتنے بجے گرفتار کیا تھا؟"

"اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔" تفتیشی افسر نے جواب دیا۔

"واہ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "اس کیس میں آپ نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پھرتی نہیں دکھائی؟...... ساڑھے آٹھ بجے آپ کو ایک قتل کی واردات کی اطلاع دی گئی۔ آپ ٹھیک نو بجے جائے وقوعہ پر پہنچ گئے اور بڑی سرعت سے موقع کی ضروری کارروائی کو نمٹایا اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد آپ نے ملزم کو گرفتار کر لیا۔ ہے نا؟"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے وکیل صاحب! کہ ہم نے کسی خاص وجہ سے اس کیس میں پھرتی دکھائی ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ہم ہر کیس کو اسی انداز میں ٹیکل کرتے ہیں۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اعوان صاحب!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میری کم علمی کہ مجھے معلوم نہ تھا بہرحال......" میں لمحہ بھر کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اعوان صاحب! وقوعہ کے روز میرا موکل یعنی اس کیس کا ملزم ٹھیک سات بجے مقتولہ سے ملاقات کے لئے اس کے بنگلے پر پہنچا تھا۔ مقتولہ کی طبیعت چونکہ ناساز تھی لہٰذا وہ مقصد پورا نہ کر سکا جس کی خاطر وہ وہاں پہنچا تھا۔ ایک مختصر سی ملاقات کے بعد وہ لگ بھگ ساڑھے سات بجے مذکورہ بنگلے سے روانہ ہو گیا۔ میری اطلاعات کے مطابق، ملزم کم و بیش ساڑھے آٹھ بجے اپنے گھر پہنچا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ بتاتی ہے کہ مقتولہ کی موت تیرہ مئی کی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے اس ایک گھنٹے کے دوران ملزم جائے وقوعہ سے اپنے گھر کی سمت رواں دواں تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے قتل کی ایسی سنگین واردات کی ہو؟"

انکوائری آفیسر نے میری بات بڑے تحمل اور توجہ سے سنی اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "وکیل صاحب! آپ نے جو اعداد و شمار اور اوقات بیان کئے ہیں ان کا حالات و واقعات یا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ ملزم کے بیمار ذہن کی اختراع ہے۔ اس نے خود کو بچانے کے لئے کہانی گھڑی ہے۔"

"اور آپ کی نظر میں حقائق کیا ہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا۔ "وکیل صاحب! حقائق یہ ہیں کہ وقوعہ کے روز ملزم آٹھ بجے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچا تھا۔ مقتولہ کا بھانجا جمی اسے مقتولہ کے بیڈروم میں لے گیا کیونکہ مقتولہ ہی نے اسے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی لہٰذا وہ دو چار باتوں کے بعد اسے فارغ کر دینا چاہتی تھی لیکن اس مختصر سی ملاقات کے دوران ہی ملزم نے ایسی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا کہ مقتولہ نے اسے فوراً چلتا کرنے کی کوشش کی اور ملزم نے خود کو کارنر میں محسوس کرتے ہوئے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بنگلے سے نکل گیا۔ یہ بات سراسر جھوٹ ہے کہ جمی اسے گیٹ تک چھوڑنے گیا تھا۔" وہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"ملزم کم و بیش ساڑھے آٹھ بجے بنگلے سے روانہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے رخصت ہوتے ہی جمی کو مقتولہ کے بیڈروم میں جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ وہاں پہنچا تو اس نے مقتولہ کو خون میں لت پت پایا۔ اس کے بعد جمی نے تھانے فون کر کے ہمیں اس واردات کی اطلاع دی تھی۔"

انکوائری آفیسر کی بات مکمل ہوئی تو میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اعوان صاحب! آپ نے حقائق کو جس انداز میں پینٹ کرنے کی کوشش کی ہے اس کی روشنی میں، میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا اصل واقعات سے دُور کا بھی تعلق نہیں بلکہ یہ مقتولہ کے بھانجے جمی کے بیمار ذہن کی ناقص پیداوار ہے کیونکہ اس کی تصدیق کرنے والی مقتولہ اب ہم میں موجود نہیں لہٰذا اس سے منسوب کر کے کچھ بھی کہنے میں کوئی مشکل یا رکاوٹ نہیں۔"

"آپ کا جو دل چاہے، سمجھیں۔ آپ کی سوچ پر کوئی پابندی تو عائد نہیں کی جا سکتی۔" وہ رُکھائی سے بولا۔ "جو حقیقت تھی وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔ دیٹس آل!"

"دیٹس ناٹ ایٹ آل اعوان صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔ "آپ نے کس کی نشان دہی پر ملزم کو گرفتار کیا تھا؟"

"جمی کی نشاندہی پر۔"

''اوہ........!'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا یہ جمی وہی شخص تو نہیں جس کے بارے میں پچھلی پیشی پر وکیل استغاثہ نے بڑے رازدارانہ انداز میں بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز ملزم اور مقتولہ کے مابین جو گفتگو ہوئی اس کا ایک گواہ موجود ہے اور........اس کا نام گواہوں کی فہرست میں بھی شامل ہے۔ ازیں علاوہ اس استغاثہ کے گواہ کو مناسب موقع پر عدالت میں ضرور پیش کیا جائے گا؟''

''جی ہاں........'' انکوائری آفیسر نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''جمی کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں موجود ہے اور اسے گواہی کے لئے عدالت میں بھی پیش کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جب جمی کٹہرے میں آئے گا تو اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''فی الحال آپ مجھے آلۂ قتل کے بارے میں بتائیں؟''

آئی او چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا، پھر گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آلۂ قتل اعشاریہ تین آٹھ کیلی برکا ایک لائسنس یافتہ پسٹل تھا جس سے مقتولہ پر دو خاموش گولیاں برسائی گئیں۔ خاموش اس لئے کہ پسٹل کے بیرل پر سائلنسر فٹ تھا۔ سینے میں اُترنے والی ان مہلک گولیوں نے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس آلۂ قتل کے دستے اور ٹرائیگر پر مزم کے فنگر پرنٹ پائے گئے ہیں۔''

''اعوان صاحب!'' میں نے انکوائری آفیسر کو دوستانہ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''سننے میں آیا ہے کہ آپ نے جائے وقوعہ کی تلاشی کے دوران بڑی آسانی سے آلۂ قتل برآمد کر لیا تھا؟''

میرے چبھتے ہوئے استفسار کو اس نے لائٹلی لیا اور جواب میں بولا۔ ''جی مذکورہ پسٹل بیڈ روم کی ایک کھڑکی کے پردے کے پیچھے پڑا تھا۔'' اس کے لہجے سے تفاخر جھلکتا تھا جیسے اس نے آلۂ قتل بازاب نہ کیا ہو بلکہ تن تنہا جنگل میں شیر ببر کا شکار کر ڈالا ہو۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''اعوان صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے، ملزم کا ذریعہ معاش کیا ہے؟''

''یہ شخص کسی رسالے میں کہانیاں وغیرہ لکھتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ کو وہ رسالہ پڑھنے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟''

''جی نہیں........میں ڈائجسٹ اور رسالے وغیرہ نہیں پڑھتا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔ ''حالانکہ میں نے سنا ہے ملزم کافی مشہور رائٹر ہے۔''

''یہ کافی مشہور اس لئے ہے کہ پڑھنے والے اس کی لکھی ہوئی کہانیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ ایک کامیاب فکشن رائٹر ہے۔ فکشن لکھنا کوئی

آسان کام نہیں ہے اعوان صاحب!........ یہ جھوٹ کو سچ کر کے دکھانے اور منوانے کا فن ہے۔ اس کے لئے انسان کو سمجھ دار اور عقل مند ہونا بہت ضروری ہے۔ اس بات کو تو آپ بھی تسلیم کریں گے آئی او صاحب؟''

''جی ہاں........ یہ تو ہے........!'' اس نے متذبذب انداز میں جواب دیا۔

میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''اعوان صاحب! ایک ایسا فکشن رائٹر جو جرم و سزا کی دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیاں تخلیق کرتا ہو جس کی کہانیوں کے پلاٹس مضبوط اور بے داغ ہوں جو اپنی تحریروں میں چھوٹی سے چھوٹی بات اور نکتے کو بھی نظر انداز نہ کرتا ہو........ وہ ایسی بھیانک غلطی کیسے کر سکتا ہے کہ ایک عورت کو قتل کرنے کے بعد آلۂ قتل کو جائے وقوعہ پر ہی چھوڑ جائے جبکہ مذکورہ آلۂ قتل پر اس کے فنگر پرنٹس بھی موجود ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے اعوان صاحب؟''

''میں........ میں کیا بتاؤں؟'' وہ گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

میں نے فاتحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر وٹنس باکس میں کھڑے انکوائری افسر سے کہا۔ ''ٹھیک ہے اعوان صاحب! یہ بات میں کبھی فرصت میں اپنے مؤکل ہی سے پوچھوں گا۔ آپ واپس آلۂ قتل کی طرف آ جائیں۔''

وہ الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ''آلۂ قتل کی طرف آ جائیں'' سے میری کیا مراد تھی۔ میں نے اُس کی اُلجھن کو دور کرتے ہوئے وضاحت کر دی۔

''اعوان صاحب! گزشتہ پیشی پر ملزم نے معزز عدالت کو بتایا تھا کہ جب وقوعہ کے روز اس نے مقتولہ کے کہنے پر مذکورہ پسٹل اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا تو مقتولہ نے پسٹل کو دستے کی بجائے بیرل کی طرف سے پکڑا تھا اور اسی طرح پسٹل کو تھامے تھامے وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی تھی۔ ذرا سوچ کر بتائیں، کیا مقتولہ کے اس عمل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ حرکت اس نے دانستہ کی تھی۔ وہ پسٹل کے دستے پر ملزم کے فنگر پرنٹس کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی........ جیسے اس نے کوئی خاص پروگرام بنا رکھا ہو........ ہوں؟''

''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مقتولہ نے کوئی ایسا منصوبہ بنا رکھا تھا جس میں وہ اس پسٹل کی مدد سے کسی کو قتل کرتی اور ملزم کو قربانی کا بکرا بننا پڑتا؟'' انکوائری آفیسر نے خاصے جلے بھنے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ ''میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ حالات و واقعات ایسا ظاہر کر رہے ہیں۔''

''آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس کا دارومدار ملزم کے بیان پر ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''اور یہ ضروری نہیں کہ وہ سچ بول رہا ہو........ اگر مقتولہ نے کسی کو قتل کر کے ملزم کو پھنسانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا تو پھر وہ خود کیسے قتل ہو گئی؟ میرا خیال ہے ملزم غلط بیانی سے آپ کو بھٹکانا چاہتا ہے تاکہ اس کیس کی شکل بگڑ کر رہ جائے۔''

میں نے آئی او کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے بڑی رسان سے پوچھا۔ ''تو کیا آپ اس حقیقت کو بھی ملزم کی دروغ گوئی کے کھاتے میں ڈالیں گے کہ جب وقوعہ کے روز میرے مؤکل نے آلۂ قتل مقتولہ کے حوالے کیا تو اس کے بیرل پر سائلنسر فٹ نہیں تھا؟''

وہ برہمی سے بولا۔ ''مقتولہ کی فرمائش پر پسٹل اٹھا کر اس کے حوالے کرنے والی کہانی ملزم کے ذہن کی پیداوار ہے۔ کیونکہ وہ پیشہ ور کہانی کار ہے جبکہ اس واقعے کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے جج کی جانب دیکھا اور سر کو تعظیمی جنبش دیتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ ''نو مور کویسچن یور آنر!''

اس کے بعد استغاثہ کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس پیشی پر استغاثہ کی جانب سے صرف ایک گواہ بھگتایا گیا لیکن اس کے بیان اور ازاں بعد اس پر ہونے والی جرح میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو میں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

اگلی پیشی پر استغاثہ کے مزید تین گواہوں کے بیانات ہوئے لیکن میں ان کے ذکر کو بھی گول کرتے ہوئے آگے بڑھوں گا کیونکہ اس روز کی سماعت میں کوئی بھی ایسی اہم بات سامنے نہیں آسکی تھی جو اس کیس پر براہِ راست اثر انداز ہو سکتی ہو۔ ایسی شہادتیں استغاثہ کی جانب سے شامل باجا کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میں نے اب تک جس انداز میں اس کیس کی پیروی کی تھی اس سے ملزم کی باتونی بیوی خوش اور استغاثہ انتہائی ناخوش تھا۔ وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کی بے اطمینانی اور تشویش میرے لئے طمانیت اور اطمینان کا باعث تھی۔

جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخواست کر دی۔

❁

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استغاثہ کا ایک اہم گواہ مسٹر یزدانی کھڑا تھا۔ یزدانی نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کروایا پھر جرح

کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

وکیل استغاثہ جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد یزدانی والے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولا۔

''یزدانی صاحب! ملزم ایک طویل عرصے تک آپ کے ادارے سے وابستہ رہا ہے بلکہ تادمِ گرفتاری بھی اصولی طور پر آپ کے لئے ہی کام کر رہا تھا۔ اس رفاقت کے دوران آپ نے اسے کیسا پایا تھا؟''

''آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اسی سوال میں چھپے ایک اہم پوائنٹ کی وضاحت کرنا چاہوں گا اور وہ پوائنٹ ہے تادمِ گرفتاری۔'' یزدانی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں ایسا نہیں سمجھتا کہ وہ تادمِ گرفتاری میرے لئے کام کر رہا تھا۔''

''پھر آپ کیسا سمجھ رہے ہیں یزدانی صاحب؟'' وکیل استغاثہ نے استفسار کیا۔

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''جیسا کہ ابتدائی کسی پیشی پر یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ میرا ایک جاسوس مقتولہ چاولہ کے اسٹاف میں شامل ہے جو مجھے وہاں کی خبریں دیتا رہتا ہے تو واقعہ یہی ہے........ بلکہ تھا۔ مس چاولہ کے قتل کے بعد ان باتوں کی اہمیت نہیں رہی۔ ہر ملک اپنے دشمن ملک کے اندر اور ہر کاروباری شخص اپنے حریف کاروباری ادارے کے اندر کوئی نہ کوئی جاسوس ضرور پال کر رکھتا ہے۔ یہ بزنس سیکرٹ ہوتا ہے۔ میرے ملازمین میں سے بھی ایسا ایک آدھ یقیناً ہوگا جو کسی دوسرے حریف کو رپورٹنگ کرنے میں مصروف رہتا ہوگا۔ اینی ہاؤ........'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی قبل از وقت یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ملزم عنقریب میرے ادارے کو خیرباد کہنے کے لئے پر تول رہا ہے لہٰذا میں نے اپنے دل اور ادارے کے دروازے اس پر بند کر دیئے تھے۔ میرے ایک سیریل کی ایک آدھ قسط اس کے پاس پھنسی ہوئی تھی، میں بس اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بعد میں خود اسے کک آؤٹ کر دیتا۔'' بات ختم کرتے ہی یزدانی نے نفرت آمیز انداز میں ملزم کی طرف دیکھا۔

وکیل استغاثہ نے اگلا سوال کیا۔ ''یزدانی صاحب! ملزم پر مس چاولہ کو قتل کرنے کا الزام ہے۔ ساری تفصیل آپ کے علم میں آچکی ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''جب سب کچھ منظرِ عام پر آچکا ہے تو میں مزید کیا کہوں گا۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''مجرم کو اس کے کردہ جرم کی قرار واقعی سزا ضرور ملنی چاہئے تاکہ وہ آئندہ کسی قسم کی غداری یا قتل کے لئے باقی نہ رہے۔''

یزدانی کے آخری جملے کا صاف صاف مطلب یہی تھا کہ وہ ملزم کو پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھنے کا خواہاں تھا۔ وکیل استغاثہ نے اسی نوعیت کے دو چار نکیلے سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔

میں اپنی باری پر گواہوں والے کٹہرے کے پاس آن کھڑا ہوا۔ میں نے استغاثہ کے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”یزدانی صاحب! آپ نے ابھی ابھی وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ آپ اپنے سیریل کی آخری قسط کا انتظار کر رہے تھے، اس کے بعد آپ ملزم کو اپنے ادارے سے کک آؤٹ کر دیتے۔ کیا آپ کا یہ رویہ کاروباری اصولوں کے منافی نہیں ہوتا؟“

وہ قدرے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”وکیل صاحب! آپ ہی بتا دیں، مجھے اس صورتِ حال میں کیا کرنا چاہئے تھا؟“

”میرا مطلب ہے جب آپ کو اپنے مخبر سے یہ پکی اطلاع مل گئی تھی کہ ملزم، مس چاولہ کے ساتھ مستقبل جوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ کو چاہئے تھا، بیٹھ کر اس سے بات کرتے۔“ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے آپ کو اسے زیادہ معاوضے کی آفر کرنا چاہئے تھی۔ کام کے افراد کو روک کر رکھا جاتا ہے یزدانی صاحب!“

”کام کے افراد کو........!“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ”یہ اس سال کا سب سے بڑا لطیفہ ہے وکیل صاحب! آپ جسے کام کا آدمی کہہ رہے ہیں، میری نظر میں اس کی اہمیت خالی کارتوس سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ میں اسے اپنے ادارے کی گن میں ڈال کر اچھی طرح استعمال کر چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اب میرے کام کا نہیں رہا۔ میں نے اس کی بہترین صلاحیتیں نچوڑ لی تھیں۔ شاید آپ نے اسے پڑھا نہیں.......“ وہ متوقف ہو کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے واقعی اپنے مؤکل کی کوئی کہانی نہیں پڑھی تھی لہٰذا نفی میں گردن ہلا دی۔ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”پھر آپ کو کیا پتہ کہ اس کی تحریروں میں ضعف آ چکا تھا۔ یہ چلے ہوئے کارتوس کی طرح خالی ہو گیا تھا۔ اس کے چلے جانے سے میری صحت اور کاروبار پر کوئی فرق نہ پڑتا۔ اگر یہ واقعی میرے لئے ناگزیر ہوتا تو میں اسے مس چاولہ سے دوگنا معاوضے کی پیشکش کر دیتا۔ وہ اناڑی اور ناتجربہ کار عورت مجھ سے بڑی پبلشر تو نہیں تھی!“

اپنے بارے میں یزدانی کے خیالات سن کر میرا مؤکل پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا لیکن وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ یزدانی نے ملزم کے لئے کھل کر اپنی نفرت کا اظہار کر دیا تھا۔ میں نے ایک دو سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔

اگلی گواہی مسٹر جمی کی تھی۔ یہ استغاثہ کا ایک اہم گواہ تھا اور میں نے بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کیا تھا۔ جمی، مقتولہ کی بڑی بہن کا بیٹا تھا۔ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ مس چاولہ کے بنگلے پر ہی رہتا تھا۔ مقتولہ کے سوا اس کا دنیا میں کوئی اور نہیں تھا۔

جمی نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ خانہ پری کے لئے اس کے کٹہرے کے پاس پہنچ گیا۔ خانہ پری میں نے اس لئے کہا ہے کہ اس نے صرف وہی سوال پوچھے تھے جن سے استغاثہ کی توثیق ہوتی تھی۔ وکیل استغاثہ نے جمی کو فارغ کیا تو جج کی اجازت سے میں جرح کے لئے اس کے قریب چلا گیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”مسٹر جمی! تمہارا اصل نام کیا ہے؟“

”بچپن میں میرا نام جمیل رکھا گیا تھا۔“ وہ میرے اس غیر متعلق سوال پر جھنجلا کر بولا۔ ”لیکن بچپن ہی میں مجھے جمیل کے بجائے جمی پکارا جانے لگا۔ اور اب تک میں جمی ہی ہوں۔“

”کیا میں آپ کو جمیل کہہ کر مخاطب کر سکتا ہوں؟“ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

”میں آپ کو ایسا کرنے سے روک تو نہیں سکتا وکیل صاحب!“ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”لیکن مجھے جمی کہلوانا ہی پسند ہے۔“

”اوکے مسٹر جمی!“ میں نے تفریحی انداز کو خیرباد کہتے ہوئے فوراً سنجیدگی اختیار کر لی اور استغاثہ کے گواہ کو گھسنے کا آغاز کر دیا۔ ”میرے مؤکل کا کہنا ہے کہ وہ وقوعہ کی شام کو سات بجے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچا تھا لیکن آپ کا بیان ہے کہ وہ آٹھ بجے وہاں پہنچا تھا؟“

”آپ کا مؤکل جھوٹا ہے۔“ وہ درشت لہجے میں بولا۔ ”میں جو کہہ رہا ہوں وہی درست ہے۔“

”میرے مؤکل کے مطابق، آپ نے اسے ریسیو کیا اور لے جا کر بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔“ میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ اسے سیدھے مقتولہ کے بیڈروم میں لے گئے تھے کیونکہ مقتولہ نے آپ کو کچھ اسی قسم کی ہدایت کر رکھی تھی۔“

”جی ہاں! آنٹی نے مجھے یہی ہدایت کی تھی۔“ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

”مسٹر جمی! استغاثہ کے مطابق مقتولہ مس چاولہ نے آپ کو ملزم کے بارے میں سب کچھ بتا رکھا تھا۔“ میں نے سلسلۂ سوالات کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ”مثلاً تمہیں معلوم تھا کہ ملزم اس روز کس مقصد سے وہاں آیا تھا۔ تمہیں پتہ تھا کہ اس سے قبل بھی ملزم اور مقتولہ میں متعدد

ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ مقتولہ نے تمہیں ملزم کے گھر کے ایڈریس سے بھی آگاہ کر رکھا تھا جبھی تمہاری نشاندہی پر ملزم کو پولیس نے اس کے گھر سے گرفتار کر لیا اور تم ہی وہ آدمی ہو۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ہی وہ آدمی ہو جو اس بات کا بھی گواہ ہے کہ وقوعہ کے روز ملزم اور مقتولہ میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔ ملزم نے کس طرح یہ بھانپ لیا کہ اس کا مستقبل خطرے میں ہے اور وہ اپنے مستقبل کو بچانے کے لئے مس جاولہ کی زندگی سے کھیلنے پر تیار ہو گیا...... ایم آئی رائٹ؟''

''جی......'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

میں نے ذرا مختلف زاویے سے جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر جمی! میرے مؤکل کے مطابق، آپ اسے مقتولہ کے ڈرائنگ روم میں اور آپ کے مطابق بیڈ روم میں پہنچا کر غائب ہو گئے تھے۔ آپ نے جانے سے پہلے صرف اتنا کہا تھا...... میں آنٹی کو بھیجتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد مقتولہ ڈرائنگ روم میں آئی، مقتولہ اور ملزم میں مختصر سی بات ہوئی اور وہ واپس چلی گئی۔ پھر آپ ملزم کو رخصت کرنے بنگلے کے گیٹ تک آئے تھے......''

''بالکل غلط!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی تیز آواز میں بولا۔ ''آپ کا مؤکل سراسر جھوٹا ہے۔ میں اسے بنگلے کے گیٹ تک چھوڑنے نہیں گیا تھا اور...... اور میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بھی نہیں بلکہ آنٹی کے بیڈ روم میں پہنچایا تھا۔''

''ٹھیک ہے...... ایک لمحے کے لئے میں تمہاری بات کو درست مان لیتا ہوں۔'' میں نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔ ''تم نے اپنی آنٹی کی ہدایت پر ملزم کو بیڈ روم ہی میں پہنچایا ہو گا۔ تمہارے بیان کے مطابق ملزم آٹھ بجے شام بنگلے پر پہنچا تھا۔ ذرا سوچ کر بتاؤ، اس کی واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟''

''ساڑھے آٹھ بجے۔'' اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''آپ نے جتنے وثوق سے جواب دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ملزم کے رخصت ہونے پر گھڑی میں وقت دیکھا تھا؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی ہاں...... میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔

''مسٹر جمی! آپ کا یہ جواب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے جاتے ہوئے ملزم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' میں نے اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کی۔ ''ورنہ آپ اتنے وثوق سے یہ بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ ہے نا؟''

''جی...... جی ہاں...... جی...... جی نہیں......'' وہ اُلجھن زدہ انداز میں بولا۔

''مسٹر جمی! آپ وکیل صاحب کے سوال کا جواب ہاں یا نہ میں دیں۔'' جج نے تنبیہی لہجے میں کہا۔ ''آپ نے ملزم کو وقوعہ کی رات جائے واردات سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں؟'' گواہ کے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات نمودار ہوئے جیسے اچانک اس کے اوپر کوئی بہت بڑی افتاد آن پڑی ہو۔ جھرجھراتی ہوئی آواز میں اس نے جج کے سوال کا جواب دیا۔

''جناب! میں نے ملزم کو بنگلے سے رخصت ہوتے ہوئے تو دیکھا تھا لیکن...... میں اسے گیٹ تک چھوڑنے نہیں گیا تھا...... اس سلسلے میں یہ جھوٹ کہتا ہے۔''

جج نے گواہ کی وضاحت کے بعد سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سلسلۂ جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر جمی! آپ نے وقوعہ کی رات ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ملزم کو بنگلے کے گیٹ سے رخصت ہوتے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب ہے آپ بنگلے کے اندرونی حصے میں نہیں بلکہ...... باہر کہیں گیٹ کے قریب ہی موجود تھے جو آپ نے اسے اپنی آنکھوں سے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس وقت آپ بنگلے کے کون سے حصے میں کھڑے تھے؟''

اس سوال نے جمی کو گھما کر رکھ دیا۔ میں نے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا لیکن سوال کا جواب دینا بھی ضروری تھا لہٰذا وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''میں اس وقت گیراج کے پاس کھڑا تھا۔ گیراج سے گیٹ کا فاصلہ بیس پچیس گز کا ہے اور وہاں کھڑے ہو کر گیٹ بڑا واضح نظر آتا ہے۔''

''ایک ذاتی سا سوال ہے مسٹر جمی!...... اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......'' میں نے کہا۔

''جی پوچھیں...... میں یہاں آپ کے سوالات کے جواب دینے ہی آیا ہوں۔'' وہ رومال کی مدد سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔''

''تھینکس مائی ڈیئر!'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''مسٹر جمی! کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ وقوعہ کے روز رات ساڑھے آٹھ بجے آپ گیراج کے پاس کھڑے کیا کر رہے تھے؟''

''میں...... میں اپنی گاڑی کا انجن چیک کر رہا تھا......'' وہ نروس لہجے میں بولا۔ صاف نظر آتا تھا کہ اس نے بہانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

میں نے سوالات میں جارحانہ تیزی لاتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی گاڑی کے انجن کے ساتھ ایسا کیا مسئلہ ہو گیا تھا مسٹر جمی؟''

''جناب! میں کوئی موٹر مکینک نہیں ہوں جو اس مسئلے کی وضاحت کر سکوں۔'' وہ قدرے

چڑ کر بولا۔ ''بس میں نے گاڑی کا بونٹ اٹھایا ہوا تھا اور اس کے انجن کی خرابی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا........'' میں نے اس کے جواب کے آخری جملے کو خود کلامی کے سے انداز میں دہرایا پھر قدرے چبھتے ہوئے انداز میں استفسار کیا۔ ''مسٹر جمی! کسی مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ذہنی طور پر اور جسمانی طور پر اس شے کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔ ذرا سوچ کر بتائیں، آپ اپنی گاڑی کے انجن کے ساتھ کتنی دیر سے لگے ہوئے تھے؟''

''تقریباً........ آدھے گھنٹے سے........'' اس نے بے دھیانی میں میرے بچھائے ہوئے جال میں قدم رکھ دیا۔

میں نے غیر محسوس طور پر اس جال کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ''مسٹر جمی! آپ نے وقوعہ کی رات ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ملزم کو بنگلے کے گیٹ سے نکلتے دیکھا۔ اس وقت آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے گاڑی کے انجن کا کوئی فالٹ سمجھنے میں مصروف تھے۔ ایم آئی رائٹ؟''

اسے یہ تو محسوس ہو گیا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے لیکن کہاں؟ اور کیا؟ یہ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہ آ سکا لہٰذا اُلجھن زدہ انداز میں اس نے میرے استفسار کی تصدیق کر دی۔ ''جی، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

جواب دینے کے بعد وہ پریشان نظروں سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا لیکن میں اس نازک مرحلے پر وکیل استغاثہ کو ''آبجیکشن یور آنر!'' جیسا کوئی نعرۂ مستانہ لگانے کا کوئی موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے گواہ کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں رکھتے ہوئے جلدی سے ایک اہم سوال داغ دیا۔

''مسٹر جمی! آپ کے بیان کے مطابق ملزم وقوعہ کی رات ٹھیک آٹھ بجے مقتولہ کے بنگلے پر پہنچا۔ آپ نے اپنی مقتولہ آنٹی کی ہدایت کے مطابق اسے بیڈ روم تک پہنچا دیا۔ آپ ہی کے دعوے کی رو سے ملزم ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے بنگلے سے رخصت ہو گیا۔ آپ نے گیراج کے قریب کھڑے اسے گیٹ سے نکلتے دیکھا جہاں آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے گاڑی کا کوئی فالٹ سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ........'' میں لمحے بھر کو سانس درست کرنے کے لئے متوقف ہوا پھر سنسنی خیز لہجے میں بولا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ ملزم کو اپنی آنٹی کے بیڈ روم میں پہنچا کر سیدھے گیراج کی طرف آ گئے تھے........ ہے نا؟''

اس کے چہرے پر شکنجے میں پھنسی ہوئی لکڑی جیسا کرب نمودار ہوا لیکن فرار کی ساری راہیں میں اس کی بے خبری میں مسدود کر چکا تھا چنانچہ وہ مریل سی آواز میں بولا۔

''جی ہاں........!''

اس کا جواب اثبات میں آیا تو میں فوراً شیر ہو گیا۔ استغاثہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کا وقت آ گیا تھا لہٰذا یہاں پر میں ایک لمحے کی تاخیر یا کوتاہی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور با آواز بلند کہا۔

''مسٹر جمی! وکیل استغاثہ کے دعوے کے مطابق، تم وہ اہم گواہ ہو جس نے ملزم اور مقتولہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور اس دوران ملزم نے اخلاق سے گری ہوئی ایک ایسی حرکت کی کہ مقتولہ بھڑک اُٹھی۔ وہ ملزم کی بدنیتی کو بھانپ گئی اور اس معاہدے سے صاف انکار کر دیا جس کی غرض سے ملزم اس روز مقتولہ کے بنگلے پر گیا تھا۔'' میں نے چند لمحات توقف کیا، پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس کیس کے تفتیشی افسر مسٹر اعوان نے میری جرح کے جواب میں معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ جب مقتولہ نے بھڑک کر معاہدے سے انکار کر دیا تو ملزم نے خود کو کارنر محسوس کرتے ہوئے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بنگلے سے نکل گیا۔ بعد میں آپ کو کسی ضروری کام سے مقتولہ کے بیڈ روم میں جانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے مقتولہ کو خون میں لت پت پایا اور پولیس کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے فون کر کے اس واردات کی اطلاع دی۔''

میں ایک مرتبہ پھر رکا اور جمی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''مسٹر جمی! کیا آپ کو ٹیلی پیتھی کا علم آتا ہے؟''

''جی........ یہ کون سا........ علم ہے........؟'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھا اور کہا۔ ''یہ علم بہت پُراسرار ہے۔ تم یوں سمجھو کہ اپنا پیغام دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے اور دوسروں کے دلوں کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ ہے۔''

''م........ میں ایسا کوئی علم نہیں جانتا۔'' اُس کی اُلجھن عروج کو پہنچ گئی۔

''پھر........'' میں نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ ''پھر یہ کیسے ممکن ہے مسٹر جمی! کہ تم آٹھ بجے سے لے کر ساڑھے آٹھ بجے تک گیراج میں اپنی گاڑی کے انجن کے ساتھ مصروف بھی رہو اور اسی دوران تم نے ملزم اور مقتولہ کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی من و عن سن لی ہو جبکہ تم ٹیلی پیتھی بھی نہیں جانتے........؟''

''مم......'' اچانک وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگا۔ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے آنٹی......کو قتل......نہیں کیا۔''

''یہ تم سے کون پوچھ رہا ہے کہ تم نے کسی کو قتل کیا ہے یا نہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تو تمہاری روحانی قوت ٹیلی پیتھی کی بات کر رہا ہوں مسٹر جمی!''

''آپ باتوں کے ہیر پھیر سے مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ''پ...... پانی...... مجھے شدید پیاس لگی ہے۔''

''مسٹر جمی!...... تمہیں اس وقت تک پانی نہیں مل سکتا جب تک تم میرے سوال کا جواب نہیں دے دیتے۔'' میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے دھمکی دار لہجے میں بولا۔

''ایک مرتبہ پھر سن لو...... اگر تم وقوعہ کی رات، آٹھ اور ساڑھے آٹھ بجے کے درمیان گیراج میں اپنی گاڑی کے انجن کا فالٹ سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھے تو پھر تم نے ملزم اور مقتولہ کے درمیان ہونے والی اخلاقی اور غیر اخلاقی باتیں کیسے سن لیں؟...... گیراج میں کھڑے کھڑے تو یہ کام ممکن نہیں اور ٹیلی پیتھی کی صلاحیت سے تم انکاری ہو...... اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کہ...... تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو...... اور ایسا تم صرف اسی صورت میں کر سکتے ہو کہ ملزم کے بنگلے سے رخصت ہونے کے بعد تم نے اپنی آنٹی کو قتل کیا ہو۔''

وہ کٹہرے کی ریلنگ تھامے کھڑا تھا۔ میرے اس کاری وار نے اس کی ٹانگیں بے روح کر دیں۔ اگلے ہی لمحے وہ کپکپاتے ہوئے وجود کے ساتھ کٹہرے کے فرش پر بیٹھ گیا۔ جمی کی ایسی حالت بے پناہ خوف کے باعث ہوئی تھی...... عمر بھر جیل میں سڑنے کا خوف...... اور اس کی یہ کیفیت عدالت کو سب کچھ سمجھانے کے لئے کافی تھی۔ مجھے مزید کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں تھی!''

استغاثہ کی عمارت اس بنیاد پر قائم تھی کہ جمی نے وقوعہ کے روز ملزم اور مقتولہ کی گفتگو سن لی تھی جس کے اختتام میں ایسی بدمزگی ہوئی کہ ملزم اپنے مستقبل کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے مقتولہ کی جان لینے ایسا انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ اور...... میں نے اپنی جرح سے استغاثہ کی بنیاد کو کھوکھلا کر ڈالا تھا۔

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔ گزشتہ پیشی پر عدالت میں جو صورتِ حال دیکھنے کو ملی اس کی روشنی میں عدالت نے استغاثہ کے گواہ جمی کو شاملِ تفتیش کرتے ہوئے پولیس کو نیا چالان پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔

جمی کے پاس اقبالِ جرم کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا سو اس نے یہی راہ اختیار کی۔ اپنے اقراری بیان میں اس نے بتایا کہ وہ اپنی آنٹی یعنی مس چاولہ کا واحد قریبی رشتے دار تھا اور اس نے یہ قتل دولت و جائیداد کے لالچ میں کیا تھا۔ اس کے گیم میں ملزم کی حیثیت قربانی کے بکرے ایسی تھی۔ یہ الگ بات کہ میری کوشش نے ملک کے ایک معروف قلم کار کو ضائع ہونے سے بچا لیا تھا۔ جمی نے چھپ کر یہ منظر دیکھ لیا تھا کہ ملزم نے مقتولہ کو ایک پسٹل اٹھا کر دیا ہے لہٰذا سائلنسر کے ساتھ اس نے پسٹل کو ملزم کے خلاف استعمال کر ڈالا تھا۔

میرا مؤکل تو باعزت بری ہو گیا لیکن ایک سوال کافی عرصے تک میرے ذہن کو اُلجھاتا رہا اور وہ سوال مقتولہ کے عمل سے متعلق تھا۔ مس چاولہ نے جس طریقے سے میرے مؤکل سے پسٹل وصول کیا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے یا کسی کو قتل کے کیس میں پھنسانا چاہتی ہے...... لیکن کس کو......؟ یہ بڑا پُراسرار سوال تھا جس کا جواب صرف مس چاولہ ہی دے سکتی تھی جو کہ اب اس دنیا میں موجود نہیں تھی۔

وہ آنکھ اوجھل ہوئی تو اس کے ساتھ ہی یہ راز بھی پہاڑ اوجھل ہو گیا۔ بہرحال یہ طے ہے کہ وہ میرے مؤکل کو قتل کرنا یا کروانا نہیں چاہتی تھی۔ ذہین قارئین اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ مس چاولہ کے ذہن میں کیا تھا۔

❁❁❁

خوفِ خدا

میں دوسروں کی نہیں، اپنے تجربے کی بات کرتا ہوں........اور میرے تجربے میں یہ آیا ہے کہ اکثر لوگوں میں تبصرہ کرنے کی عادت پائی جاتی ہے۔اور اگر یہ تبصرہ کسی کی غیر موجودگی میں سننے کو ملے تو اس میں پوشیدہ دلچسپی اور سنسنی خیزی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔اس واقعے کی ابتداء بھی کچھ اسی نوعیت کے حالات میں ہوئی تھی۔

یہ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے۔میں بذریعہ ٹرین کراچی سے لاہور جا رہا تھا.......اور وہ بھی اکانومی کلاس میں۔میں عموماً بائی ایئر سفر کرتا ہوں۔ٹرین میں سفر کرنے کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ ان دنوں طوفانی دُھند اور بے انتہا خراب موسم کے باعث ہوائی جہاز کی پروازوں میں خاصی بے قاعدگی اور افراتفری چل رہی تھی۔جس دن میں ٹرین میں سوار ہوا اس روز اور اس سے اگلے روز کوئی فلائٹ میسر نہیں تھی اور میرا جانا بے حد ضروری تھا۔لہٰذا ٹرین کے سفر سے استفادہ کرنا پڑا۔سوچا، جب ٹرین ہی سے جانا ہے تو پھر اکانومی کلاس میں کیوں نہ سفر کیا جائے۔ٹرین کے سفر کا بھرپور لطف اٹھانا مقصود ہو تو اس سے عمدہ اور کوئی کلاس نہیں ہو سکتی۔عوام کے ساتھ بیٹھ کر انسان بڑا عوامی سا، بڑا ایزی اور ریلیکس ہو جاتا ہے۔

وہ فروری کے آخری ایام تھے۔موسم خنک اور خوشگوار تھا لہٰذا عوامی کلاس سے منسوب سفر کی سختیوں اور مشکلات کا دور دور تک نشان نظر نہیں آتا تھا۔مغرب سے تھوڑی دیر پہلے ٹرین کراچی سے روانہ ہوئی تھی۔حیدرآباد گزرنے کے بعد مسافر رات کے کھانے میں مصروف ہو گئے۔میں نے گھر سے نکلتے وقت خاصا تگڑا ناشتہ کر لیا تھا، اس لئے آئندہ صبح تک کھانے کی حاجت نہیں تھی۔میں اوپر برتھ پر چلا گیا اور ایک انگلش نیوز میگزین کھول کر اس کا مطالعہ کرنے لگا۔مذکورہ ویکلی میگزین میں نے پلیٹ فارم کے ایک نیوز اسٹینڈ سے خریدا تھا۔

نو، ساڑھے نو بجے تک تمام مسافر کھانے پینے کے معاملات سے فارغ ہو گئے۔جن کے پاس برتھ تھی، انہوں نے آرام کی غرض سے اُدھر کی راہ لی۔نیچے والی سیٹیں قدرے خالی ہو گئیں تو وہاں پر موجود مسافر کچھ ایزی ہو کر بیٹھ گئے یا نیم دراز ہو گئے۔ٹرین کے سفر میں نیند با

آسانی نہیں آتی۔آپ خود کو دھوکا دینے کے لئے آنکھیں بند کئے بیٹھے رہیں یا لیٹ جائیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن میرے اس مشاہدے کو فارمولا بنا کر ہر شخص پر اپلائی نہیں کیا جا سکتا۔مسافروں میں بعض تو ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن کے سبب ''نیند بڑی ظالم چیز ہے، یہ تو پھانسی کے پھندے پر بھی آ جاتی ہے!'' کی لاج قائم ہے۔

وہ ہر بے آرامی سے بے نیاز خراٹے بھرتے بے خبر سوتے رہتے ہیں!

میں نیوز میگزین کی ورق گردانی اور مطالعے میں مصروف تھا کہ ایک قدرے تیز آواز میری سماعت تک پہنچی۔''بھائی صاحب! کیا اس رسالے میں کوئی خاص شے چھپی ہے جو آپ اتنے انہماک سے اس کے مطالعے میں غرق ہیں اور وقفے وقفے سے دھیرے دھیرے مسکراتے بھی جاتے ہیں؟''

ایک لمحے کے لئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سوال کسی نے مجھ سے کیا ہو، لیکن اگلے ہی لمحے میں نے اس خیال کو رد کر دیا۔یہ ٹھیک ہے، میں بڑے انہماک سے نیوز میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا مگر دھیرے دھیرے مسکرانے کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ استفسار کسی اور سے کیا گیا تھا۔تاہم اس حوالے سے میرے ذہن میں ایک تجسس اُبھر گیا تھا۔میرے جی میں آئی کہ دیکھوں، میرے علاوہ اور کون مطالعے میں مصروف ہے اور وہ کیا پڑھ رہا ہے!

میں نے برتھ پر لیٹے لیٹے گردن موڑ کر نیچے کا جائزہ لیا اور اگلے ہی لمحے چونک اٹھا۔ایک مسافر کھڑکی والی سائیڈ سے پشت ٹکائے، ٹانگیں جزوی طور پر پھیلائے بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھوں میں رواں ماہ کا ایک معروف ڈائجسٹ دکھائی دے رہا تھا۔اس کے بائیں ایک طرف ادھیڑ عمر شخص، اس کی جانب رخ کئے بیٹھا تھا۔مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت پیش نہ آئی کہ بائیں بیٹھے شخص نے، ڈائجسٹ والے شخص سے وہ سوال پوچھا تھا۔

ڈائجسٹ والے نے نگاہ اٹھا کر مستفسر شخص کی طرف دیکھا اور نہایت ہی مختصر الفاظ میں جواب دیا۔''جی جناب!........چیز خاصی دلچسپ ہے، اس لئے مجبوراً مسکرانا بھی پڑ رہا ہے۔میں یہ کہانی ختم کر لوں، پھر ڈائجسٹ آپ کو دے دوں گا۔اگر موڈ ہو تو آپ بھی اس سے لطف اٹھائیں۔''

''میں ڈائجسٹ وغیرہ بالکل نہیں پڑھتا۔'' ادھیڑ عمر شخص نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ؟'' دوسرے نے پوچھا۔

''وجہ کیا ہو گی........'' وہ بے دلی سے بولا۔''سب جانتے ہیں، ان ڈائجسٹوں اور

رسالوں میں جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں شائع کی جاتی ہیں جس سے پڑھنے والوں کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہوتا کہ جیب سے پیسے خرچ کر کے اپنا دماغ خراب کرتا پھروں۔"

ڈائجسٹ بردار شخص کو اپنے سامنے بیٹھے ادھیڑ عمر شخص کی رائے پسند نہیں آئی۔ اس نے ڈائجسٹ کو بند کر کے اپنی گود میں رکھ لیا اور قدرے خفگی آمیز لہجے میں بولا۔

"بھائی صاحب! سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے فیصلے نہیں کرنے چاہئیں۔ آپ نے خود تو کبھی ڈائجسٹ پڑھ کر دیکھا نہیں اور مخالفت برائے مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔"

ان دونوں کی اختلافی گفتگو دلچسپ مرحلے میں داخل ہو گئی تھی لہٰذا میں پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے انگلش نیوز میگزین کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلائے رکھا تا کہ انہیں احساس نہ ہو کہ میں ان کی باتیں سن رہا ہوں۔ تاہم میرا دھیان انہی کی طرف تھا۔

ان کی باہمی گفتگو سے ازاں بعد مجھے ان کے ناموں سے بھی واقفیت ہو گئی۔ ڈائجسٹ کے باقاعدہ قاری کا نام کامران اجمل تھا اور ادھیڑ عمر معترض شخص کا نام عدیل احمد تھا۔

عدیل احمد نے جواب دیا۔ "میں نے کبھی ڈائجسٹ نہیں پڑھا لیکن آپ تو پڑھتے ہیں نا۔ پوری ایمان داری سے بتائیں، کیا ڈائجسٹوں میں چھپنے والی جھوٹی کہانیاں کسی بھی طور پڑھنے والوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟"

"آپ نے ایمانداری کی بات کی ہے نا........ تو سنیں بھائی صاحب!" کامران اجمل ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں چونکہ اس ڈائجسٹ کا باقاعدہ قاری ہوں اس لئے صرف اسی کی بات کروں گا، دوسرے ڈائجسٹوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں........ میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ڈائجسٹ ہمارے معاشرے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس میں سبق آموز، عبرت اثر اور دلوں کو چھو لینے والی کہانیاں شائع ہوتی ہیں جو سراسر تعمیری مقاصد کے پیش نظر شائع کی جاتی ہیں۔ پڑھنے والے اگر چاہیں تو زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کہانیوں سے بہترین راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"مثلاً؟" عدیل احمد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت آپ جس کہانی کا مطالعہ کر رہے ہیں، اس میں زندگی کے کون کون سے تعمیری پہلوؤں سے روشناس کرایا گیا ہے؟"

"میں تو وکیل صاحب کی ڈائری پڑھ رہا ہوں۔" کامران نے بتایا۔ "ایک ماہ چھوڑ کر یہ کہانی شائع ہوتی ہے۔ مرزا امجد بیگ نامی وکیل صاحب اپنے کامیاب کیسوں کی روداد سناتے ہیں جو انتہائی سنسنی خیز اور سچے واقعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ میں نے اس سلسلے کی ساری

کہانیاں پڑھ رکھی ہیں۔ آپ ایک آدھ بھی پڑھ لیں تو آپ کو میری باتوں پر خود بہ خود یقین آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے........ میں نے مان لیا کہ کوئی وکیل صاحب اپنے کیس کو کہانی کے انداز میں پیش کرتے ہوں گے۔" عدیل نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں اعتراض اٹھایا۔ "لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ صاحب واقعی کوئی وکیل بھی ہوں گے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ڈائجسٹ والے کسی منجھے ہوئے قلم کار سے وہ کہانی لکھوا کر شائع کر دیتے ہوں۔ میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ ڈائجسٹ اور رسالے والے فرضی ہیروز کے قصے سنا کر پڑھنے والوں کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہیرو بنانے میں کہنہ مشق قلم کاروں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ اپنے تصوراتی ہیرو سے کہانی میں، خالی ہاتھوں شیر کا شکار بھی دکھا سکتے ہیں۔ لیکن حقیقی زندگی میں انہوں نے کبھی ایک چوہا بھی نہیں مارا ہوتا۔ مجھے تو تمہارے یہ وکیل صاحب بھی کوئی ایسا ہی کردار لگتے ہیں۔"

"یہ کہانی تو وکیل صاحب خود نہیں لکھتے۔" کامران نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔ "وکیل صاحب، ڈائجسٹ کے رائٹر کو کہانی سناتے ہیں پھر رائٹر اسے اپنی تحریر میں لکھ دیتا ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ مرزا امجد بیگ صاحب کوئی فرضی وکیل نہیں ہیں۔ اگر بیگ صاحب کوئی افسانوی کردار ہوتے تو پھر ڈائجسٹ والوں کو رائٹر کا نام الگ سے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ یہ نہیں لکھتے کہ راوی فلاں اور تحریر فلاں۔ اس سے یہی ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ وکیل صاحب ایک جیتا جاگتا کردار ہیں۔"

"آپ تو وکیل صاحب کے بارے میں اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں جیسے خود ان سے مل چکے ہوں۔" عدیل احمد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "بھئی اگر ایسی ہی بات ہے تو مجھے ان وکیل صاحب کا پتہ ٹھکانا بتاؤ۔ میں آج کل بہت پریشان ہوں اور مجھے ایک ایسے ہی وکیل کی ضرورت ہے جو اپنے کام میں پوری مہارت رکھنے کے ساتھ ہی ایماندار بھی ہو۔"

کامران نے جوش بھرے انداز میں جواب دیا۔ "میں بیگ صاحب سے کبھی ملا نہیں لیکن یہ جانتا ہوں کہ کراچی ہی میں کہیں رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ساری کہانیاں کراچی ہی کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں اور ان مقدمات کی سماعت سٹی کورٹ کراچی میں ہوئی ہے۔"

عدیل احمد کی دلچسپی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ اس نے اضطراری لہجے میں کامران سے پوچھا۔ "تم نے ان وکیل صاحب کا ذکر چھیڑ کر میرے اندر بے پناہ تجسس پیدا کر دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وکیل صاحب سے ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟"

"میں بیگ صاحب کے پتے ٹھکانے سے تو واقف نہیں ہوں۔" کامران نے سرسری لہجے میں کہا۔ "البتہ، میرا خیال ہے، دو مقامات سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔"

"کون سے دو مقامات؟" عدیل نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

"پہلے نمبر پر تو ڈائجسٹ کا دفتر ہے۔" کامران نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ "اور دوسری جگہ سٹی کورٹ ہے۔ اس ڈائجسٹ میں دفتر کا ایڈریس اور فون نمبر وغیرہ بھی شائع ہوتا ہے۔ آپ وہاں جا کر یا رابطہ کر کے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ یا پھر سٹی کورٹ سے بھی ان کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی!" عدیل احمد نے گہری سنجیدگی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو میں اپنے بڑے بھائی سے، ملنے صادق آباد جا رہا ہوں۔ کراچی واپس آ کر میں سب سے پہلے ان بیگ صاحب کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

کتنی پُرتجسس اور دلچسپ صورت حال تھی۔ عدیل احمد جس شخص کو تلاش کرنے کی بات کر رہا تھا، وہ اس سے چند انچ کی دوری پر، برتھ پر لیٹا اس کی باتیں سن رہا تھا...... یعنی میں، مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ۔ میرے فین مسٹر کامران اجمل کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ میں اس وقت اس کے کتنے قریب موجود ہوں۔ اگر میں خود کو ان پر ظاہر کر دیتا تو ممکن ہے انہیں یقین نہ آتا۔ اور اگر یقین آ جاتا تو سمجھو پھر میری خیر نہیں تھی۔ میں اپنے ضبط کی تعریف نہیں کر رہا لیکن میں نے یہی فیصلہ کیا کہ خود کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔ عوامی جگہوں پر خود کو ظاہر کرنے کے میں چند تلخ تجربات سے گزر چکا ہوں لہٰذا اس سلسلے میں محتاط رہنے کی عادت اپنالی ہے۔ اگلی کسی کہانی میں مذکورہ تجربات کی تفصیل بیان کروں گا۔

میں نے اس سنسنی خیز صورتِ حال میں موجود رہتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ عدیل احمد اور کامران اجمل سے خود کو خفیہ رکھ کر میں جس حد تک ممکن ہو سکا، ان کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے ان کی باہمی گفتگو پر توجہ مرکوز کر دی۔

کامران، عدیل سے پوچھ رہا تھا۔ "بھائی صاحب! آپ ضرور صادق آباد جائیں اور میری دعا ہے آپ خیریت سے واپس بھی آئیں...... لیکن آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو کس سلسلے میں وکیل کی ضرورت ہے؟ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں کچھ بتائیں۔"

عدیل احمد نے چند لمحات تک خاموش رہ کر تھوڑا غور و فکر کیا پھر قدرے دھیمی آواز میں

بولا۔ "میں اپنی بیٹی وردہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ پولیس نے ایک جھوٹے مقدمے میں اسے جیل پہنچا دیا ہے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس وقت کسی ٹرین میں محوِ سفر نہ ہوں بلکہ اپنے دفتر میں بیٹھا کسی مصیبت زدہ کی بپتا سن رہا ہوں۔ عدیل احمد کسی کلائنٹ کی صورت میں مجھے اس کیس کے بارے میں بتا رہا ہے۔

عدیل احمد کے خاموش ہونے پر کامران نے اس سے سوال کیا۔ "پولیس نے آپ کی بیٹی کو کس الزام میں جیل بھجوا دیا ہے؟"

"وردہ پر قتل کا الزام ہے۔" عدیل نے دُکھی لہجے میں جواب دیا۔ "حالانکہ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے، وردہ کسی قتل جیسی سنگین واردات میں ملوث نہیں ہو سکتی۔ اسے کسی گہری سازش کے تحت منصور خان کے قتل والے معاملے میں ملوث کیا گیا ہے۔"

"آپ نے اس سلسلے میں کسی وکیل کی خدمات حاصل نہیں کیں؟" کامران نے پوچھا۔

"ایک وکیل سے میں نے بات کی تھی۔" عدیل نے بتایا۔ "اور وہ اس روز عدالت میں آیا بھی تھا جب پولیس نے اس کیس کا ریمانڈ عدالت میں دیا تھا۔ لیکن میں اس کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ میری بیٹی کی ضمانت کرانے میں سراسر ناکام رہا ہے۔ وردہ اس وقت جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں ہے اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ فوری طور پر وکیل بدل لوں۔ میں نے ابھی جس وکیل کا تذکرہ کیا ہے اس سے مجھے کوئی امید نظر نہیں آتی۔" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں وردہ ہی کے سلسلے میں بھائی صاحب سے ملنے صادق آباد جا رہا ہوں۔ عقیل بھائی وہاں کے ایک کھاتے پیتے زمیندار ہیں۔ انہوں نے مجھے مالی مدد دینے کے لئے بلایا ہے۔ ان کا مشورہ ہے کہ مجھے وردہ کے کیس کے لئے کوئی چوٹی کا وکیل کرنا چاہئے اور...... میں نے سنا ہے، چوٹی کے وکیل فیس بھی بہت اونچی لیتے ہیں۔ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن پتہ نہیں عدالتی معاملات میں کس وقت کتنی رقم کی ضرورت پیش آ جائے، اس کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بھائی صاحب کا اصرار ہے کہ میں ان سے کچھ رقم لے کر اپنے پاس محفوظ رکھوں تاکہ بہ وقت ضرورت کام آ سکے۔"

"عدیل صاحب! آپ خوش قسمت انسان ہیں۔" کامران کے اس جملے پر عدیل نے اُلجھن زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی اُلجھن دور ہو گئی جب کامران نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "...... کہ آپ کا بھائی اپنے دل میں آپ کے

لئے اور آپ کی بیٹی کے لئے ایسے نیک اور ہمدردانہ جذبات رکھتا ہے۔ ورنہ ہم اس وقت جس قسم کے واہیات دور میں سانس لے رہے ہیں، وہاں کسی کو کسی کی پرواہ نہیں۔ ایک عجیب نفسانفسی کا عالم ہے جیسے قیامت سے پہلے ہی قیامت برپا ہونے والی ہے!''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں!'' عدیل نے معنی خیز انداز میں گردن ہلا دی۔

کامران نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''عدیل صاحب! آپ نے اپنی پریشانی کی جو نوعیت بتائی ہے، اس کے مطابق میرے خیال میں آپ کو پہلی فرصت میں بیگ صاحب سے ملاقات کرنی چاہئے۔ اس کیس کو وہی ہینڈل کر سکتے ہیں۔''

''کیا آپ لوگ مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟'' یہ کہتے ہوئے میں اٹھ کر برتھ پر بیٹھ گیا۔

ان دونوں نے بہ یک وقت چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے انہیں کوئی چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔ پھر وہ بے اختیار بہ یک زبان بولے۔ ''جی........جی ہاں........!''

میں زیرلب مسکرا کر رہ گیا۔

کامران اجمل نے اضطراری لہجے میں مجھ سے پوچھ لیا۔

''کیا آپ بیگ صاحب کو جانتے ہیں؟''

میں نے ایک مرتبہ پھر زیرلب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''میں بڑے انہماک سے نیوز میگزین پڑھ رہا تھا کہ مرزا امجد بیگ کا نام میری سماعت سے ٹکرایا اور میں چونک اٹھا۔ میں نہیں جانتا، آپ دونوں آپس میں کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں، بس وکیل صاحب کا نام سن کر میری توجہ آپ کی طرف مبذول ہو گئی۔''

''اگر آپ ان وکیل صاحب کو جانتے ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان سے کراچی میں کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔'' عدیل احمد نے پُراشتیاق انداز میں استفسار کیا۔ ''مجھے ایک کیس کے سلسلے میں ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ ان بھائی صاحب نے وکیل صاحب کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ انہی کی کہانی پڑھ رہے تھے۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے کامران کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈائجسٹ کی طرف دیکھا۔

میں نے دروغ بر مصلحت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ لیکن یہ اتفاق ہے کہ میں نے ان کی کوئی کہانی کبھی نہیں پڑھی۔ سنا ہے، اس ڈائجسٹ میں ان کی ڈائری کے اوراق کہانی کی شکل میں شائع ہوتے ہیں۔ بہرحال........''

میں نے تھوڑا توقف کر کے عدیل احمد کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں آپ کو بیگ صاحب کے دفتر

کا پتہ اور فون نمبرز دے سکتا ہوں۔ اگر اس سے آپ کا کوئی فائدہ ہو جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔''

پھر میں نے ایک پرچے پر اپنے دفتر کا پتہ اور فون نمبر لکھ کر عدیل احمد کی طرف بڑھا دیا۔ عدیل سے پہلے وہ پرچہ میرے فین کامران اجمل نے اچک لیا اور پرچے کے مندرجات اپنے پاس نوٹ کرنے کے بعد عدیل کے حوالے کر دیا۔

عدیل نے تہہ دل سے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے ان کی جانب سے توجہ ہٹائی اور دوبارہ نیوز میگزین کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس گیم میں، میں نے بڑی حد تک جھوٹ سے کام لیا تھا لیکن آپ اسے میری مجبوری یا مصلحت کا تقاضا سمجھ لیں۔ بہرحال، میں نے عدیل احمد کا کام کر دیا تھا۔

رات کے آخری پہر میں ٹرین کب صادق آباد پہنچی اور کب عدیل احمد پلیٹ فارم پر اُترا، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ میں اس وقت اسی کیفیت میں تھا جس کے لئے میں نے شروع میں ''خود کو دھوکا دینے والی نیند'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جب میری آنکھ ''کھلی'' تو وہ دونوں غائب تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کامران، عدیل احمد سے پہلے اُتر گیا تھا یا بعد میں!

میں نے ''رات گئی، بات گئی'' کے مصداق سر کو جھٹکا اور فریش ہونے کے لئے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

❁

چند روز بعد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری سیکرٹری نے انٹرکام پر کسی عدیل صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔ فوری طور پر میرے ذہن میں نہ آیا وہ کس عدیل کا ذکر کر رہی ہے۔ میں نے عدیل نامی اس شخص کو اپنے پاس بلا لیا۔

وہ جب میرے چیمبر میں داخل ہوا تو میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی عدیل تھا جو کچھ دن پہلے ٹرین میں مجھ سے ملا تھا۔ اس نے ''مرزا امجد بیگ'' کی سیٹ پر مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو شدتِ حیرت سے چونک اُٹھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن تیرنے لگی پھر میری جانب اُنگلی اٹھاتے ہوئے اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ........بیگ صاحب........ہیں........؟''

''جی، میں ہی مرزا امجد بیگ ہوں۔'' میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور اپنی میز کے سامنے بچھی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھیں عدیل صاحب!''

وہ جھجکتے ہوئے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور بے یقینی سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''اُلجھ کر رہ گیا ہوں۔ آنکھوں سے دیکھ کر بھی اعتبار نہیں آ رہا۔ لیکن آپ کو اس دفتر میں موجود پا

کر یہی خیال ہو رہا ہے کہ آپ ہی مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہیں۔ لیکن ٹرین میں آپ نے ....''

''وہ سب کسی مصلحت کی بناء پر تھا۔'' میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

''بہرحال، آپ سنائیں کہ صادق آباد سے کب واپسی ہوئی؟''

''دوروز پہلے۔'' اس نے جواب دیا۔ تاہم لہجے کی اُلجھن پوری طرح رفع نہیں ہوئی تھی۔

میں نے قدرے دوستانہ انداز میں استفسار کیا۔ ''سنائیں، اُدھر صادق آباد میں آپ کے زمیندار بھائی کے کیا حال ہیں؟ ویسے آپ کو اپنے دفتر میں دیکھ کر مجھے اس بات کا اندازہ تو ہو گیا ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی کا کیس مرزا امجد بیگ کو یعنی مجھے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

اس نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں مجھے اپنے بھائی کی خیریت سے آگاہ کیا پھر کیس کے سلسلے میں بتانے لگا۔ ''بیگ صاحب! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ میں چاہتا ہوں، یہ کیس آپ ہی ہینڈل کریں۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ سب سے پہلے تو آپ مجھے اپنی فیس کے بارے میں بتا دیں۔''

''فیس تو ظاہر ہے میں آپ سے پوری ہی لوں گا لیکن اس حوالے سے بعد میں بات ہو گی۔'' میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھالتے ہوئے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ ''پہلے آپ مجھے کیس کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں، آپ کی بیٹی کو کن حالات میں منصور خان کے قتل کے الزام میں جیل بھیجا گیا ہے؟....... اس کے بعد ہی میں کوئی حتمی بات کر سکوں گا۔''

ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اس رات ٹرین کے سفر کے دوران جب میں نے خود کو مرزا امجد بیگ کے دوست کی حیثیت سے ''متعارف'' کرا دیا تھا تو ہم تینوں میں منصور خان مرڈر کیس کے حوالے سے مختصر سی بات چیت ہوئی تھی لہٰذا میں ابھی اسی تناظر میں بات کر رہا تھا۔ عدیل احمد نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''بیگ صاحب! میرا خیال ہے، میں منصور خان کے بارے میں جس حد تک جانتا ہوں، پہلے وہ آپ کے علم میں لے آؤں پھر اپنی بیٹی وردہ کو پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بیان کروں گا تا کہ آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔''

''جی ہاں....... میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے قلم کو اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

وہ خاموش ہو کر اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگا۔ وہ اس وقت میری جانب نہیں دیکھ رہا تھا لیکن اس کے انداز سے بہ خوبی مجھے پتہ چل گیا کہ ان لمحات میں وہ شدید نوعیت کی کسی کشمکش

میں مبتلا تھا۔ جب انسان کے لئے کچھ کہنا، کچھ بتانا لازم ہو جائے اور کہنے والی بات بہت ہی نازک ہو تو وہ کچھ اسی قسم کی کیفیت میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ اضطراب اور تذبذب، تامل کے ساتھ مل کر ایسی ہی صورتِ حال تخلیق کرتے ہیں۔

''ان میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو کسی جوان بیٹی کے باپ کے لئے بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں۔'' وہ بدستور اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک وکیل کو جب تک صحیح صورتِ حال کا علم نہ ہو وہ ٹھیک طرح سے کیس نہیں لڑ سکتا چنانچہ جیت کے امکانات معدوم .... بلکہ ختم ہو جاتے ہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''لہٰذا میں نے اپنے دل پر بھاری پتھر رکھ کر آپ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''میں آپ کے خیالات سے پوری طرح متفق ہوں عدیل صاحب!'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اسی لئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں، وردہ میرے لئے بھی بیٹی جیسی ہے۔ ہمارے درمیان ہونے والی باتیں کسی تیسرے تک نہیں پہنچیں گی۔'' میں لمحے بھر کو رکا، پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''بس آپ شروع ہو جائیں۔''

اور .... وہ شروع ہو گیا!

''بیگ صاحب! یہ بات کافی عرصے کے بعد میرے علم میں آئی کہ وردہ، آصف نامی ایک شخص میں گہری دلچسپی لینے لگی تھی۔ آپ اسے میری نالائقی سمجھ لیں یا کاروباری مجبوری۔ میں صبح سے رات تک اس طرح اپنے کام میں مصروف رہتا ہوں کہ گھریلو معاملات پر زیادہ توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا۔'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر واقعات کو آگے بڑھاتے ہوئے بتانے لگا۔ ''وہ بہت ہی حساس اور جذباتی لڑکی ہے.......''

عدیل احمد مجھے منصور خان مرڈر کیس کے پس منظر سے آگاہ کر رہا تھا اور میں پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں رف پیڈ پر اہم اور ضروری نکات بھی نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ اس کی داستان کے اختتام سے پہلے ہی میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اس کیس کو ضرور ہینڈل کروں گا۔

اس روز عدیل نے مجھے جو کچھ بتایا، میں اس کہانی میں سے فروعی اور غیر متعلقہ باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ عدالتی کارروائی سے قبل آپ بھی اس کیس کے پس منظر سے بہ خوبی واقف ہو جائیں۔ واضح رہے کہ عدیل احمد نے مجھے جو واقعات سنائے، ان میں کوئی خاص ترتیب نہیں تھی۔ میں انہیں ایک ترتیب سے آپ تک پہنچا

رہا ہوں۔ اس میں بہت سی باتیں مجھے بعد میں پتہ چلی تھیں لیکن داستان کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے میں نے انہیں بھی شامل کرلیا ہے۔ اسی طرح بعض باتیں میں نے دانستہ چھپا لی ہیں جن کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران مناسب مواقع پر کیا جائے گا تاکہ کہانی میں تجسس اور سنسنی خیزی آخر تک قائم رہے اور آپ کی دلچسپی کو ایک لمحے کے لئے بھی ماند نہ پڑنے دے۔

❀

عدیل احمد کی عمر پچاس کے آس پاس تھی، یہی کوئی ایک آدھ سال کم یا ایک آدھ سال زیادہ ہوگی۔ اس کی رہائش پٹیل پاڑا کے علاقے میں تھی۔ مکان ذاتی تھا جہاں وہ اپنی مختصر سی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ مختصر فیملی صرف چار افراد پر مشتمل تھی۔ عدیل احمد، اس کی بیوی امینہ بیگم، چھوٹا بیٹا شکیل احمد اور وردہ۔ وردہ کے جیل جانے کے بعد گھر میں بسنے والے افراد کی تعداد گھٹ کر تین رہ گئی تھی۔ وردہ عارضی ''نقل مکانی'' کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گئی تھی۔

عدیل احمد ایک چھوٹا کاروباری آدمی تھا۔ گارڈن کے علاقے میں چڑیا گھر کے قریب اس کی آٹو اسپیئر پارٹس کی دکان تھی جہاں وہ صبح سے رات تک مصروف رہا کرتا تھا۔ عدیل احمد خود بہت زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرسکا تھا، اس لئے اپنی اولاد کو اس زیور سے آراستہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ شکیل ان دنوں میٹرک کے امتحانات کی تیاری کررہا تھا۔ اس سے پہلے وردہ نے اپنا گریجویشن مکمل کیا تھا، پھر اس کی زندگی میں ایک ایسا ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا کہ اس نے مزید تعلیم کا ارادہ ترک کردیا حالانکہ عدیل کی خواہش تھی کہ وہ ماسٹرز ضرور کرے۔

گریجویشن کے بعد فراغت ملی تو وردہ نے جاب کا فیصلہ کیا۔ جب اس نے اپنی اس خواہش کے بارے میں والدین کو بتایا تو اس کی ماں امینہ بیگم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے نوکری کی۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ اس گھر میں کس شے کی کمی ہے؟''

''میں کوئی ضرورت یا کمی پوری کرنے کے لئے نوکری نہیں کرنا چاہتی۔'' وردہ نے رسان سے جواب دیا۔ ''میں خود کو مصروف رکھنے اور عملی زندگی کا تجربہ حاصل کرنے کے لئے کوئی عارضی جاب کروں گی۔ جب ایم اے کی باقاعدہ کلاسز شروع ہوں گی تو میں اپنی پڑھائی میں لگ جاؤں گی۔''

''ہروقت پڑھائی، پڑھائی......'' امینہ بیگم نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ تاہم اس کے انداز میں ایک خاص قسم کی ممتانہ ہمدردی پائی جاتی ہے۔ ''اگر اس پڑھائی سے چند ماہ کی

فرصت مل گئی ہے تو گھر میں بیٹھ کر آرام کرو۔''

''بھئی! تم بچی کو خوامخواہ کیوں پریشان کررہی ہو؟'' عدیل احمد نے بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ''چند ماہ کی تو بات ہے۔ اسے اپنا شوق پورا کرلینے دو۔''

وردہ نے باپ کو اپنا حامی پایا تو امینہ بیگم سے کہا۔ ''امی! آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ میں کوئی آسان سی اور صاف ستھری جاب کروں گی۔ اخبارات میں پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مناسب جابز کے اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میں ابو کے مشورے ہی سے کسی جاب کا انتخاب کروں گی۔''

الغرض، تھوڑی بحث و تمحیص کے بعد امینہ بیگم نے باول ناخواستہ بیٹی کو ملازمت کے لئے اجازت دے دی۔ اگلے روز سے وردہ نے اخبارات کھنگالنا شروع کردیئے۔ دو چار دن کوشش کے بعد اسے ایک موزوں اور مناسب جاب کا اشتہار پسند آیا۔

اس نے عدیل احمد سے بات کی اور اس کی رضامندی پانے کے بعد مذکورہ کمپنی کے دفتر پہنچ گئی۔ اس کمپنی کا دفتر میکلوڈ روڈ (آئی آئی چندریگر روڈ) پر واقع تھا اور نام تھا ''کریسنٹ ٹریڈنگ کمپنی''۔ وہ اس کمپنی کے باس کریم عبدالجبار سے جاکر ملی، انٹرویو دیا اور متعلقہ پوسٹ کے لئے منتخب ہوگئی۔ اس کی صاف گوئی کریم عبدالجبار کو بہت پسند آئی تھی۔ وردہ نے انٹرویو ختم ہونے پر بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا۔

''سر! میں غلط بیانی کرکے کوئی مراعات یا فائدہ حاصل کرنے کی قائل نہیں ہوں۔ آپ نے مجھے اس پوسٹ کے لئے منتخب تو کرلیا ہے لیکن میں جوائننگ سے پہلے یہ واضح کردوں کہ میں عارضی طور پر جاب کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ گریجویشن کے اختتام اور ماسٹرز کے آغاز میں فرصت کے جو چند ماہ ہیں، میں اس عرصے میں عملی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کی خاطر ملازمت کرنے کے لئے گھر سے نکلی ہوں۔ جیسے ہی میری ایم اے کی کلاسز شروع ہوں گی، مجھے یہ جاب چھوڑ کر جانا ہوگا۔''

''مجھے تمہاری صاف گوئی اور فطری سادگی نے بہت متاثر کیا ہے۔'' کریم عبدالجبار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہارے کام نے بھی اسی طرح متاثر کیا تو میری یہ کوشش ہوگی کہ تم اس کمپنی کو چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ماسٹرز تو جاب جاری رکھتے ہوئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال......'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر نہایت ہی سنجیدگی سے بولا۔ ''یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم جوائن کرو اور کام کرکے دکھاؤ۔ اس کے بعد سوچیں گے، آگے کیا کرنا ہے۔''

آئندہ روز سے وردہ آفس جانے لگی۔ ''کریسنٹ ٹریڈنگ کمپنی'' کا کام دور دور تک پھیلا

ہوا تھا۔ یہ ایک بڑی آرگنائزیشن تھی۔ وردہ کو وہاں کام کرتے ہوئے بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ کریم عبدالجبار کا ایک جملہ اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اس کے باس نے کہا تھا کہ پہلے وہ کام کر کے دکھائے پھر اس کے جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسے چند ماہ کے بعد اس ملازمت کو چھوڑنا تو تھا لیکن اس کے مزاج میں چیلنجز قبول کرنے کا رجحان بھی تھا۔ اس نے کریسنٹ ٹریڈنگ کمپنی میں کام کے پہلے روز ہی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے باس کو ایسا کام کر کے دکھائی گی جسے وہ کبھی نہ بھول سکے۔ وہ چند ماہ بعد چاہے کمپنی چھوڑ کر چلی جائے مگر اس کی یادیں کمپنی کے ایک ایک گوشے اور وہاں کام کرنے والے ایک ایک شخص کے ذہن میں چکراتی رہیں۔

''کریسنٹ'' چونکہ ایک بڑی ٹریڈنگ کمپنی تھی لہٰذا دوسری کمپنیز سے اس کا واسطہ پڑتا رہتا تھا اور انہی کمپنیز میں ایک ''سی گل شپنگ کمپنی'' بھی تھی جس کا نمائندہ آصف نامی ایک شکیل و وجیہہ شخص اکثر و بیشتر کریسنٹ کے آفس میں آتا رہتا تھا۔ اول روز ہی سے آصف، وردہ کو اچھا لگا تھا۔

یہ اچھا لگنا ایک عام سا تاثر تھا جیسے ہم مارکیٹ جائیں اور کسی دکان پر رکھی ہوئی بہت سی اشیاء میں سے ہمیں کوئی ایک چیز پسند آ جائے۔ لیکن جلد ہی وردہ کو یہ احساس ہونے لگا کہ اس کی پسندیدگی کسی چیز کے ''انتخاب'' والی نہیں تھی بلکہ اس نے اگر درجنوں افراد میں سے کسی ایک کو پسند کیا تھا تو اس کے پیچھے اس کی کسی مخصوص سوچ کا ہاتھ تھا، کسی دلی جذبے کی کارفرمائی تھی۔

وہ اپنے جذبات اور احساسات کو ٹٹولنے اور کریدنے میں مصروف تھی کہ ایک روز اسے پتہ چلا، آصف بھی بڑی تیزی سے اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے بعد ان کے بیچ جو کچھ ہوا اسے الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ دونوں تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے اور باہمی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ وردہ دو چار ماہ کے لئے جاب کرنے گھر سے نکلی تھی لیکن واپسی کا راستہ بھول گئی۔ کریسنٹ کمپنی کے دفتر میں آصف سے اس کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ وہ اس دفتر کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ جب اس نے خود ملازمت چھوڑنے کی بات نہیں کی تو کریم عبدالجبار نے بھی اسے یاد دلانا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ وردہ کے کام سے مطمئن تھا لہٰذا اس نے اس کے معاملات کو ٹٹولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ وردہ، آصف میں خصوصی دلچسپی لے رہی تھی۔ ساتھ کام کرنے والے اس نوعیت کے معاملات پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں حالانکہ وردہ نے

ہمیشہ یہ کوشش کی تھی کہ دفتر میں آصف سے کم سے کم بات کرے۔ اس کی احتیاط اپنی جگہ لیکن تاڑنے والی نگاہ بڑے غضب کی ہوتی ہے۔ چاول کے ایک دانے کو دیکھ کر دیگ کی کیفیت بھانپ لیتی ہے۔

وہ دونوں آفس میں کم اور باہر زیادہ ملتے تھے۔ آئس کریم اسپاٹس، ریسٹورنٹس اور سی سائیڈ ان کے ملن کے پسندیدہ مقامات تھے۔ ان کے درمیان پروان چڑھنے والے محبت اور اُلفت کے یہ معاملات کچھ عرصے تک تو ٹھیک ٹھاک چلتے رہے پھر ایک روز جیسے وردہ کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ کریم عبدالجبار نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور ایک نہایت ہی گمبھیر موضوع پر خاصی سنجیدہ گفتگو کرنے لگا۔

''وردہ!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنی کمپنی میں کام کرنے والوں کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہوں اور ان کے ذاتی معاملات سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ ان کے ذاتی معاملات کمپنی کے کام کو متاثر کرنے لگیں۔''

کریم عبدالجبار نے لحاتی توقف کیا تو وردہ نے اُلجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ''سر! کیا میری ذات سے میری کمپنی کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟''

''کس عمل سے کس کو فائدہ پہنچا اور کس نے نقصان اٹھایا، اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' کریم عبدالجبار نے بدستور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اس وقت میں نے تمہیں چند ضروری باتیں کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا ہے، پہلے ہم وہ باتیں کر لیں تو زیادہ مناسب ہوگا!''

وردہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

کریم عبدالجبار نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''وردہ! مجھے کوئی حق تو نہیں پہنچتا کہ تمہارے نجی معاملات پر بات کروں لیکن یوں سمجھو کہ مجھے تم سے ایک خاص قسم کی ہمدردی ہے۔ تم میرے ادارے کی ایک اچھی ورکر ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری کوئی بے خبری تمہیں کسی جذباتی صدمے سے دوچار کر دے، اس لئے سوچا کہ آج تم سے دوٹوک بات کر ہی لوں۔''

وردہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا باس کس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ اس صورتِ حال نے اس کی اُلجھن میں اضافہ کر دیا۔ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ ''سر! میں بھی یہی چاہوں گی کہ آپ کو جو کہنا ہے، صاف اور واضح الفاظ میں کہہ ڈالیں۔ مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔''

کریم عبدالجبار نے کہا۔ ''میں نے ابھی تمہاری جس بے خبری اور جذباتی صدمے کا ذکر

کیا ہے......اس کا تعلق سی گل شپنگ کمپنی کے نمائندے آصف محمود سے ہے۔"

"آصف سے........؟" وہ متذبذب نظر سے اپنے باس کو دیکھنے لگی۔

"مجھے پتہ چلا ہے، آصف آج کل تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

وردہ صاف گو اور نڈر قسم کی لڑکی تھی۔ ایک لمحے میں اس نے سوچے بغیر جواب دیا۔ "سر! یہ دلچسپی دوطرفہ ہے۔"

"ہوں.....!" کریم عبدالجبار نے معنی خیز انداز میں ہونٹ سکیڑے اور اپنی میز کی چیزوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب، تم آصف کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو!"

"سر! آپ ہی بتا دیں۔" وردہ نے متاملانہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ کے انداز کو سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔"

کریم عبدالجبار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرے اندازے کے مطابق، آصف تم میں سنجیدہ نہیں........وہ محض ٹائم پاس کر رہا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے سر!" وردہ نے نیم احتجاجی لہجے میں کہا۔ "جتنی سنجیدہ میں ہوں، وہ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"شادی؟" کریم عبدالجبار نے بے یقینی سے وردہ کو دیکھا۔

"جی سر! شادی۔" وہ سادگی سے بولی۔ "لیکن آپ اس بات پر اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں؟"

"کیا تم ایک شادی شدہ شخص سے شادی کے لئے تیار ہو؟"

"شادی شدہ؟........یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟"

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا ہے۔" کریم عبدالجبار ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "آصف نہ صرف شادی شدہ ہے بلکہ اس کے دو خوبصورت بچے بھی ہیں۔ کیا اس نے تمہیں اپنی شادی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"نن........نہیں!" وہ شدید اُلجھن کا شکار تھی۔

"اس سے تم آصف کی سنجیدگی کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتی ہو۔" کریم عبدالجبار نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "وہ اپنی شادی کو چھپا کر تم سے محبت کا کھیل، کھیل رہا ہے اور تمہیں یہ یقین بھی دلا رکھا ہے کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔ اب تو تم اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی کہ میں نے تمہیں کیا بتانے کے لئے اپنے پاس بلایا ہے۔"

"سر! آپ تجربہ کار، جہاں دیدہ اور میرے لئے قابل اعتبار انسان ہیں لہٰذا میں سمجھتی

ہوں، آپ نے کوئی غلط بیانی نہیں کی ہو گی۔" وردہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میں آپ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں آصف سے بات کروں گی۔ دیکھتی ہوں، اس سلسلے میں وہ کیا صفائی پیش کرتا ہے۔"

کریم عبدالجبار نے کہا۔ "اگر وہ حقائق سے انکار کرنے کی کوشش کرے تو تم اس سے کہہ سکتی ہو، اس کی شادی کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا ہے۔ پھر وہ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکے گا۔"

"ٹھیک ہے سر! آپ کا حوالہ خاصا معتبر رہے گا۔"

وردہ سوال و جواب کے اس سیشن میں خاصی معقولیت کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن دل سے اس کی خواہش یہی تھی کہ کریم عبدالجبار کا کہا غلط ثابت ہو اور آصف ویسا ہی نکلے جیسا وہ اسے سمجھ رہی ہے۔

یہ صرف وردہ ہی کا نہیں بلکہ ہر محبت کرنے والے، ہر اعتماد کرنے والے شخص کا مسئلہ ہے کہ اس کی نظر میں جو بھی معتبر ہو، وہ اس میں کوئی کمی، کوئی خامی یا کوئی کجی دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی محبت، اپنے اعتبار کو ہر زاویے سے بے داغ اور مکمل دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

کریم عبدالجبار نے آخر میں بڑے نکتے کی بات کی۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے، جب اسے معلوم ہو کہ تم اس کی حقیقت سے آگاہ ہو چکی ہو تو وہ تم سے دوسری شادی کی بات کرے۔ اس کے ایسے کسی جھانسے میں نہ آنا........ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے!"

"سر! میں کچھ سمجھی نہیں؟" وردہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

"میں سمجھاتا ہوں۔" کریم عبدالجبار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آصف اس وقت جو کچھ بھی ہے وہ اپنی بیوی شبانہ کی وجہ سے ہے۔ گھر، گاڑی، عیش و آرام اور شاندار جاب سب شبانہ کی رہین منت ہے۔ شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ شبانہ، سی گل شپنگ کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کی بیٹی ہے اور اسی ڈائریکٹر کے بل بوتے پر آصف نے اتنی ترقی کی ہے۔"

وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا تو وردہ شدتِ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ کریم عبدالجبار نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے جو کہا ہے نا کہ آصف کی دوسری شادی ناممکنات میں سے ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ آج جو کچھ بھی ہے، وہ شبانہ ہی کی وجہ سے ہے۔ ایک طفیلیہ، دوسری شادی جیسے فیصلے کی استطاعت رکھنے کی پوزیشن میں کبھی نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے سر! میں آصف سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔" وردہ نے فیصلہ کن لہجے میں

کہا۔ ''بہر حال، اتنی اہم اور سنسنی خیز معلومات فراہم کرنے پر میں آپ کی شکر گزار ہوں۔''

''وہ تمہارے استفسارات کے جواب میں جو کچھ بھی کہے، وہ مجھے آ کر بتانا۔'' کریم عبدالجبار نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

وردہ نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے باس کے کمرے سے نکل آئی۔

دو روز بعد وہ آصف کے ساتھ ساحلِ سمندر کے ایک پُرسکون اور الگ تھلگ گوشے میں موجود تھی۔ ان کے درمیان جب محبت بھری رسمی باتیں ہو چکیں تو وردہ نے ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے اس سے کہا۔

''آصف! تم نے مجھے کبھی اپنی نجی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جبکہ میں تمہیں اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں پوری تفصیل سے بتا چکی ہوں۔''

آصف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ٹٹولنے والے انداز میں بولا۔ ''میرا خیال ہے، آج تک تم نے مجھ سے جو بھی سوال کیا ہے، میں نے اس کا مناسب جواب دیا ہے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ تم اس قسم کی باتیں کیوں لے بیٹھی ہو؟...... ہم اچھے خاصے خوش گوار موڈ میں ہیں......''

''تم نے آج تک مجھے جو کچھ بھی بتایا ہے، اس کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے سی گل شپنگ کمپنی سے رہا ہے۔'' وردہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔ ''جبکہ اس وقت میں تمہاری فیملی لائف کی بات کر رہی ہوں۔''

آصف کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تاہم خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''ہاں، ہاں...... پوچھو...... تم میری فیملی لائف کے بارے میں کیا جاننا چاہتی ہو؟''

''آصف! تمہارے حوالے سے مجھے ایک نہایت ہی اہم بات کا پتہ چلا ہے۔'' وردہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے اس بات کی تصدیق یا تردید سننا چاہتی ہوں۔''

''کک...... کون سی بات؟'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''کیا تم شادی شدہ ہو؟'' وردہ نے ٹھوس انداز میں پوچھا۔

آصف کی بوکھلاہٹ میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ نگاہ چراتے ہوئے مفرور لہجے میں بولا۔ ''تمہیں یہ بات کس نے بتائی ہے؟''

''اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کیا؟'' وردہ نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اگر تم

شادی شدہ نہیں ہو تو انکار میں جواب دے دو...... بس بات ختم۔''

''جواب تو میں تمہیں دے ہی دوں گا۔'' آصف نے متاملانہ انداز میں کہا۔ ''لیکن پتہ تو چلے، آخر میرے خلاف کس نے تمہارے کان بھرے ہیں؟''

وردہ نے گمبھیر لہجے میں صورتِ حال اس پر واضح کر دی۔ ''مجھے اپنے باس کریم عبدالجبار صاحب کی زبانی پتہ چلا ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔ تمہارے دو ننھے منے بچے ہیں اور تمہاری بیوی شبانہ، سی گل شپنگ کمپنی کے ایک ڈائریکٹر مسٹر مجید انور کی بیٹی ہے...... اور......'' وہ لمحے بھر کے لئے سانس درست کرنے کو رکی پھر طنزیہ انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اور...... یہ کہ تمہاری ہینڈسم جاب، شاندار بنگلہ، چمچماتی گاڑی اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ سب شبانہ ہی کے دم قدم سے ہیں...... ہوں؟''

آصف یکا یک ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو گیا۔ جب کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا تو شکست خوردہ انداز میں ایک بوجھل اور مضمحل سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''وردہ! تم نے جو بھی سنا، وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

وردہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر کانچ کی کوئی نازک سی شے چھناکے سے ٹوٹ گئی ہے۔ تاہم وہ ان جذباتی لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو اس نوعیت کی سچویشن میں رونا دھونا شروع کر دیتی ہیں۔ اس نے خود کو سنبھالے رکھا اور نہایت ہی معتدل لہجے میں آصف سے دوبارہ پوچھا۔

''اور...... تم نے یہ ٹھوس حقیقت مجھ سے چھپا رکھی ہے؟''

''میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بس مجھے کسی مناسب موقع کا انتظار تھا۔'' صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔

''آصف!'' وردہ نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اس بات کا کوئی دکھ نہیں کہ تم ایک شادی شدہ شخص ہو، تاہم اس کھلی حقیقت کو مجھ سے چھپا کر تم نے میرے اعتماد کی فلک بوس عمارت کو زمین بوس کر دیا ہے...... تم نے ایک پاکیزہ تعلق، ایک محبت اور ایک بھروسے کی تذلیل کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی آصف!''

''تم جذباتی ہو رہی ہو وردہ!'' وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''سمجھنے کی کوشش کرو۔ صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ......''

''اگر میں جذباتی ہو رہی ہوتی تو......'' وردہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ''میرے ہاتھوں کا شکنجہ اس وقت تمہاری گردن میں کسا ہوا ہوتا...... یا پھر ایک طرف بیٹھی بے بسی کے

آنسو بہا رہی ہوتی۔" وہ لمحے بھر کو رکی، برما دینے والی نظروں سے آصف کو دیکھا اور مستحکم لہجے میں بولی۔" میں کوئی بزدل یا کمزور لڑکی نہیں ہوں آصف! میں ایک حقیقت پسند لڑکی ہوں اور حقیقت آشکار ہوتے ہی میں نے ایک ٹھوس فیصلہ کر لیا ہے......... ابھی اور اسی لمحے سے ہمارے بیچ دوستی، محبت یا تعلق نام کی کوئی شے باقی نہیں رہے گی۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔"

بات ختم کرتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ آصف نے جلدی سے کہا۔" وردہ! فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو۔ ہم اب بھی ایک ہیں۔"

"ہم کس حیثیت سے ایک ہیں مسٹر آصف؟" وہ سپاٹ لہجے میں مستفسر ہوئی۔

وہ بات بناتے ہوئے بولا۔" وردہ! ہمارے درمیان ایک گہرا تعلق ہے۔ ہم بہت اچھے دوست ہیں۔ اور تم جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

"ان کھوکھلی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا آصف!" وردہ نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"جن سے دوستی ہو، جن سے محبت ہو، ان سے کچھ بھی چھپایا نہیں جاتا۔"

"میں نے کہا نا، میں تمہیں اپنی شادی کے بارے میں بتانے ہی والا تھا۔" وہ وردہ کے اعتماد کو بحال کرنے کی آخری کوشش کرتے ہوئے بولا۔" مجھے تم سے محبت ہے وردہ! اور یقین کرو، میں تم سے شادی کرنے کے لئے سنجیدہ ہوں۔"

"اور تمہارے بیوی بچوں کا کیا ہو گا؟" وردہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔" کیا شبانہ سوتن اور تمہارے دونوں بچے کسی سوتیلی ماں کو برداشت کر لیں گے؟"

"ہماری شادی کا انہیں پتہ نہیں چلے گا۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"یعنی تم چھپ کر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"ہماری شادی چھپ کر نہیں ہو گی۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔" بس شبانہ اور اس کے خاندان والوں کو اس شادی کی کوئی خبر نہیں ہو گی۔"

"کیا تم مجھے کوئی احمق اور بے وقوف لڑکی سمجھتے ہو آصف؟" وردہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"نن......... نہیں۔" وہ اٹکتے ہوئے بولا۔" تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو وردہ؟"

وردہ نے تلخی بھرے انداز میں کہا۔" کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ جاننے کے باوجود بھی تم نہ صرف شادی شدہ ہو بلکہ دو بچوں کے باپ بھی ہو، میں تم سے شادی کے لئے تیار ہو جاؤں گی؟"

"اس میں حرج ہی کیا ہے وردہ!" وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔" دوسری شادی کا مجھے پورا حق ہے، میں بھی شبانہ کے ساتھ خوش نہیں ہوں اس لئے........"

وردہ نے فوراً اس کی بات اچک لی۔" اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ خوش نہیں ہو تو اسے چھوڑ دو۔ اس کے بعد دوسری شادی کے بارے میں سوچنا......... میں غلط تو نہیں کہہ رہی نا؟"

"وردہ! تم معاملات کو سنبھالنے کی بجائے بگاڑنے والی باتیں کر رہی ہو۔" وہ بیزاری سے بولا۔" مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں شادی کے بعد تمہیں الگ گھر میں رکھوں گا، تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا۔ ہم اس گھر میں بہت خوش رہیں گے۔ تم شبانہ کو بیچ میں نہ لاؤ۔ سمجھو وہ کہیں ہے ہی نہیں۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی آصف!" وردہ نے چٹانی لہجے میں کہا۔" میں ایک حقیقت پسند لڑکی ہوں اور حقائق سے نگاہ چرانے والوں کو احمقوں کی جنت کا باشندہ سمجھتی ہوں۔ میں اتنی بڑی سچائی کو کیسے نظر انداز کر سکتی ہوں کہ شبانہ تمہاری بیوی ہے جس سے تمہارے دو بچے بھی ہیں۔"

"شبانہ کو مسئلہ نہیں بناؤ وردہ!" وہ ان لمحات میں سخت اُلجھن کا شکار نظر آیا۔" وہ اگر آج میری بیوی ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کل وہ میری بیوی نہ رہے......... تم کچھ عرصے تک انتظار نہیں کر سکتیں؟"

وردہ نے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرتے ہی یہ اٹل فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی بھی صورت وہ آصف سے کوئی سنجیدہ تعلق نہیں رکھے گی۔ شادی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ جو لوگ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ حالات کی ہر سچویشن کو خود پر رکھ کر دیکھنے کے بھی عادی ہوتے ہیں۔ وردہ نے یہی سوچا تھا کہ اگر شبانہ کی جگہ وہ ہوتی اور آصف اسے چھوڑ کر کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنے کی بات کرتا تو اس کے احساس اور سوچ پر کیا گزرتی......... یا یہ کہ وہ ابھی آصف کی باتوں میں آ کر شادی کر لیتی تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے، وہ آگے چل کر تیسری کے چکر میں گرفتار نہیں ہو گا؟ آصف کی غلط بیانی اور مشکوک انداز نے اسے باور کرا دیا تھا کہ وہ بھروسے کے لائق نہیں۔ لیکن وہ اسے لاجواب کرنے کے بعد رخصت ہونا چاہتی تھی، اس لئے اس کی وضاحت کے جواب میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"آصف! شبانہ آج تمہاری بیوی ہے اور میں صرف اسی حقیقت پر فوکس ہوں۔ کل کیا ہو گا، میں نہیں جانتی......... اور میں جس شے کے بارے میں کنفرم نہیں ہوں، اس کے انتظار پر یقین نہیں رکھتی۔ میرا خیال ہے، تم میری بات اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔"

آصف نے برا سا منہ بنایا اور اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔" آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"میں کچھ نہیں چاہتی بلکہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔" وردہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔" اور اس شادی کے لئے ضروری ہے کہ تم شبانہ کو فوری طور پر چھوڑ دو۔"

"فوری طور پر تو یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔
"لیکن میرا خیال تم سے مختلف ہے۔" وردہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
وہ اُلجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"میرا خیال ہے کہ تم فوراً شبانہ کو چھوڑ سکتے ہو اور نہ ہی کچھ عرصے کے بعد...... بلکہ تم ایسی حماقت کبھی بھی نہیں کر سکتے۔" وردہ نے ایک تلخ حقیقت کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔
"کیونکہ آج تم جو کچھ بھی ہو وہ شبانہ کے ڈیڈی مجید انور کے دستِ کرم کی وجہ سے ہو۔ مجید انور نے تم پر یہ ساری مہربانی اور عنایت اپنی بیٹی کے سُکھ، چین اور آرام کے لئے کی ہے۔ تم اس جی جمائی پُرتعیش اور راحت بھری زندگی کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ادھر تم نے شبانہ سے منہ موڑا، ادھر تم عرش سے فرش پر آ گرو گے۔ میرا خیال ہے، تم گھاٹے کا یہ سودا کبھی بھول کر بھی نہیں کرو گے...... پھر میں تم سے کوئی اُمید کیوں رکھوں؟ اور ویسے بھی......"
وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوئی پھر گہری سنجیدگی سے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔ "شبانہ اور اس کے ڈیڈی کے ہاتھوں میں تمہاری حیثیت ایک زرخرید کھلونے جیسی ہے اور میں...... کسی کا کھلونا چھین کر کھیلنے کی حامی نہیں ہوں۔ اس لئے...... مجھے بھول جاؤ آصف! سمجھ لو ہم کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ اگر آج کے بعد تم نے مجھ سے ملنے یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا...... سوائے میرا درد بڑھانے کے!"
اور اس روز کے بعد سے وردہ پھر آصف سے کبھی نہیں ملی۔ کریسنٹ ٹریڈنگ کمپنی میں آصف کی آمد و رفت تھی لہٰذا وردہ نے پہلی فرصت میں اس جاب کو خیر باد کہہ دیا۔ کمپنی کے مالک کریم عبدالجبار کو اس نے حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس ملازمت کو جاری رکھنا اب اس کے بس میں نہیں رہا۔ وہ کسی بھی صورت آصف کا سامنا کرنے کی روادار نہیں۔
کریم عبدالجبار نے اس کے سامنے چند تجاویز رکھیں جن پر عمل کر کے وہ اپنی ملازمت کو جاری رکھ سکتی تھی لیکن جب اسے کسی بھی طور آمادۂ کار نہ پایا تو بڑی فراخ دلی سے کہا۔
"ٹھیک ہے وردہ! میں تم پر زیادہ زور نہیں ڈالوں گا۔ ایک اچھے ورکر کے طور پر تم ہمیشہ مجھے یاد رہو گی۔ تمہیں جب بھی کسی قسم کی کوئی ضرورت پیش آئے، تم بلا جھجک میرے پاس آ سکتی ہو۔ تمہارے کام آ کر مجھے خوشی حاصل ہو گی۔"
وردہ نے کریم عبدالجبار کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے نکل آئی۔
ابتداء میں آصف نے اس سے رابطہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ وردہ کے گھر سے بھی

واقف تھا لیکن وردہ نے اپنی ذات کے سامنے "نو لفٹ" کا بورڈ آویزاں رکھا۔ آخر تھک ہار کر آصف مایوس ہو گیا اور اس نے وردہ کا پیچھا چھوڑ دیا۔
اس دوران ماسٹرز کی کلاسز بھی شروع ہو چکی تھیں۔ وردہ نے کوشش کر کے اپنی پڑھائی کا سلسلہ بحال کیا اور کتابوں میں ڈوب کر اس غم کو فراموش کر دیا جو آصف کی غلطی کے باعث اسے ملا تھا۔ وردہ کے گھر والے اس معاملے سے قطعی ناواقف تھے اس لئے بھی بات نبھ گئی اور خود کو سنبھالنے میں وردہ کو زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔
دو سال پَر لگا کر اُڑ گئے۔ وردہ تعلیم سے فارغ ہوئی تو والدین کو اس کی شادی کے خیال نے ستایا۔ انہی دنوں اس کے لئے ایک اچھا رشتہ بھی آ گیا۔ مظفر علی ایک بنک میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ عدیل احمد اور امینہ بیگم کو یہ رشتہ بہت پسند آیا۔ انہوں نے وردہ سے بات کی۔ وردہ کی حقیقت پسندی نے کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی نہ ہونے دی۔ چند دن کی سوچ بچار کے بعد اس نے مظفر علی کے رشتے کے لئے ہاں کر دی۔ اس کے بعد کے مراحل طے ہونے میں زیادہ دن نہیں لگے۔ دونوں خاندانوں کے باہمی میل ملاپ نے انہیں بہت جلد منگنی شدہ کر دیا اور چند ماہ کے بعد شادی کے لئے تاریخ بھی طے کر لی گئی لیکن شادی سے کچھ عرصہ پہلے وردہ کی زندگی میں ایک اور خطرناک موڑ آیا۔
ایک روز وہ مارکیٹ سے نکل کر گھر کی طرف جا رہی تھی کہ ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔ اس نے بھی اپنے قدم روک دیئے اور سوالیہ نظر سے کار والے کی جانب دیکھنے لگی۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوش لباس شخص بیٹھا تھا۔ وہ وردہ کے لئے ایک اجنبی چہرہ تھا اور یہی اس کی حیرت اور اُلجھن کا باعث تھا۔ وہ شخص خاصا سنجیدہ اور مہذب بھی دکھائی دیتا تھا۔
اس سے قبل کہ وردہ اس سے کوئی سوال کرتی، مذکورہ شخص نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر شائستہ لہجے میں کہا۔ "اس طرح راستے میں رکنے اور آپ کو روکنے کے لئے میں انتہائی معذرت خواہ ہوں۔ لیکن کام اتنا ضروری ہے کہ مجھے یہ سب کرنا پڑا۔ آپ مائنڈ نہ کیجئے گا۔"
"لیکن آپ ہیں کون؟" وردہ نے اُلجھن زدہ لہجے میں دریافت کیا۔ "اور آپ کو مجھ سے ایسا کون سا ضروری کام پڑ گیا؟"
"میرا نام منصور خان ہے۔" اس شخص نے بدستور شائستہ لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن مجھے معلوم ہے، آپ وردہ ہیں جو دو سال پہلے میکلوڈ روڈ پر واقع ایک ٹریڈنگ کمپنی میں کام کرتی تھیں جہاں آصف نامی کسی شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی جو بعد میں گہری دوستی میں بدل گئی اور اب آپ شادی کرنے جا رہے تھے لیکن پھر......!"

منصور خان نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو وردہ یک دم بے چین ہو گئی۔ آصف کے ذکر نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ پتہ نہیں، یہ شخص کون تھا اور اسے کیا بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے قدرے سخت لہجے میں استفسار کیا۔ ''منصور صاحب! آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟''

''دراصل......'' وہ زیرِ لب مسکراتے ہوئے مکاری سے بولا۔ ''آصف اور آپ کے حوالے سے میرے پاس کچھ یادگار چیزیں ہیں جو میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ میں نے کافی عرصے سے انہیں سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں، اب موقع آ گیا ہے کہ میں ان نادر اشیاء کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ ان کی صحیح قدرداں آپ ہی ہو سکتی ہیں۔''

''مجھے آصف اور اس سے متعلق کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وردہ نے کھرے پن سے کہا۔ ''اس لئے آپ ان یادگار اشیاء کو اپنے پاس سنبھالے رکھیں۔''

وردہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ منصور خان، آصف اور اس سے متعلق کن اشیاء کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ آخر تھا کون اور یوں اچانک اس کے سامنے کیوں آ گیا تھا!

''میڈم!'' منصور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ ان اشیاء کو ایک نظر دیکھ لیں تو یقیناً آپ کو گہری دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ میں متعلقہ آدمی کے انتخاب میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اگر ان چیزوں کو دیکھ کر آپ پھڑک نہ اُٹھیں تو میرا نام بھی منصور خان نہیں۔''

منصور خان کے مشکوک انداز نے وردہ کو گہری تشویش میں مبتلا کر دیا۔ اس کا اعتماد ظاہر کرتا تھا کہ معاملہ سنگین نوعیت کا حامل ہے ورنہ وہ اس طرح روک کر اس سے بات نہ کرتا۔ وردہ کو اُلجھن میں مبتلا، خاموش کھڑے دیکھا تو منصور نے کہا۔

''یوں راستے میں کھڑے ہو کر آپ سے لمبی چوڑی باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ پاس سے گزرنے والوں پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ آپ ایسا کریں کہ......'' جملہ نامکمل چھوڑ کر وہ اپنی جیبوں کو ٹٹولنے لگا۔

وردہ کو اس بات سے قدرے اطمینان ہوا کہ منصور کو اس کی پوزیشن کا خیال تھا۔ ویسے ایک بات تھی کہ منصور کے انداز اور انکشاف نے اس کے اندر ایک نامعلوم سا تجسس اُبھارا تھا۔ وہ خود اس بات کی متمنی تھی کہ دیکھے منصور اسے کون سی یادگار اور نادر اشیاء دکھانا چاہتا ہے۔ ایک عرصہ ہوا، آصف سے اس کا رابطہ نہیں ہوا تھا۔ جب وہ آصف کے حوالے سے تمام تعلق اور واسطے توڑ چکی تھی تو پھر رابطے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آج اچانک اس کا ذکر سننے کو ملا تو وہ منصور خان کی پیش کش پر غور کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اس دوران منصور خان نے اپنے بٹوے میں سے وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اسے وردہ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے تک یہاں موجود ہوتا ہوں۔ آپ تشریف لائیں گی تو آپ سے تفصیلی بات ہو گی۔ لیکن......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر تنبیہی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اس نیک کام میں تاخیر مناسب نہیں ہو گی۔ بس آج کل ہی میں تھوڑی فرصت نکال لیں۔ ویسے بھی آپ کی شادی میں زیادہ عرصہ باقی نہیں ہے!''

منصور خان کے آخری جملے نے وردہ کو بری طرح چونکا دیا۔ وہ اجنبی اس کی شادی کے بارے میں بھی بڑی پُر وثوق معلومات رکھتا تھا۔ وردہ نے بے اختیار ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا وزیٹنگ کارڈ لے لیا۔ اسی لمحے منصور خان نے اسے ''اللہ حافظ'' کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

وردہ ہکا بکا کھڑی اس کی گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب وہ گاڑی نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو اس نے منصور خان کے وزیٹنگ کارڈ پر نظر ڈالی اور چونک اُٹھی۔

وہ ایک اسٹیٹ ایجنسی کا کارڈ تھا...... ''آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی۔'' پتہ اس کارڈ پر سولجر بازار کا لکھا ہوا تھا۔ کارڈ پر باقاعدہ کسی شخص کا نام پرنٹ نہیں کیا گیا تھا۔ وہاں صرف ایجنسی کا نام، فون نمبر اور ایڈریس درج تھا۔ البتہ کارڈ کی پیشانی پر فونٹین پین سے ''منصور خان'' لکھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مذکورہ کارڈ کو اپنے پرس میں رکھا اور قدم گھر کی جانب بڑھا دیئے۔

گھر پہنچ کر وردہ کا ذہن منصور خان اور اس سے ہونے والی گفتگو میں اُلجھا رہا۔ اُس نے اس واقعے کے بارے میں اپنے گھر والوں سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ انہیں بتاتی بھی تو کیا بتاتی۔ جب تک کوئی واضح صورتِ حال سامنے نہ آ جاتی، والدین سے اس معاملے کا تذکرہ بے معنی تھا۔ وردہ کے گھر میں ٹیلی فون کی سہولت موجود تھی۔ ایک فوری خیال کے تحت وہ ٹیلی فون کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے سوچا کہ اسے ''آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی'' فون کرنا چاہئے۔

اتفاق سے اس وقت گھر میں وہ اکیلی ہی تھی۔ امینہ بیگم اپنی پڑوسن کے پاس بیٹھی وردہ کی شادی کی تیاریوں کے معاملات پر گفتگو کر رہی تھی۔ عدیل احمد ابھی دکان سے واپس نہیں آیا تھا اور چھوٹا بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں نکلا ہوا تھا۔ وردہ نے آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کے نمبرز ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا کر کھڑی ہو گئی۔

پہلی ہی گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا پھر ایک بھاری بھر کم آواز وردہ کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''آشیانہ ایجنسی۔''

فون اُٹھانے والے نے وردہ کو اس زحمت سے بچا لیا کہ وہ پوچھتی، آیا یہ آشیانہ اسٹیٹ

ایجنسی ہے؟ استفسار یہ آواز نے وردہ کو یہ بھی بتا دیا کہ بولنے والا منصور خان نہیں تھا۔ یہ آواز منصور خان کی آواز سے قطعی مختلف تھی۔

اس نے پوچھا۔ ''کیا میں منصور خان سے بات کر سکتی ہوں؟''

اس کے ذہن میں یہی آیا کہ فون پر بات کر کے منصور سے تفصیلات حاصل کر لے اور اگر اس طرح کام بن جائے تو اسے ایجنسی نہیں جانا پڑے گا۔ اس کے استفسار پر دوسری جانب سے جواب دیا گیا۔ ''خان صاحب دوپہر دو بجے سے پہلے ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں؟ کوئی میسج ہو تو بتا دیں۔''

وردہ کو یاد آیا کہ منصور خان نے بتایا تھا، وہ صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے تک ایجنسی میں موجود رہتا ہے اور اس وقت رات کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میسج کوئی نہیں، میں کل دن میں بات کر لوں گی۔ آپ کون بول رہے ہیں؟''

''میرا نام تحسین بابر ہے۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''اور میں آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کا مالک ہوں۔ پراپرٹی کے بارے میں کوئی بات کرنا ہو تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔''

وردہ نے نفی میں جواب دیا۔ ''زمین و جائیداد کا کوئی معاملہ نہیں۔ مجھے منصور خان سے ایک ذاتی کام تھا۔'' لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھ لیا۔ ''کیا منصور خان اسٹیٹ کے اس بزنس میں آپ کا پارٹنر ہے؟''

''نہیں، وہ پارٹنر نہیں۔'' تحسین بابر نے جواب دیا۔ ''اور نہ ہی وہ میرا ملازم ہے۔''

''پھر وہ کس حیثیت میں آپ کی ایجنسی میں بیٹھتا ہے؟'' وردہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''دراصل، بات یہ ہے کہ منصور میرا بچپن کا دوست ہے۔'' تحسین نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''بنیادی طور پر وہ ایک فری لانس فوٹو گرافر ہے۔ اس کے پاس دوپہر سے پہلے کا وقت فری ہوتا ہے۔ اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ دوپہر سے پہلے چند گھنٹے کے لئے میری ایجنسی پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ فرمائش مجھے خاصی دلچسپ اور پُرکشش محسوس ہوئی۔ میں ایک سرکاری محکمے میں ملازم ہوں۔ وہاں میں نے ایسی سیٹنگ بنا رکھی ہے کہ دوپہر تک فارغ ہو جاتا ہوں۔ پہلے میری ایجنسی دوپہر کے بعد کھلا کرتی تھی۔ جب سے منصور نے یہاں بیٹھنا شروع کیا ہے، یہ صبح دس بجے کھل جاتی ہے۔ وہ یہاں بیٹھا میری فون کالز بھی اٹینڈ کرتا اور کلائنٹس کو مفید مشورے بھی دے دیتا ہے۔ اس میں میرا کاروباری بھلا ہے۔'' وہ تھوڑی دیر کے لئے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''آپ بھی سوچ رہی ہوں گی، میں کس قدر باتونی انسان ہوں........ اور اپنی باتوں کے دوران میں نے آپ کو یہ بھی بتا دیا کہ میں سرکاری ملازمت کے ساتھ ہی اپنا ایک ذاتی کام بھی کر رہا ہوں۔ ویسے لوگوں کو میں نے کچھ اور ہی بتا رکھا ہے۔ میرا محکمہ مکانات کی خرید و فروخت اور دیگر دستاویزات ہی سے متعلق ہے جس میں کام کرنے کے باعث اسٹیٹ کے کام میں مجھے خاصی آسانی رہتی ہے، اس لئے معمولی تنخواہ والی وہ نوکری چھوڑ نہیں سکتا۔ آپ میرا یہ راز کسی اور کو تو نہیں بتائیں گی نا؟''

''ہرگز نہیں۔'' وردہ نے اس باتونی اسٹیٹ ایجنٹ کے استفسار کے جواب میں قطعیت سے کہا۔ ''آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ میں آپ کی یہ باتیں چند منٹ کے بعد بھول جاؤں گی۔'' وہ لمحے بھر کے لئے سانس ہموار کرنے کو رکی، پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''ویسے آپ کا یہ دوست منصور خان ایجنسی میں بیٹھا کیا کرتا رہتا ہے؟''

''بس بیٹھتا ہے اور اپنے فوٹو گرافی کے معاملات کو دیکھتے ہوئے وقت گزارتا ہے۔'' تحسین نے گول مول جواب دیا۔ ''وہ دوپہر کے بعد ہی فیلڈ میں نکلتا ہے۔''

وردہ نے اس سے زیادہ جرح کرنا مناسب نہ جانا اور یہ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ تحسین صاحب! میں کسی روز صبح کے وقت منصور خان کو فون کر لوں گی۔''

اس فون کے بعد وردہ کی اُلجھن میں اور اضافہ ہو گیا۔ ایک پروفیشنل فری لانس فوٹو گرافر پتہ نہیں اسے اس کے اور آصف سے متعلق کس نوعیت کی یادگار چیزیں دکھانا چاہتا تھا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ اشیاء فوٹو گرافز ہو سکتے ہیں........ اس کے اور آصف کے فوٹو گرافز........!

اس سوچ نے وردہ کو گہری تشویش میں مبتلا کر دیا۔

اگلے روز وہ دوپہر سے پہلے جا کر منصور خان سے ملی۔ وہ چونکہ پہلے اسے اس روز گاڑی میں دیکھ چکی تھی، اس لئے پہچاننے میں کسی قسم کی کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ منصور اس وقت ایجنسی میں اکیلا ہی بیٹھا تھا۔ وردہ پر نظر پڑتے ہی وہ معنی خیز انداز میں زیرِلب مسکرایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گی۔''

''مسٹر منصور! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' وردہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس لئے آپ نے مجھے جو بھی دکھانا ہے، وہ دکھا دیں۔''

"میں بھی وقت کی بہت قدر کرتا ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "اس لئے اپنا اور آپ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کروں گا۔"

بات ختم کرتے ہی اس نے گردن جھکا کر میز کی دراز میں سے ایک درمیانے سائز کا بھورا لفافہ برآمد کیا اور وردہ کی جانب بڑھاتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولا۔ "وہ قیمتی اور نادر تحفہ اس لفافے میں بند ہے۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔"

وردہ نے متذبذب انداز میں اس لفافے کو کھول کر اندر جھانکا تو اسے اس کی توقع کے عین مطابق لفافے میں فوٹو گرافز رکھے نظر آئے۔ اس نے دھڑکتے دل سے وہ فوٹو گرافز باہر نکال لئے اور اضطراری نظر سے ان کا جائزہ لینے لگی۔

وہ تعداد میں چار اور سائز میں پانچ بائی سات انچ کے فوٹو گرافز تھے اور چاروں رنگین...... ان فوٹو گرافز میں وردہ اور آصف ایک دوسرے کے انتہائی قریب دکھائی دیتے تھے۔ ان میں دو فوٹو ساحل سمندر کے تھے جہاں وہ ایک الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے مصروف راز و نیاز تھے۔ ایک فوٹو، ایک ایسے ریسٹورنٹ کا تھا جہاں فیملیز کے لئے چھوٹے چھوٹے پرائیویٹ کیبنز بنے ہوئے تھے اور چوتھا فوٹو مزارِ قائد کا تھا جہاں ایک درخت کے نیچے وہ سنگی بنچ پر، ایک دوسرے سے لگے بیٹھے تھے۔ ان چار فوٹو گرافز میں سے ایک ساحل سمندر والا اور دوسرا ریسٹورنٹ کے کیبن والا ایسے فوٹو تھے کہ جنہیں بلاشبہ "قابل اعتراض حالت" کی عکاسی کہا جا سکتا تھا۔ سی ویو اور مزار قائد تو کھلے مقامات ہیں جہاں چھپ کر کسی کی تصویر اتارنا زیادہ مشکل نہیں لیکن ریسٹورنٹ کی پرائیویسی مہیا کرنے والے کیبن میں کھینچا جانے والا فوٹو کسی گہری سازش کا نتیجہ تھا اور اس سازش میں یقیناً اس ریسٹورنٹ کے عملے کا کوئی شخص بھی ملوث تھا۔ بہرحال، وہ وقت اس قسم کی قیاس آرائیوں کے لئے مناسب نہیں تھا۔ سانپ نکل گیا تھا، اب لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لہٰذا وردہ نے دوٹوک الفاظ میں بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ویسے وہ ان تصاویر کو دیکھ کر اندر سے ہل گئی تھی۔

"مسٹر منصور! تو آپ نے اپنی اس محنت کی قیمت وصول کرنے کے لئے مجھے یہاں بلایا ہے؟" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں استفسار کیا۔

"یہ محنت تو میری نہیں ہے البتہ ایک اتفاق کے تحت مجبوراً اس کی قیمت مجھے ہی وصول کرنا ہوگی۔" وہ سادگی سے بولا۔

"اس اتفاق کے بارے میں بتائیں گے جس کے ہاتھوں آپ مجبور ہیں؟"

وہ بہ خوبی جان گئی تھی کہ اس وقت ایک بلیک میلر کے سامنے بیٹھی ہے۔ حالانکہ منصور خان

اپنے چہرے بشرے اور باتوں سے ایک شریف اور مہذب شخص دکھائی دیتا تھا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا جاتا ہے...... شکل مومناں، کرتوت کافراں!

منصور خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے ایک شخص سے پندرہ ہزار روپے لینے تھے۔ میں مذکورہ شخص کا نام ظاہر نہیں کروں گا۔ بہرحال، میں نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو وہ مہینے، دو مہینے کی بات کرنے لگا۔ مجھے فوری رقم کی ضرورت ہے لہٰذا اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے اپنی "محنت" دیتا ہے۔ میں اگر چاہوں تو متعلقہ افراد کے ہاتھوں یہ "محنت" فروخت کر کے اپنی رقم حاصل کر سکتا ہوں۔ اس نے یہ چار تصویریں مجھے دیتے ہوئے آپ دونوں...... یعنی آپ کے اور آصف کے حوالے سے ضروری معلومات بھی فراہم کر دی ہیں۔"

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا، ایک گہرا سانس خارج کیا پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ دونوں کے بارے میں تھوڑا غور وفکر کیا تا کہ یہ فیصلہ کر سکوں کہ ان تصاویر کی فروخت کے لئے مجھے آپ دونوں میں سے کس کی جانب رخ کرنا چاہئے۔ اور پھر...... میں نے آپ کے حق میں فیصلہ کرلیا اور اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر لمحاتی توقف کیا اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔ "آصف شادی شدہ اور بیوی بچوں والا شخص ہے۔ یہ تصاویر اس کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتیں۔ وہ اگر میرے چکر میں آ بھی گیا تو بھاؤ تاؤ کرے گا اور کم سے کم رقم دینے کو تیار ہوگا۔ جبکہ تمہارے لئے یہ تصاویر انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ کچھ ہی عرصے کے بعد تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ اگر یہ تصویریں تمہارے ہونے والے شوہر مسٹر مظفر نے دیکھ لیں تو قیامت برپا ہو سکتی ہے اور تم یقیناً ایسا نہیں چاہو گی۔"

وہ باتوں ہی باتوں میں بڑی صفائی سے "آپ" سے "تم" پر آ گیا تھا۔ وردہ کو ان لمحات میں معصوم چہرے والے اس شیطان منصور خان سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ اس نے بہت دیکھ بھال کر وردہ کی دُکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھی تھی۔ ظاہر ہے، وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ ماضی کی کوئی پرچھائیں اس کے حال کو متاثر کر دے۔ وہ کیا، کوئی بھی معقول لڑکی ایسا نہیں چاہ سکتی تھی۔ وردہ، منصور کی اس چال کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ اس نے اپنے کسی جاننے والے کو خواہ مخواہ اس کہانی میں گھسیٹا ہے تا کہ اس کے ہاتھ اور پوزیشن صاف رہیں۔ جو بھی سنے، یہی سمجھے کہ اس نے اپنی رقم وصول کرنے کے لئے ایک گھٹیا ہتھکنڈا استعمال کیا ہے اور یہ کہ...... وہ کوئی بلیک میلر نہیں۔ جبکہ تحسین بابر کی زبانی وردہ کو منصور کے فوٹو گرافی والے پیشے

اور شوق کا پتہ چل چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہی بلیک میلر ہے۔ عرصہ پہلے اس نے ایک سازش کے تحت چھپ چھپا کر اس کی اور آصف کی تصویریں اتاری ہوں گی اور موقع کا انتظار کر رہا ہو گا کہ کب اپنی محنت کو کیش کرائے اور......اب ایسا سنہری موقع اس کے ہاتھ لگ ہی گیا تھا۔

وردہ کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے یہ خیال بھی آیا کہ وہ اس بلیک میلر کا کوئی مطالبہ پورا کرنے کی بجائے اپنے والدین یا پولیس کو اس کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دے لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اس سنگین خیال کو بڑی شدت سے ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ اس کی نظر میں ایک ایسا عمل ہوتا جس کی بازگشت اگر اس کی ہونے والی سسرال میں کسی، بہ شمول مظفر علی کے کانوں تک پہنچ جاتی تو سب کچھ ختم ہو سکتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پہلے آصف سے دل لگا کر چوٹ کھا چکی تھی۔ اب اسی فریبی شخص کی ذات کے حوالے سے وہ اپنی شادی کے معاملے اور والدین کی عزت کو داؤ پر لگانے کا رسک لینے کو تیار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے بھی ''آپ'' کے تکلف کو سینکڑوں میل دور پھینک کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو مخاطب کیا۔

''منصور خان! اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ فوٹو گراف تم نے کھینچے تھے یا کسی اور نے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ تم یہ چاروں تصاویر میرے ہاتھ فروخت کر کے اپنی رقم مبلغ پندرہ ہزار روپے پوری کرنا چاہتے ہو۔ میں صحیح سمجھ رہی ہوں نا؟''

''ایک حد تک۔'' وہ مکاری سے مسکرایا۔ ''میں یہ فوٹو گراف تمہیں فروخت تو کرنا چاہتا ہوں لیکن پندرہ نہیں بلکہ بیس ہزار روپے میں۔ پندرہ ہزار روپے تو میری اصل رقم ہے۔ اوپر کے پانچ ہزار روپے تم میری اضافی محنت کے سمجھ لو۔''

آئندہ پانچ منٹ میں ان کے درمیان روایتی بارگیننگ ہوئی اور بالآخر پندرہ ہزار روپے پر ہی معاملہ ٹھہر گیا۔

وردہ نے اس ڈیل کی تکمیل پر کہا۔ ''مجھے ان تصاویر کے ساتھ ہی ان کے نگیٹوز بھی چاہئے ہوں گے اور تمہیں یہ یقین بھی دلانا ہو گا کہ ان کے علاوہ تم نے مزید پرنٹس بنوا کر اپنے پاس محفوظ نہیں رکھے!''

''میں بہت سچا اور کھرا بزنس کرتا ہوں۔'' وہ بہ الفاظ دیگر کھل کر سامنے آ گیا۔ ''تمہیں یا تو میری بات پر یقین کرنا ہو گا کہ ان چار فوٹو گرافز کے علاوہ دنیا میں ایسے مزید فوٹو گرافز موجود نہیں ہیں یا اگر تم کہو گی تو میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔ اس لئے تم اگر......''

''قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔'' وردہ نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم اپنے

بزنس میں جھوٹے ہو تو جھوٹی قسم بھی کھا سکتے ہو۔ بہرحال......نگیٹوز کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

منصور خان نے کچھ کہنے کی بجائے ایک مرتبہ پھر میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا اور نسبتاً ایک چھوٹا سفید لفافہ برآمد کرتے ہوئے بولا۔ ''چاروں نگیٹوز اس کے اندر موجود ہیں۔ یہ دیکھو......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر لفافہ کھولا اور نگیٹوز دکھاتے ہوئے وردہ سے بولا۔ ''تصویروں کی طرح یہ نگیٹوز میں تمہارے ہاتھ میں دے سکتا ہوں۔ اسے تم میری مجبوری سمجھ لو لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ جب تم پندرہ ہزار کی رقم میرے حوالے کر دو گی تو میں تصاویر کے ساتھ ہی یہ نگیٹوز بھی تمہارے سپرد کر دوں گا اور اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن جائیں گے جو کبھی ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش نہیں کریں گے اور کبھی اتفاق سے ہمارا سامنا ہو بھی گیا تو ہم ایک دوسرے کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔ اور ہاں......'' وہ وردہ کے ہاتھوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ فوٹو گرافز مجھے واپس دے دو۔ ابھی تم نے ان کی قیمت ادا نہیں کی۔ سیمپل اور ٹریلر اتنا سا ہی کافی ہے!''

وردہ کے پاس اس کا مطالبہ پورا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا اس نے فوٹو گرافز والا بھورا لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے لئے پندرہ ہزار روپے کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''لیکن اس کوشش میں زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ عیار نظر سے وردہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں زیادہ سے زیادہ تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دے سکتا ہوں۔ جب کام ہو جائے تو تم صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے کے دوران میرے پاس آ سکتی ہو۔ میں تمہیں یہیں منتظر ملوں گا......سوائے پبلک ہالیڈے کے۔'' وہ لمحاتی توقف کے بعد تنبیہی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اگر تم نے میرے خلاف کسی نوعیت کی قانونی یا غیر قانونی چارہ جوئی کے بارے میں سوچا تو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی کہ میں ایک بلیک میلر ہوں اور میں نے تم سے کسی قسم کی کوئی ڈیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس نوعیت کے تمام ثبوت اور شواہد یہاں سے غائب کر دوں گا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی تمہارے ذہن میں رہے کہ ہماری ان ملاقاتوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ ہی کبھی کوئی جان سکے گا۔ البتہ اگر تم ہوشیاری دکھانے سے باز نہ آئیں تو پہلی فرصت میں، میں یہ فوٹو گرافز تمہارے ہونے والے دلہا کے بنک میں تو ضرور بٹوا دوں گا۔''

منصور خان ایسی دھمکی نہ بھی دیتا تو وردہ اس حساس معاملے میں کوئی ایفی شینسی دکھانے کے حق میں نہیں تھی۔ وہ صورتِ حال کی سنگینی کو بڑی گہرائی تک محسوس کر رہی تھی۔ وہ منصور خان سے رقم کے انتظام کا وعدہ کر کے آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کے دفتر سے اُٹھ آئی۔

راستے بھر وہ یہی سوچتی رہی کہ آیا اسٹیٹ ایجنسی کا مالک تحسین بابر بھی منصور خان کے اس شیطانی کھیل میں شامل ہے یا نہیں...... لیکن اس حقیقت تک پہنچنے سے چونکہ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لہٰذا وردہ نے اس سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا۔

منصور خان کی دی ہوئی ایک ہفتے کی مہلت ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وردہ کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

❁

آئندہ پیشی سے پہلے میں نے عدیل احمد کے توسط سے وردہ کے وکیل سے بھی ایک ملاقات کر لی۔ جب اسے پتہ چلا کہ عدیل احمد نے اب مجھے وردہ کا وکیل مقرر کر دیا ہے تو وہ ایک ذرا سا بھی چیں بہ جبیں نہ ہوا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ خود بھی اپنی ناقص کارکردگی سے آگاہ تھا۔ یا پھر یہ کہ وہ مجھ سے مرعوب ہو گیا تھا۔ بہر حال، وہ بڑے خلوص سے مجھے اس کیس کے نشیب و فراز سے روشناس کرانے لگا۔ میں نے اس کو اس "کارِ خیر" سے روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں ان "وکیل صاحب" کے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا۔ وہ ایک ناکام اور ناتجربہ کار وکیل تھا۔

اس کیس کی ابتدائی کارروائی ہو چکی تھی۔ آنے والی پیشی پر استغاثہ نے اپنے گواہوں کے بیانات کرانا تھے۔ میں نے کیس کے حوالے سے ضروری تحقیق و تفتیش کر لی تھی۔ اس میں ملزمہ وردہ سے ملاقات بھی شامل تھی۔ وردہ کی زبانی مجھے زیادہ اور اہم معلومات حاصل ہوئی تھی اس نے مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب اس کا معاملہ عدالت میں جا لگا تھا اور اس حوالے سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں رہا تھا تو وہ مجھ سے کچھ چھپا کر کیا کرتی۔ میں تو اس کا وکیل تھا اور اسے اس مصیبت سے نجات دلانے والا تھا۔ ایک ناکردہ جرم کے باعث وہ اس وقت جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھی۔ ازیں علاوہ، وردہ کے باپ عدیل احمد نے بھی اس سلسلے میں مجھ سے بہت تعاون کیا تھا۔ وردہ کی گرفتاری کے بعد...... اس کے آصف والے معاملے اور بلیک میلر منصور خان سے ہونے والی ڈیلنگ کے بارے میں اس نے اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا تھا۔ وہ چونکہ بے قصور تھی لہٰذا اسے کسی سے ڈرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

آگے بڑھنے سے قبل میں پوسٹ مارٹم رپورٹ کا سرسری سا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس رپورٹ کے مطابق مقتول منصور خان کی موت دس دسمبر کی دوپہر بارہ اور ایک بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ وجۂ موت اس کے سینے میں پیوست ہونے والا خنجر تھا۔ اس خنجر کے پھل کی تیز دھار نے مقتول کے دل کو چیر کر اسے موت سے ہم کنار کر دیا تھا۔ وہ اپنے دفتر یعنی "آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی" میں اپنی کرسی پر مُردہ پایا گیا تھا...... اس طرح کہ آلۂ قتل، وہ خنجر دستے تک اس کے سینے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کا لباس اسی کے خون میں تر بہ تر تھا۔

فنگر پرنٹس کی رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ خنجر کے دستے پر سے کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ قاتل نے یا تو دستانے پہن کر وہ واردات کی تھی یا پھر منصور خان کے دل میں خنجر گھونپنے کے بعد اس کے دستے پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے تھے۔ البتہ، مقتول کی میز کے کنارے اور اس کے سامنے بچھی ملاقاتی والی کرسی کے ہتھوں پر وردہ کی انگلیوں کے نشانات مل گئے تھے جو اس بات کو ظاہر کرتے تھے کہ وہ وہاں گئی تھی۔

وردہ کو کریم بھائی نامی ایک شخص کی نشان دہی پر گرفتار کیا گیا تھا۔ کریم بھائی ایک آٹو مکینک تھا اور "آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی" کے سامنے اس کا گیراج تھا۔ وہ عدیل احمد اور وردہ کو شکل سے پہچانتا تھا کیونکہ اس کی رہائش بھی پٹیل پاڑا کے نزدیک گارڈن ایسٹ کے علاقہ میں تھی۔

اپنی گرفتاری پر وردہ نے پولیس کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ اس نے منصور خان کی بلیک میلنگ، آصف اور اپنے ماضی کے تعلقات، منصور خان کو پندرہ ہزار روپے کی فراہمی اور تصاویر کے حصول کی کہانی تفصیل سے سنا دی تھی اور پولیس نے اس کے بیان میں ردوبدل کر کے اپنی رپورٹ تیار کر لی تھی جو سراسر وردہ کے خلاف جاتی تھی۔ پولیس نے وردہ کے حوالے سے عدالت میں جو رپورٹ پیش کی اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔

ماضی میں ملزمہ کے آصف نامی ایک شادی شدہ شخص سے تعلقات رہے تھے اور وہ اس دوستی میں بہت قریب آ گئے تھے۔ ایسے ہی قربت کے چند لمحات کو مقتول نے کسی طرح اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ملزمہ کی شادی کا وقت قریب آیا تو مقتول نے ملزمہ سے رابطہ کر کے ان تصاویر کے دام کھرے کرنے چاہے۔ ملزمہ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ دس دسمبر کی دوپہر اس کا مطالبہ پورا کر کے اپنی مطلوبہ تصاویر مع نگیٹوز لے جائے گی۔

لیکن ملزمہ نے اپنے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ بنا رکھا تھا۔ وہ اپنی تصاویر حاصل کرنے

کے علاوہ مقتول کو ایک عبرت ناک سبق بھی سکھانا چاہتی تھی تا کہ آئندہ وہ کسی کو بلیک میل نہ کر سکے اور وہ عبرت ناک سبق تھا........ مقتول کی زندگی کا خاتمہ! ملزمہ نے اپنے منصوبے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اِدھر اُدھر سے بلیک میلر کی مطلوبہ رقم اکٹھا کی ....تا کہ یہی لگے کہ اس نے بلیک میلر کا مطالبہ پورا کر کے اس سے تصاویر مع نگیٹوز حاصل کر لی تھیں اور وقوعہ کے روز اس نے ایسا کیا بھی۔ لیکن جیسے ہی پندرہ ہزار روپے ادا کر کے، مذکورہ تصاویر، ان کے نگیٹوز اس نے مقتول کے ہاتھ سے لے کر اپنے پاس میں رکھے اور وہاں سے رخصت ہونے کے لئے کھڑی ہوئی، اس نے اپنے منصوبے کے آخری اور خطرناک حصے پر عمل کر ڈالا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنے لباس میں چھپایا ہوا خنجر برآمد کیا اور چشم زدن میں اسے مقتول کے سینے میں اتار دیا۔ استغاثہ کا خیال تھا کہ ملزمہ نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد خنجر کے دستے پر سے فنگر پرنٹس صاف کر دیئے تھے، پھر اس واقعے کو ڈکیتی اور قتل کی واردات ظاہر کرنے کے لئے اس نے دفتر میں تھوڑی افراتفری بھی مچا دی۔ اس نے مقتول کی میز کی درازوں کو الٹ دیا۔ اس طرح پندرہ ہزار کی وہ رقم بھی اس کے ہاتھ لگ گئی جو اس نے تھوڑی دیر پہلے مقتول کو دی تھی۔ نقدی کی صورت میں مزید جو کچھ بھی اس کے ہاتھ لگا، وہ اس نے سمیٹا اور خاموشی کے ساتھ ایجنسی سے نکل گئی۔ جاتے جاتے وہ مقتول کی جیبوں کو بھی خالی کر گئی تھی۔

استغاثہ کی رپورٹ میں بعض خامیاں موجود تھیں جنہیں کوئی بھی ہوشیار وکیل اپنے مؤکل کے حق میں استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن افسوس کہ وردہ کا پہلا وکیل متذکرہ بالا ہوشیاری کا حامل نہیں تھا۔ ملزمہ کا وکیل چونکہ تبدیل ہو گیا تھا لہٰذا میری درخواست پر جج نے اس کیس کے تفتیشی افسر کو وٹنس باکس میں بلا لیا۔ میں نے جج سے استدعا کی تھی کہ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات سے پہلے میں انکوائری آفیسر سے چند اہم سوال کرنا چاہتا ہوں۔

آئی۔او (انکوائری آفیسر) عہدے کے لحاظ سے ایک سب انسپکٹر تھا۔ اس کا نام شمشاد علی معلوم ہوا۔ میں گواہوں والے کٹہرے کے نزدیک پہنچا اور تفتیشی افسر کی جانب دیکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔ "شمشاد صاحب! آپ کیسے ہیں؟"

"الحمد للہ! میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔" اس نے کراری آواز میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "اس واردات کی اطلاع آپ کو کب اور کس نے دی تھی؟........اور کس ذریعے سے؟"

اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "پولیس روزنامچے کے مطابق آشیانہ اسٹیٹ

ایجنسی کے مالک مسٹر تحسین بابر نے دس دسمبر کی دوپہر........ بلکہ سہ پہر ساڑھے تین بجے ٹیلی فون کے ذریعے ہمیں قتل اور ڈکیتی کے اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔"

"آپ جائے واردات پر کتنے بجے پہنچے تھے؟"

"لگ بھگ چار بجے۔"

"واقعات کے مطابق، آپ نے ملزمہ کو ٹھیک پانچ بجے اس کے گھر واقع پٹیل پاڑا سے گرفتار کر لیا تھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے، آپ کو وقوعہ کی ضروری کارروائی میں کوئی دقت نہیں آئی تھی؟"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "یہ قتل اور ڈکیتی کی ایک سیدھی سادھی واردات تھی اور ایک چشم دید گواہ نے ملزمہ کی نشاندہی بھی کر دی تھی لہٰذا ہمیں اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔"

"آئی او صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "استغاثہ کی رپورٹ اس امر کا اقرار واقعی ہے کہ مقتول ایک مذموم پیشے سے وابستہ معاشرتی ناسور یعنی بلیک میلر تھا۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟"

"کوئی چاہے کتنا بھی بڑا مجرم کیوں نہ ہو، قانون کو ہاتھ میں لے کر اس کی جان لینے کا اختیار کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ "لہٰذا ملزمہ پر لازم تھا کہ وہ پولیس سے رابطہ کرتی۔ اگر مقتول کسی بھی حوالے سے اسے بلیک میل کر رہا تھا تو وہ آ کر ہمیں بتاتی۔ ہم خود مقتول سے نمٹ لیتے۔ لیکن اس نے اس معاملے میں ہیرو........ بلکہ ہیروئن بننے کی کوشش کی تھی۔ اس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر جو کچھ بھی کیا، وہ ایک سنگین جرم ہے........اور جرم کی سزا مجرم کو ضرور ملنی چاہئے۔"

"ٹھیک........!" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "میں آپ کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ مجرم کو اس کے جرم کی قرار واقعی سزا ملنی چاہئے اور میری خواہش ہے کہ بلیک میلر منصور خان کے قاتل کو بھی سزا ملے........ اگرچہ وہ بہت سے لوگ جو اس بلیک میلر کے ہاتھوں بلیک میل ہو چکے یا بلیک میل ہو رہے تھے، وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے بلیک میلر منصور خان کی عبرت انگیز موت پر نفلِ شکرانہ ادا کئے ہوں گے۔ بہر حال، قانون تو قانون ہے اور قانون کی رو سے منصور خان کے قاتل کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔"

"آپ تو اپنی مؤکلہ ہی کے خلاف بول رہے ہیں۔" وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کس قسم کے وکیل ہیں بیگ صاحب؟"

"یہ آپ کو بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ میں کس قسم کا وکیل ہوں!" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مسٹر آئی او! میں نے منصور خان کے قاتل کو سزا ملنے کی بات کی ہے، اپنی مؤکلہ وردہ کو نہیں۔ آپ کی طرح اگر میری نگاہ میں بھی وردہ، منصور خان کی قاتل ہوتی تو پھر اس کی وکالت کا جواز ہی کیا بنتا تھا۔ اگرچہ یہ میرے فرائض کا حصہ نہیں کہ اصل قاتل کو سزا ملے۔ میں تو صرف اپنی مؤکل کو بے گناہ ثابت کر کے، اسے باعزت بری کرانے کا ذمہ دار ہوں۔ لیکن پھر بھی قانون کا تقاضا یہی ہے کہ ہر قصوروار کو اس کے قصور کی سزا ملنی چاہئے۔"

انکوائری آفیسر خاموش نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔

میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "شمشاد صاحب! فنگر پرنٹس کے سلسلے میں آپ کی رپورٹ میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ اس بات کا امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ ملزمہ نے یا تو دستانے پہن کر اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور یا پھر آلۂ قتل کے دستے پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات کو صاف کر دیا........ کیونکہ خنجر کے دستے پر اس کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے۔ اس کے ساتھ ہی رپورٹ میں یہ بھی درج ہے کہ مقتول کی میز کے کنارے پر اور ملاقاتی والی کرسی کے ہتھوں پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ اس روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ملزمہ نے وقوعہ کے روز مقتول کے دفتر میں جاتے وقت اپنے ہاتھوں پر دستانے نہیں چڑھا رکھے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر میز کے کنارے اور کرسی کے ہتھوں پہ اس کے فنگر پرنٹس نہ ملتے......" میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"اب استغاثہ کی رو سے کہنے کے لئے یہی باقی بچتا ہے کہ ملزمہ نے دستانے پہن کر "واردات" نہیں کی بلکہ مقتول کے سینے میں خنجر گھونپنے کے بعد اس نے خنجر کے دستے پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے تھے۔ ایم آئی رائٹ؟"

"بالکل......!" وہ قطعیت سے بولا۔ "واقعات اور شواہد سے یہی پتہ چلتا ہے۔ اگر ملزمہ نے دستانے پہن رکھے ہوتے تو پھر میز کے کنارے اور کرسی کے ہتھوں پر اس کے فنگر پرنٹس نہ ملتے۔"

"مجھے اس بات کی خوشی ہے آئی او صاحب! کہ آپ بڑی حد تک میرے ہم خیال ہیں۔" میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ اُلجھن بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اگلا سوال کیا۔

"انکوائری آفیسر سب انسپکٹر شمشاد علی صاحب! استغاثہ کی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے

کہ ملزمہ نے مقتول کے خلاف ایک خاص قسم کا منصوبہ بنا رکھا تھا یعنی اس نے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اِدھر اُدھر سے مانگ تانگ کر پندرہ ہزار روپے جمع کئے۔ وقوعہ کے روز وہ مقتول کے دفتر پہنچی، رقم اس کے حوالے کی اور اس کے بدلے تصاویر اور نگیٹوز حاصل کئے پھر رخصت ہونے سے پہلے اس نے مقتول کے سینے میں خنجر گھونپ کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر اس واقعے کو قتل اور ڈکیتی کی واردات ظاہر کرنے کے لئے اس نے مقتول کے دفتر میں افراتفری کے آثار پیدا کئے۔ اس نے مقتول کی میز کی درازوں کو اُلٹ دیا۔ چیزوں کو اِدھر اُدھر بکھیر دیا۔ اس طرح چھوٹی موٹی نقدی کے علاوہ وہ پندرہ ہزار روپے بھی اس کے ہاتھ لگ گئے جو اس نے مقتول کو دیئے تھے۔ اس نے بڑی صفائی سے مقتول کی جیبوں کو خالی کیا اور خاموشی کے ساتھ ایجنسی سے نکل گئی۔"

میں سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آئی او سے کہا۔

"شمشاد صاحب! استغاثہ کی اس رپورٹ کو پڑھ کر میرے ذہن میں چند سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ تھوڑی سی عقل رکھنے والا کوئی بھی شخص اس رپورٹ کا مطالعہ کرے گا تو وہ بھی یہی سوچنے پر مجبور ہو جائے گا جیسا کہ میں سوچ رہا ہوں۔ بہرحال، آپ اس کیس کے تفتیشی افسر اور استغاثہ کے وارث ہیں لہٰذا ان اہم سوالات کے جواب دینا آپ کی ذمے داری ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" وہ سرسری سے انداز میں بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آئی او صاحب! میں نے اس کیس کی فائل میں لگی ہوئی تمام رپورٹس کا بہ غور مطالعہ کیا ہے، خصوصاً فنگر پرنٹس رپورٹ کا۔ آلۂ قتل کے دستے کے حوالے سے تو ہم مشترکہ طور پر تھوڑی دیر کے لئے اس بات سے اتفاق کر لیتے ہیں کہ ملزمہ نے خنجر کے دستے پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے تھے لیکن یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ملزمہ نے اس واقعے کو قتل اور ڈکیتی کی واردات ظاہر کرنے کے لئے مقتول کے دفتر میں افراتفری مچائی۔ میز کی درازوں کو اُلٹ دیا، چیزوں کو اِدھر اُدھر بکھیر دیا اور مقتول کی جیبوں کو بھی کھنگال ڈالا۔ لیکن مقتول کے جسم کے کسی حصے، اس کے لباس، میز کی درازوں اور اِدھر اُدھر بکھری ہوئی چیزوں میں سے کسی ایک پر بھی ملزمہ کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے۔ یہ کچھ عجیب سی بات نہیں؟ حالانکہ جب کسی جگہ کوئی سنگین واردات ہوتی ہے تو پولیس جائے وقوعہ کے ایک ایک حصے سے فنگر پرنٹس اُٹھانے کی کوشش کرتی ہے اور مجھے یقین ہے، آپ جیسے ذہین اور تجربہ کار پولیس آفیسر نے یہ کارروائی ضرور کی ہو گی........ پھر کیا وجہ ہے کہ مذکورہ مقامات میں کہیں بھی

ملزمہ کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے۔ آپ اس غیر یقینی امر کی کچھ وضاحت فرمائیں گے؟''

میرے مکھن پالش ایک جملے نے انکوائری آفیسر کو بڑی گہری سانس لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک ذہین اور تجربہ کار پولیس آفیسر نہیں ہے۔ اگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا تو پھر اسے یہ اقرار کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے اور........ اس نے ایسا ہی کیا۔

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں بیگ صاحب!'' وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''میں نے جائے وقوعہ کے چپے چپے سے فنگر پرنٹس اُٹھائے تھے۔ جن مقامات کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہاں ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات نہ ملنے کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ خنجر کے دستے کی طرح ملزمہ نے وہاں سے بھی اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے ہوں گے۔''

''اور میز کے کنارے یا کرسی کے ہتھوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ ''ان دو مقامات سے وہ فنگر پرنٹس صاف کرنا کیوں بھول گئی؟ جبکہ دیگر بہتر مقامات کی ''صفائی'' کے لئے اس کی یادداشت نے پورا پورا ساتھ دیا؟''

''انسان بندہ بشر ہے!'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''وہ کسی وقت کچھ بھی بھول سکتا ہے۔ ملزمہ افراتفری کے عالم میں کرسی کے ہتھوں اور میز کے کنارے پر سے اپنے فنگر پرنٹس صاف کرنا بھول گئی ہوگی۔''

''وقوعہ کے روز میری مؤکلہ پر اتنی بوکھلاہٹ طاری نہیں ہوئی ہوگی آئی او صاحب! جتنا آپ اس وقت بوکھلائے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔'' میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کک........ کیا مطلب ہے آپ کا........؟'' وہ بدکے ہوئے لہجے میں بولا پھر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''میرا مطلب بہت واضح ہے آئی او صاحب!'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''اگر آپ میری طرف دیکھنا پسند فرمائیں تو کچھ عرض کروں۔''

اس نے کھسیاہٹ بھرے انداز میں جج کی سمت دیکھا پھر کن انکھیوں سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے کے بعد میری جانب متوجہ ہو گیا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آئی او صاحب! حقیقت یہ ہے کہ وقوعہ کے روز میری مؤکلہ بلیک میلر منصور خان کا مطالبہ پورا کرنے اس کے دفتر آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی پہنچی تھی۔ مقتول یعنی مذکورہ بلیک میلر وہاں اس کا منتظر تھا کیونکہ ان کے

درمیان اس ملاقات کا وقت پہلے سے طے تھا۔ ملزمہ ملاقاتیوں والی کرسی پر بیٹھی۔ اس نے مقتول کی مطلوبہ رقم اس کے حوالے کی، چار تصاویر اور ان کے نگیٹوز حاصل کئے اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے چلی آئی۔ رقم کی ادائیگی اور بلیک میلنگ کے مواد کی وصولی کے دوران میز کے کنارے سے اس کی انگلیاں مس ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فنگر پرنٹس صرف کرسی کے ہتھوں اور میز کے کنارے پر پائے گئے ہیں۔'' میں لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! مقتول منصور خان کے ساتھ وقوعہ کے روز جو بھی ہلاکت خیز واقعہ پیش آیا، وہ ملزمہ کی وہاں سے رخصتی کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا۔ قتل کی اس واردات میں میری مؤکلہ کا کوئی ہاتھ نہیں۔ ملزمہ وردہ کے خلاف عدالت میں جو استغاثہ دائر کیا گیا ہے، وہ جھوٹ کے ایک پلندے سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ میں معزز عدالت سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ فنگرز پرنٹس کی رپورٹ کے حوالے سے یہ اہم پوائنٹس نوٹ فرما لئے جائیں۔''

جج نے بڑے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے مزید کہا۔ ''جناب عالی! سچ یہ ہے کہ میری مؤکلہ وقوعہ کے روز مقتول کا مطالبہ پورا کر کے اور اپنا مقصد حاصل کر کے جائے وقوعہ سے نکلی اور سیدھی اپنے گھر پہنچی۔ سولجر بازار سے پٹیل پاڑا زیادہ فاصلے پر نہیں لہٰذا اس کی والدہ نے اس کی مختصر سی غیر حاضری کو زیادہ محسوس نہیں کیا۔ اس کا والد اس وقت حسب معمول اپنی دکان پر تھا اور چھوٹا بھائی شکیل بھی کہیں نکلا ہوا تھا۔ گھر میں اس کی والدہ امینہ بیگم کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر جیسے ہی اسے موقع ملا، اس نے وہ چاروں فتنہ پرور فوٹوگرافز اور ان کے نگیٹو جلا ڈالے اور انہیں فلش میں بہا کر اپنے سر پر لٹکتی ہوئی بدنامی اور بربادی کی ننگی تلوار کو نیست و نابود کر دیا۔ جناب عالی! ایک شریف اور خوددار لڑکی اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے!''

میں نے ایک مرتبہ پھر لمحاتی توقف کیا، پھر جذبات انگیز الفاظ میں کہا۔ ''یور آنر! یہ حقیقت ہے کہ کسی زمانے میں ملزمہ، آصف نامی ایک شخص کے قریب آ گئی تھی اور اس سے شادی کے لئے سنجیدہ تھی۔ یہ اس کا ایک نارمل عمل اور ہمارا معاشرتی چلن ہے۔ اس کے لئے ملزمہ کو معتوب یا مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ آصف پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے تو وہ اس سے دور ہو گئی اور پھر کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن مقتول نے ایک عیار بلیک میلر کا کردار ادا کرتے ہوئے عین اس وقت اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جب چند روز بعد اس کی شادی مظفر علی نامی ایک شخص سے ہونے

جا رہی تھی۔ ملزمہ نے اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے دو افراد سے تیرہ ہزار روپے قرض لئے۔ ایک سے دس ہزار اور دوسرے سے تین ہزار۔ دو ہزار اپنی جیب سے ملائے اور مقتول کا مطالبہ پورا کر کے وہ خطرناک مواد حاصل کر لیا جو اس کی آئندہ زندگی میں زہر گھول سکتا تھا۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں ان دو افراد کو بھی معزز عدالت میں لا سکتا ہوں جن سے ملزمہ نے قرض لیا تھا۔ ان کے نام علی الترتیب کریم عبدالجبار اور اسماء ہیں۔"

وردہ نے مجھے اس بارے میں پوری تفصیل سے بتا دیا تھا۔ دس ہزار روپے اس نے اپنے سابق باس کریم عبدالجبار سے لئے تھے اور دو ماہ بعد لوٹانے کا وعدہ کیا تھا۔ تین ہزار روپے اسما نامی اپنی ایک گہری سہیلی سے لئے تھے اور ان دونوں افراد کو اس نے اصل معاملے کی بھنک بھی نہیں لگنے دی تھی۔ وہ اس کی زندگی کا اتنا نازک پہلو تھا کہ قدم قدم پر اسے احتیاط کی ضرورت تھی۔ اس نے سوچا تھا، فی الحال تو وہ خود ہی اس صورتِ حال سے نمٹے گی، بعد ازاں دیکھا جائے گا، کیا ہوتا ہے اور کیا، کیا جا سکتا ہے!

جج نے میرے خاموش ہوتے ہی سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ انکوائری آفیسر سے کوئی اور سوال کرنا چاہتے ہیں یا استغاثہ کے گواہوں کے بیانات شروع کئے جائیں؟"

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!" میں نے اپنے سر کو تعظیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد جج کی اجازت حاصل کر کے وکیل استغاثہ نے کٹہرے میں تحسین بابر کو کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کیس کے تفتیشی افسر شمشاد علی سے خاصی لمبی چوڑی جرح کی تھی۔ دراصل کسی بھی تفتیشی افسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے انکوائری آفیسر کے طور پر، ہر پیشی پر عدالت میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ میں نے اب انسپکٹر شمشاد علی سے جو کڑی جرح کی تھی، اس کے نتیجے میں چند ایسے پوائنٹس نکل کر سامنے آئے تھے جو میری مؤکلہ کے حق میں جاتے تھے لہٰذا میں اپنی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن تھا۔ آئی او سے ہونے والے سوال و جواب بڑے مفید ثابت ہونے والے تھے۔

استغاثہ کی جانب سے کم و بیش نصف درجن گواہوں کی فہرست عدالت میں پیش کی گئی جن میں "آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی" کے مالک تحسین بابر، کریم آٹو کے مالک کریم بھائی، کریم بھائی کے گیراج میں کام کرنے والے دو مکینک الیاس احمد، نبی بخش اور آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کے پڑوس میں واقع پان سگریٹ کے کیبن کے مالک خلیل چچا کے نام شامل تھے۔ لیکن میں یہاں پر صرف انہی گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح کا احوال پیش کروں گا جن

کی اس کیس میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

تحسین بابر کی عمر پچپن کے قریب ہو گی۔ وہ اوسط صحت کا مالک ایک پست قامت شخص تھا۔ اس نے سفید شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی شخصیت کی خاص بات یہ تھی کہ اس نے اپنے سر پر ٹوپی لگا رکھی تھی۔ چہرے پر چند روز کا شیو بڑھا دکھائی دیتا تھا۔

تحسین بابر نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کروایا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ جرح کے لئے اس کے کٹہرے کے قریب چلا گیا۔ دو چار رسمی سوالات کے بعد اس نے گواہ سے پوچھا۔

"کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں؟" وکیل استغاثہ نے وردہ کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جی، یہ وہی لڑکی ہے جس نے میرے دوست کا خون کیا ہے اور اسی سلسلے میں یہ یہاں عدالت میں موجود ہے۔"

"تحسین صاحب! کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ سے چند روز قبل ملزمہ نے آپ سے فون پر بات کی تھی؟" وکیل استغاثہ نے سوال کیا۔

"جی ہاں، یہ بالکل درست ہے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو اس سے بات کرنا کیسا لگا تھا؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ اس سے بات کر کے میرا ذہن اُلجھ گیا تھا" وہ ناپسندیدہ نظر سے میری مؤکلہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس نے بتایا کہ یہ مقتول سے کوئی ضروری اور اہم بات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کام کے بارے میں پوچھا تو بولی، کام منصور خان ہی سے ہے اور اسی کو بتایا جا سکتا ہے۔ میں نے پوچھا، منصور کے لئے کوئی پیغام ہو تو بتا دو۔ بولی، پیغام بھی کوئی نہیں۔ وہ اگلی صبح خود ہی منصور سے بات کر لے گی، کوئی ذاتی کام ہے۔ میرا ذہن اس کی طرف سے کھٹک تو چکا ہی تھا، میں نے بے اختیار پوچھ لیا۔ آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے میرا سوال سنا اور جواب دیئے بغیر فون بند کر دیا۔"

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا، ایک گہرا سانس خارج کر کے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔ "میں اسی لمحے اس کی طرف سے شک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ منصور خان سے کوئی ذاتی نوعیت کا کام ہے۔ جس سے کسی کو ذاتی کام ہوتا ہے، وہ اس کے معمولات سے بھی واقف ہوتا ہے۔ ملزمہ نے رات کو فون کیا تھا جبکہ مقتول میری ایجنسی پر صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے تک بیٹھا کرتا تھا۔ بہرحال......" وہ ایک بار پھر متوقف ہوا اور ایک لمحے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"دوسرے روز جب دوپہر میں ایجنسی پہنچا تو میں نے مقتول کو اس پراسرار فون کال کے بارے میں بتایا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ میں مطمئن ہوگیا۔ مجھے کیا پتہ تھا، ایک دو روز کے بعد میرا دوست اسی لڑکی کے ہاتھوں موت کے منہ میں چلا جائے گا۔"

بات ختم کرتے ہی تحسین بابر نے وردہ پر نفرت بھری نظر ڈالی اور دوسری جانب دیکھنے لگا۔ وکیل استغاثہ نے مزید دو چار سرسری اور غیر ضروری سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔ اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

میں نے چند لمحات تک ٹٹولنے والے انداز میں اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "تحسین صاحب! آپ کی اسٹیٹ ایجنسی میں فون کی کتنی لائنیں استعمال ہوتی ہیں؟"

میرے اس غیر متعلقہ اور غیر متوقع سوال پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "میری ایجنسی میں صرف ایک فون لائن ہے۔" جواب دیتے ہی اس نے الٹا مجھ سے بھی پوچھ لیا۔ "آپ کے اس سوال کا منصور مرڈر کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"بڑا گہرا تعلق ہے تحسین صاحب!" میں نے ڈرامائی لہجے میں کہا۔ "جب یہ تعلق سامنے آئے گا تو آپ حیران رہ جائیں گے۔"

وہ اُلجھن زدہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ "تحسین صاحب! میری معلومات کے مطابق، آپ کی اسٹیٹ ایجنسی کے دو حصے ہیں۔ ایک سامنے والا داخلی حصہ جہاں پر کلائنٹس کے بیٹھنے کے لئے آپ نے صوفے بچھا رکھے ہیں۔ اس حصے کے عقب میں آپ کا کیبن یا چیمبر ہے جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں اور آپ کی غیر موجودگی میں مقتول وہاں بیٹھا کرتا تھا اور اسی چیمبر میں اس کا قتل بھی ہوا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں جناب!...... آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہم ایک مرتبہ پھر فون کی طرف آجاتے ہیں۔" میں نے سرسری انداز اختیار کیا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں تحسین صاحب! کہ آپ کی ایجنسی میں جو فون لائن استعمال ہو رہی ہے، اس پر کتنے فون سیٹ لگے ہوئے ہیں؟"

"صرف ایک۔" وہ قطعیت سے بولا۔ "جو ایجنسی کے اس حصے میں میز پر رکھا رہتا ہے

جہاں میں بیٹھتا ہوں اور...... جہاں منصور خان کا قتل ہوا ہے۔"

"آپ نے وقوعہ سے دو تین دن پہلے، اپنے چیمبر میں بیٹھ کر اسی فون سیٹ پر ملزمہ سے بات کی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"جی...... جی ہاں...... بالکل!" وہ اُلجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ "آپ نے وہ ٹیلی فون سیٹ امریکہ سے منگوایا ہے یا برطانیہ سے؟ اور یہ بھی بتائیں...... اس ویڈیو فون کے ڈسپلے کا سائز کیا ہوگا؟"

"آپ یہ کیسی عجیب بات کر رہے ہیں وکیل صاحب؟" اس کی اُلجھن میں برہمی بھی شامل ہوگئی۔ "میرا فون سیٹ محکمے کا دیا ہوا ایک عام سا سیٹ ہے...... اور ویڈیو فون تو ابھی پاکستان میں آیا بھی نہیں...... میرے پاس...... پتہ نہیں، آپ کی اس بات کا مطلب کیا ہے؟"

"اسی لئے تو میں نے امریکہ اور برطانیہ کا ذکر کیا تھا تحسین صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "سنا ہے، ان ممالک میں یہ ٹیکنالوجی محدود پیمانے پر استعمال ہونے لگی ہے۔ آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں جو کچھ فرمایا ہے، اس سے یہی تاثر اُبھرتا ہے کہ آپ کی ایجنسی والے فون سیٹ میں آڈیو ویڈیو دونوں سہولیات موجود ہیں!"

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے؟" وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ "آپ نے اپنی زندگی میں ملزمہ کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب کریم بھائی آٹو ورکشاپ والے کی نشان دہی پر اسے اس کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ اس سے قبل آپ کی کبھی ملزمہ سے ملاقات ہوئی اور نہ ہی بات چیت...... میں صحیح کہہ رہا ہوں نا تحسین صاحب؟"

"جج...... جی ہاں......" وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ملزمہ کو اس کی گرفتاری سے قبل بالکل نہیں جانتے تھے۔" میں نے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن وکیل استغاثہ نے جب آپ سے پوچھا کہ کیا آپ ملزمہ کو جانتے ہیں تو آپ کا جواب تھا...... جی ہاں، یہ وہی لڑکی ہے جس نے منصور خان کو قتل کیا ہے۔ پھر آپ نے وکیل استغاثہ ہی کے ایک سوال کے جواب میں یہ بھی بتایا ہے کہ آپ نے اسی لڑکی سے فون پر بات بھی کی تھی۔ اس کی باتوں نے آپ کے ذہن کو اُلجھا دیا تھا، اس کا انداز آپ کو بہت مشکوک اور پراسرار لگا تھا...... وغیرہ وغیرہ۔" میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ ملزمہ نے وقوعہ سے چند روز قبل فون پر بات کرتے ہوئے آپ کے استفسار کے باوجود بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا بلکہ جواب دیئے بغیر ہی فون رکھ دیا تھا۔ تحسین صاحب! یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس روز فون پر ملزمہ نے نہیں کسی اور لڑکی نے آپ سے بات کی ہو۔ آپ کا پُروثوق جواب تو یہی ثابت کرتا ہے کہ مذکورہ روز ملزمہ ہی نے فون کر کے مقتول کے بارے میں آپ سے استفسار کیا تھا اور........ یہ کہ آپ اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے تحسین صاحب! اور وہ یہ کہ آپ نے اس روز ملزمہ سے ویڈیو فون پر بات کی ہو؟"

"ویڈیو فون کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ "یہ بات میں نے اپنے اندازے کی بناء پر کہی تھی۔"

"اپنے اندازے کی بناء پر........ یا وکیل استغاثہ کے مشورے پر؟"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ کو جلال آ گیا۔ "وکیل صفائی، استغاثہ کے معزز گواہ سے فضول قسم کے غیر متعلقہ سوالات کر کے عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں ایسے تاخیری حربوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔"

میں نے اسی لئے یہ ویڈیو فون والی کہانی چلائی تھی اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وکیل استغاثہ کافی دیر سے برف کی سل دکھائی دے رہا تھا، اس کے چٹکی لینا بہت ضروری تھا تا کہ استغاثہ اور ڈیفنس کے درمیان ہونے والے اس کھیل میں ایک جوش اور ولولہ نظر آئے۔ میری اس چٹکی نے وکیل استغاثہ کو بلبلا کر اعتراض کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جج نے ٹھہری ہوئی نظر سے مجھے دیکھ کر کہا۔ "بیگ صاحب! آپ اپنے سوالات کو کیس کے دائرے میں رکھتے ہوئے گواہ سے جرح کریں۔"

"او کے، یور آنر!" میں نے نہایت ہی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا پھر وٹنس باکس میں کھڑے آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کے مالک اور استغاثہ کے گواہ تحسین بابر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تحسین صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے پتہ چلا ہے، مقتول کی تجہیز و تکفین وغیرہ کا انتظام آپ نے کیا تھا۔ بلاشبہ، یہ ایک نیک کام ہے۔ لیکن میں........ بلکہ معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ آیا مقتول کے ورثاء وغیرہ کون ہیں اور کہاں ہیں........ یا پھر........!"

میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ "منصور کا اس دنیا میں

کوئی بھی نہیں تھا۔ میں جب سے اسے جانتا ہوں، اس کے منہ سے کسی عزیز رشتے دار کا ذکر نہیں سنا۔ اس کا زیادہ ربط ضبط مجھ سے تھا لہٰذا اس کی تدفین وغیرہ کے معاملات مجھے ہی دیکھنا پڑے۔"

"آپ مقتول کو کب سے جانتے تھے؟"

"یہی کوئی آٹھ دس سال سے۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن آپ کی عمر تیرہ چودہ سال تو نظر نہیں آتی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ برہمی سے بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ملزمہ سے ہونے والی ٹیلی فونک گفتگو میں آپ نے اسے بتایا تھا کہ مقتول نہ تو آپ کا پارٹنر ہے اور نہ ہی ملازم بلکہ وہ آپ کا بچپن کا دوست ہے۔ بچپن کو اگر ہم تین چار سال سے شروع کر لیں تو آپ کے بیان کے مطابق آپ کے اور مقتول کے تعلقات کا عرصہ لگ بھگ تیرہ چودہ سال ہی بنے گا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟"

"آپ سراسر غلط کہہ رہے ہیں۔" وہ جھنجلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ "اور اس لئے غلط کہہ رہے ہیں کہ آپ کی مؤکلہ نے آپ کو مس گائیڈ کیا ہے۔ میں نے اس سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"اِٹس او کے........ زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر تحسین بابر!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ بتائیں، آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی چلاتے ہوئے آپ کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"کم و بیش آٹھ سال۔" اس نے جواب دیا۔

"سننے اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ آپ دوپہر کے بعد، دو بجے تک ایجنسی پہنچتے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "جبکہ آپ کا دوست صبح دس بجے ایجنسی کھول کر بیٹھ جاتا تھا۔ آپ کے مطابق وہ وہاں بیٹھا، اپنے فوٹو گرافی سے متعلق کام نمٹاتا رہتا تھا۔ جب آپ کی ایجنسی صبح کھل جاتی ہے تو آپ وہاں آ کر کیوں نہیں بیٹھتے؟ آپ کا یہ رویہ سراسر غیر کاروباری ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ جب مقتول نے میری ایجنسی پر بیٹھنا شروع نہیں کیا تھا تو میں دوپہر کے بعد دو بجے ہی ایجنسی کھولا کرتا تھا۔ صبح دس سے دوپہر دو بجے تک ایجنسی کھلنے کا میرے اسٹیٹ کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ظاہر ہے، ان چار گھنٹوں کا تعلق آپ کے اسٹیٹ بزنس سے نہیں بلکہ مقتول کے بلیک

میلنگ کے دھندے سے تھا۔'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا۔ ''مسٹر تحسین بابر! آپ اس بات کو جھٹلا نہیں سکتے کہ مقتول آپ کی ایجنسی کی آڑ میں بلیک میلنگ کا مذموم دھندا چلا رہا تھا۔ استغاثہ کی رپورٹ میں بڑی وضاحت سے مقتول کے کالے کرتوتوں کا تذکرہ موجود ہے۔ میرے توسط سے کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ مقتول کے بلیک میلنگ بزنس میں آپ کا پرافٹ شیئر کتنا تھا؟ یہ تو ممکن نہیں کہ وہ آپ کو سوکھا ہی ٹرخا رہا ہو؟''

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''میرے فاضل دوست حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں، یہ کون سا غیر متعلقہ قصہ لے کر بیٹھ گئے ہیں۔''

جج نے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ اپنی جرح جاری رکھیں۔''

''بہرحال منصور خان نامی ایک فری لانس بلیک میلر فوٹوگرافر کا قتل ہوا ہے نا۔ جب قتل ہوا ہے تو کائنات میں اس کا قاتل بھی کہیں موجود ہیں۔'' میں نے رک کر ایک بوجھل اور گہرا سانس خارج کیا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''اسی لئے......میں اسی لئے اپنے مؤکلہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کر رہا ہوں کہ اصل قاتل بے نقاب ہو جائے۔''

''واہ، واہ......سبحان اللہ!......کیا عظیم کوشش فرما رہے ہیں آپ۔'' وکیل استغاثہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''آپ تو استغاثہ کے معزز گواہ کو اس طرح اپنی ظالمانہ جرح کا نشانہ بنا رہے ہیں جیسے اپنے دوست کے قاتل یہی ہوں۔''

''میں نے ابھی تک ایسی کوئی کوشش کی ہے اور نہ ہی میرے سوالات سے ایسا تاثر اُبھرتا ہے۔'' میں نے معتدل لہجے میں کہا۔ ''بلکہ میری جرح کو ظالمانہ کہنا بھی زیادتی ہوگی۔ میں تو محض مقتول کے قریبی ساتھی کو چیک کر رہا ہوں میرے فاضل دوست!......اور اگر آپ بھی مقتول کے اتنے گہرے دوست ہوتے تو میں آپ سے بھی ایسے ہی کڑے سوالات کرتا۔''

جج نے دیوار گیر کلاک کی جانب نگاہ اٹھائی پھر مجھ سے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ گواہ سے کوئی اور سوال کرنا چاہتے ہیں؟''

عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ میں نے جج کے استفسار کا اثبات میں جواب دیا اور وٹنس باکس میں کھڑے استغاثہ کے گواہ تحسین بابر کی طرف متوجہ ہوا۔

''تحسین صاحب! آپ نے شروع میں میری جرح کے جواب میں بتایا تھا کہ جب مقتول آپ کی ایجنسی پر نہیں بیٹھا کرتا تھا تو ان دنوں آپ دوپہر دو بجے ہی ایجنسی کھولا کرتے

تھے......اور بعد میں بھی آپ دو بجے سے پہلے ایجنسی پر نہیں آتے۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے......کیا دوپہر دو بجے سے پہلے آپ کہیں اور مصروف ہوتے ہیں؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ معاملے کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''میں رات کو دیر تک جاگنے کا عادی ہوں اس لئے صبح دیر تک سوتا بھی ہوں۔ گیارہ، بارہ بجے تو میں ناشتہ کرتا ہوں اس لئے صبح سے ایجنسی میں آ کر بیٹھ جانا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔''

''اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ دوپہر سے پہلے گھر سے ہی نہیں نکلتے ہوں گے۔''

''جی ہاں......بالکل۔'' وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''مسٹر تحسین! اس وقت آپ ایک عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ آپ کی اسٹیٹ ایجنسی نہیں جہاں آپ غلط بیانی، جھوٹ اور مکروفریب سے جائیداد کی خرید وفروخت کے معاملات نمٹاتے رہیں گے۔''

میرے کڑے انداز نے اسے ڈگمگا دیا، لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ''مم......میں نے کون سا جھوٹ بولا......ہے......؟''

میں یکلخت ''آپ'' سے ''تم'' پر اُتر آیا۔ ''کیا یہ سچ نہیں کہ تم ایک ایسے سرکاری محکمے میں بھی ملازمت کرتے ہو جو جائیداد کی خرید وفروخت اور دیگر متعلقہ دستاویزات کا ادارہ ہے۔ تم روزانہ صبح سرکاری ڈیوٹی پر جاتے ہو اور دوپہر کے بعد اپنی اسٹیٹ ایجنسی پر آ کر بیٹھتے ہو۔ معمولی تنخواہ کے باوجود بھی تم اس سرکاری ملازمت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں کہ وہاں کے تعلقات کے باعث ایجنسی کے کام میں تمہیں کافی آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں؟''

''آ......آپ کو......یہ ساری باتیں اس نے بتائی......ہوں گی......'' اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑی ملزمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے کڑی نظر سے اسے گھورا اور کہا۔ ''اگر تمہارے سوال کا جواب ہاں میں دوں گا تو تم پھر یہی کہو گے کہ میری مؤکلہ نے مجھے مس گائیڈ کیا ہے لہٰذا میں ان افراد کے نام گنواتا ہوں جو مذکورہ سرکاری محکمے میں تمہارے ساتھ کام کرتے ہیں......اصغر علی، صفدر چیمہ، بشیر لاکھو اور صلاح الدین کو تو جانتے ہو نا؟......میں ان سب سے مل چکا ہوں اور اگر تم دروغ گوئی پر ڈٹے رہے تو میں انہیں گواہی کے لئے عدالت تک لانے کا بندوبست بھی کر سکتا ہوں۔''

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ پل بھر میں وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ میں نے اس کی گرتی ہوئی حالت کو مہمیز کرتے ہوئے کہا۔ ''جھوٹا انسان جھوٹ بولے بنا رہ نہیں سکتا اور ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے اسے قدم قدم پر سینکڑوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ میرے

نزدیک تمہارے اس جھوٹ کی زیادہ اہمیت نہیں کہ تم نے معزز عدالت کے سامنے اپنی سرکاری ملازمت کو چھپانے کی کوشش کی ہے بلکہ میں اس بڑے جھوٹ کا سراغ لگانا چاہتا ہوں جس کی پردہ پوشی کے لئے تمہیں متعدد جھوٹوں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے؟"

تحسین بابر کے کندھے جھک سے گئے۔ پھر وہ کٹہرے کے چوبی ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور جلدی سے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "پپ........ پانی........"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخواست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از اڈجارنڈ!"

❁

آئندہ پیشی پر استغاثہ کے تین گواہ یکے بعد دیگرے بھگتائے گئے۔ جن میں "کریم آٹوز" کا مالک کریم بھائی، اس کے گیراج میں کام کرنے والے الیاس احمد اور نبی بخش نامی دو مکینک بھی شامل تھے۔ یہ تینوں افراد باری باری اپنے حلفیہ بیان دے چکے تو میں نے اور وکیل استغاثہ نے ان پر مختصری جرح بھی کی لیکن ان کے بیانات اور بعد میں ہونے والی جرح میں کوئی ایسی خاص بات نہیں جسے احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ تاہم ان کے بعد پیش ہونے والے گواہ کے بیان نے زیر سماعت کیس میں ایک کرنٹ سا دوڑا دیا........اس گواہ کا نام تھا چچا خلیل!

چچا خلیل کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ ایک دُبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا۔ اس کے سر کے تمام بال سفید ہو چکے تھے۔ اس کے ہونٹوں اور دانتوں کو دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ وہ بذات خود پان کی ایک چلتی پھرتی دکان ہے اور اس نے بڑا پختہ تہیہ کر رکھا ہے کہ فروخت ہونے والے ہر پان کے ساتھ ہی وہ ایک پان اپنے کلے میں دبانا کبھی نہیں بھولے گا۔ اس بات کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ چچا خلیل کی پان سگریٹ کی ایک دُکان تھی جو "آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی" کے قریب ہی واقع تھی۔ اس کی دکان کا نام تھا "دل پان ہاؤس۔"

کریم بھائی کی طرح چچا خلیل نے بھی وقوعہ کے روز ملزمہ وردہ کو آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا تاہم وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وردہ، عدیل احمد کی بیٹی تھی۔ نہ ہی وہ اس کی رہائش کے بارے میں کوئی علم رکھتا تھا۔ وردہ کو کریم بھائی کی نشاندہی پر اس کے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا۔ کریم بھائی، عدیل احمد سے اچھی طرح واقف تھا۔

وکیل استغاثہ نے چچا خلیل کو فارغ کیا تو اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچا اور ہلکے پھلکے سوالات سے جرح کا آغاز کیا۔

"خلیل صاحب! آپ چچا خلیل کے نام سے مشہور ہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا میں بھی آپ کو اسی نام سے پکار سکتا ہوں؟"

"اکثر لوگ مجھے چچا کہتے ہیں، بعض چچا خلیل بھی کہہ لیتے ہیں۔" وہ بولا۔ "آپ مجھے خلیل کہیں، چچا خلیل پکاریں یا پھر محض چچا کہہ کر مخاطب کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"بس تو پھر صرف "چچا" ہی کافی ہے۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اس لفظ میں اچھی خاصی اپنائیت پائی جاتی ہے........ یہ تو محض ایک اتفاق ہے کہ آج ہم دو مخالف پارٹیوں کی حیثیت سے روبہ رو ہیں۔ آپ استغاثہ کے گواہ ہیں اور میں وکیل صفائی۔"

اس نے دوستانہ نظر سے مجھے دیکھا تاہم منہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں نے پوچھا۔ "چچا! یہ آپ کی دکان کا نام کچھ عجیب سا نہیں ہے؟"

"پان کی شکل بڑی حد تک دل سے ملتی جلتی ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس لئے میں نے اپنی دکان کا نام "دل پان ہاؤس" رکھا ہے۔ میں اتنی محبت سے پان لگاتا ہوں کہ میرے ہاتھ کا پان کھانے والوں کا دل خوش ہو جاتا ہے۔"

اس وضاحت پر میں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا اور زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "چچا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کے چہرے پر نظر آنے والی خوشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ چبانے والی اس پراڈکٹ سے آپ سب سے زیادہ اپنا ہی دل خوش کرتے رہتے ہیں!"

میں نے دانستہ محتاط رویہ اپناتے ہوئے "منہ" کے بجائے "چہرے" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ وہ میرے ریمارکس پر فراخ دلی سے ہنسا اور سوالیہ نگاہ سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ملزمہ کے لباس کے بارے میں چچا خلیل سے چند سوالات کئے تاکہ کریم بھائی کے بیان کا موازنہ کیا جا سکے۔ چچا نے بھی کم و بیش وہی جوابات دیئے جو اس سے پہلے کریم بھائی دے چکا تھا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "چچا! کیا آپ اپنی یادداشت پر زور دے کر بتا سکتے ہیں کہ وقوعہ کے روز آپ نے کتنے بجے ملزمہ کو "آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی" میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟"

میں نے دانستہ اپنے سوال میں ایک پیچ ڈال دیا تھا۔ وہ فوراً تصحیح کرتے ہوئے بولا۔

"وکیل صاحب! ایک بات کی میں وضاحت کر دوں اور یہ بات میں نے پولیس کو بیان دیتے وقت بھی کہی تھی کہ میں نے ملزمہ کو اسٹیٹ ایجنسی سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نہیں جانتا، وہ کب وہاں آئی تھی اور کتنی دیر تک اندر موجود رہی تھی۔"

"اس وضاحت کے لئے بہت بہت شکریہ چچا!" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "اب یہ تو بتا ہی دیں کہ وقوعہ کے روز جب آپ نے ملزمہ کو آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھا، اس وقت دن کا کیا بجا تھا؟"

"یہ بظاہر ایک معمولی سا سوال نظر آتا ہے لیکن میں اس کا بالکل درست جواب دینے سے قاصر ہوں" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "کیونکہ میں نے گھڑی میں وقت نہیں دیکھا تھا۔ مگر اتنا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ دوپہر کا وقت تھا...... بارہ، ساڑھے بارہ یا ایک ڈیڑھ......!"

چچا خلیل کا جواب تسلی کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا تھا لہٰذا میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھا دیا۔

"چچا! آپ کو یہ بات کیسے پتہ چلی کہ آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی میں کسی کا قتل ہو گیا ہے؟"

"یہ بات مجھے ایجنسی کے مالک تحسین بابر نے بتائی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"کتنے بجے بتائی تھی؟"

"یہی کوئی دو، سوا دو بجے۔" اس نے بتایا۔ "یا زیادہ سے زیادہ ڈھائی بجے ہوں گے۔"

تحسین روزانہ لگ بھگ دو بجے ایجنسی پہنچتا تھا۔ پولیس کے روزنامچے کے مطابق، اس نے ساڑھے تین بجے سہ پہر تھانے فون کر کے قتل کی اس واردات کی اطلاع دی تھی۔ چچا خلیل کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی بجے تک تحسین بابر اس ہولناک حقیقت سے واقف ہو چکا تھا کہ اس کی ایجنسی میں منصور خان کو قتل کر دیا گیا ہے...... پھر اس نے ایک گھنٹے بعد یعنی ساڑھے تین بجے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع کیوں دی؟ وہ اس تاخیر سے کون سا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا؟ یہ تاخیر محض اس کی بوکھلاہٹ کے سبب تھی یا اس کے پیچھے اس کا کوئی خاص مقصد کارفرما تھا؟

میں جوں جوں تحسین بابر اور اس کے اقدام کے بارے میں سوچ رہا تھا، اس کے حوالے سے میرا شک اور پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں، یہ شخص شروع ہی سے مجھے غلط نظر آ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قتل کی اس واردات میں وہ کسی نہ کسی زاویے سے ضرور ملوث رہا ہے۔ میں اپنے ان محسوسات کو فی الوقت کوئی نام دینے سے معذور تھا، آپ اسے چھٹی حس

کی مہربانی کہہ سکتے ہیں۔"

میں نے تحسین بابر کو ٹارگٹ بناتے ہوئے چچا خلیل سے سوالات شروع کر دیئے۔ "چچا! کیا تحسین یہ بات بتانے خود آپ کی دکان پر آیا تھا یا آپ اس کی ایجنسی گئے تھے؟"

"میں ہی گیا تھا اسے پان دینے۔" وہ بڑی رسان سے بولا۔ "اس روز تحسین کے حوالے سے میرا ذہن خاصا اُلجھا ہوا تھا۔ میں سنجیدگی کے ساتھ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کیونکہ تھوڑی دیر پہلے وہ مجھ سے ایک ایسی بات کہہ گیا تھا جو صفیہ کے دعوے کی تائید کرتی تھی لیکن میں صفیہ کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا، اس لئے تحسین سے پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر میرے دل کی دل میں اور ذہن کی ذہن میں ہی رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں اس سلسلے میں زبان کھولتا، تحسین نے منصور خان کے قتل کی اطلاع دے دی...... اس کے بعد تو کچھ پوچھنے، کوئی استفسار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"چچا! آپ نے ایک ہی سانس میں اتنی زیادہ اور اُلجھی ہوئی باتیں بتا دی ہیں کہ سننے والوں کا دماغ چکرا گیا ہوگا۔ میں آپ سے صرف ایک سوال کروں گا اور مجھے امید ہے، وہ سوال اس اُلجھی ہوئی صورتِ حال کا دروازہ ثابت ہوگا۔ اس کے بعد سب کچھ خود بہ خود کھلتا چلا جائے گا۔" میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی، پھر استغاثہ کے گواہ چچا خلیل سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"چچا! یہ صفیہ کون ہے؟"

"آپ کی چچی ہے وکیل صاحب!" وہ بڑی معصومیت سے بولا۔ "میری بیوی صفیہ کا دعویٰ ہے کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے لیکن میں اس کی بات ماننے کو تیار نہیں مگر وقوعہ کے روز جب تحسین نے بھی مجھ سے یہی جملہ کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں جب اسے پان دینے ایجنسی کی طرف گیا تو میرے ذہن میں یہی سوال تھا کہ اس سے پوچھوں گا، کیا واقعی میری یادداشت نے کوئی گڑبڑ کی ہے یا اس نے ازراہ مذاق مجھ سے وہ جملہ کہا تھا۔"

"تحسین نے آپ سے کون سا جملہ کہا تھا؟" میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔ "اور کس موقع پر؟...... اس وقت کیا صورتِ حال چل رہی تھی؟"

میرے اندر ایک آواز بار بار اُٹھ رہی تھی کہ میں منزل کے بہت قریب پہنچ گیا ہوں لیکن آنکھوں کے سامنے منظر بالکل واضح نہیں تھا۔ اس منظر کی ٹیوننگ اور فوکسنگ کے لئے ہی میں نے چچا خلیل سے وہ سوال کیا تھا۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاتا ہوں جناب!“ وہ لمحے بھر کو ٹھہرا پھر گہری سنجیدگی سے بتانے لگا۔ ”بات دراصل یہ ہے جناب! کہ تحسین جب بھی ایجنسی پر آتا ہے تو پہلے وہ مجھے پان اور سگریٹ وغیرہ کا آرڈر دیتا ہے، اس کے بعد ایجنسی میں داخل ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد، میں اس کا آرڈر ایجنسی میں دے آتا ہوں۔ لیکن وقوعہ کے روز تھوڑی گڑبڑ ہوگئی تھی۔“

وہ چند لمحات کے لئے رُکا پھر سلسلۂ وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”ملزمہ کو ایجنسی سے نکلے کوئی آدھا پونا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ میں تحسین کی موٹر سائیکل کو ایجنسی کے باہر کھڑے دیکھ کر چونک اٹھا۔ وہ لگ بھگ دو بجے ایجنسی آیا کرتا تھا اور میرے سامنے ہی سے گزرتا تھا۔ میں نے سوچا، ہوسکتا ہے وہ کسی ضروری کام سے قبل از وقت آ گیا ہو۔ میں اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ پھر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے مقررہ وقت پر تحسین کو اپنے سامنے پایا۔ وہ خلافِ معمول موٹر سائیکل پر بھی نہیں تھا۔ میں نے اس سے پوچھ لیا۔

”کوئی ناراضگی ہے تحسین بھائی؟ آج تو چپ چپاتے ہی کافی دیر سے ایجنسی میں آئے بیٹھے ہو۔ نہ سلام، نہ دعا......اور پان کا آرڈر بھی اتنی دیر سے!“

وہ چہرے پر حیرت سجاتے ہوئے بولا۔ ”چچا! کیا کہہ رہے ہو؟ میں تو ابھی آیا ہوں۔ موٹر سائیکل ادھر کھڑی کی ہے اور سیدھا دعا سلام کے لئے تمہارے پاس چلا آیا ہوں۔ تم نے مجھے گزرتے ہوئے دیکھا نہیں؟“

اس کے کھوکھلے لہجے نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا۔ میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا واقعی تم ابھی ابھی آ رہے ہو؟“

”ہاں، تو کیا میں غلط کہوں گا تم سے؟......تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے آنے کا یہی وقت ہے۔“ وہ تیز آواز میں بولا۔ ”اچھا تم پان بناؤ۔ میں ایجنسی میں جا رہا ہوں۔“

”میں نے گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایجنسی کے سامنے تمہاری موٹر سائیکل کھڑی دیکھی تھی۔“ میں نے متاملانہ انداز میں کہا۔ ”کیا واقعی تم......“

اس کے قہقہے نے میری بات کو قطع کر دیا۔ قہقہہ مکمل کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ”اور کچھ نہیں چچا!...... یہ عمر کا تقاضا ہے۔ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ انسان کی یادداشت کمزور ہونے لگتی ہے اور......میں محسوس کر رہا ہوں تمہیں دور کی نظر کا چشمہ بھی لگا لینا چاہیے۔“

بات ختم کرتے ہی وہ اپنی ایجنسی کی جانب بڑھ گیا۔ پان تو تیار ہی رکھے تھے۔ میں

نے سگریٹ وغیرہ لی اور چند منٹ کے بعد اس کی طرف گیا اور پھر اس سے پہلے کہ میں حافظے والے موضوع پر اس سے کوئی بات کرتا، اس نے مجھے منصور خان کے قتل کی سنسنی خیز خبر سنا دی۔“

”دیئر اِز ویری امپورٹنٹ پوائنٹ یور آنر!“ میں نے چچا خلیل کے خاموش ہوتے ہی جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری آواز اتنی بلند تھی کہ عدالت کے کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ میں نے طنزیہ نظر سے وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کی طرف دیکھا پھر روئے سخن جج کی سمت موڑتے ہوئے جوش بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

”جناب عالی! میں معزز عدالت سے ایک مرتبہ پھر یہ کہنا چاہوں گا کہ میری مؤکلہ ملزمہ وردہ بے گناہ و بے قصور ہے۔ اسے ایک سازش کے تحت قتل کے اس کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔ جائے وقوعہ سے حاصل کئے جانے والے فنگر پرنٹس کی صورتِ حال چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ وقوعہ کے روز میری مؤکلہ مقتول سے ملنے ضرور گئی تھی لیکن اس نے منصور خان کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا۔“

میں سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوا پھر اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دیتے ہوئے مزید کہا۔

”یور آنر! پچھلی پیشی پر میں نے استغاثہ کے گواہ اور آشیانہ اسٹیٹ ایجنسی کے مالک تحسین بابر پر خاصی طویل اور کڑی جرح کی تھی جس کے نتیجے میں اس کے متعدد جھوٹ اور غلط بیانیاں معزز عدالت کے ریکارڈ پر آ چکی ہیں لیکن استغاثہ کے ایک اور گواہ چچا خلیل نے اپنی سادگی کے باعث تحسین بابر کے حوالے سے جو انتہائی خطرناک اور سنسنی خیز انکشاف کیا ہے، وہ اس کیس کا پانسہ پلٹ دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر مسٹر تحسین وقوعہ کے روز ایک ڈیڑھ بجے دوپہر اپنی ایجنسی پر موجود تھا تو اس کی ذات شکوک و شبہات کی دبیز چادر میں لپٹی نظر آتی ہے کیونکہ اس نے میری جرح کے جواب میں بتایا تھا، مذکورہ روز بھی وہ اپنے معمول کے مطابق دوپہر دو بجے ہی ایجنسی پہنچا تھا۔ ازیں علاوہ اس نے چچا خلیل کو بھی یہی بتایا ہے۔ چچا خلیل کی یادداشت یا حافظہ ممکن ہے کہ کمزور ہو گیا ہو لیکن دُور کی نگاہ کو تو اس وقت بھی چیک کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر......موٹر سائیکل کسی آئی اسپیشلسٹ کے کلینک کی دیوار پر آویزاں چارٹ کا کوئی ہندسہ نہیں ہے جسے دیکھنے میں چچا کو کوئی دشواری پیش آئی ہو۔ اتنی بڑی شے کو تو وہ لوگ بھی بغیر چشمے کے دیکھ سکتے ہیں جن کی آنکھوں پر دور کا مستقل چشمہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ تمام تر

حقائق اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ تحسین بابر کا کردار انتہائی متنازع اور مشکوک ہے اس لئے......"

میں نے ایک مرتبہ پھر لمحاتی توقف کیا، پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اس لئے جناب عالی! میں معزز عدالت سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ مسٹر تحسین بابر کو شامل تفتیش کر کے منصور خان کے قاتل تک پہنچنے کی کوشش کا ازسرِنو آغاز کیا جائے۔ اگر مسٹر تحسین بابر قتل کی اس واردات میں ملوث نہیں تو مجھے یقین ہے کم از کم وہ قاتل تک راہ نمائی ضرور کر سکتا ہے......اس کے ساتھ ہی میں معزز عدالت سے یہ استدعا بھی کروں گا کہ وہ میری مؤکلہ کو باعزت بری کرنے کے احکام صادر فرمائے......دیٹس آل یور آنر!"

میں نے صورتِ حال کو جس زاویے اور وضاحت سے پیش کیا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے جج نے یہی فیصلہ کیا کہ تحسین بابر کو شامل تفتیش کرنا مفید نتائج لا سکتا ہے لہٰذا اس نے متعلقہ عدالتی عملے اور انکوائری آفیسر کو ضروری احکام صادر کر دیئے......پھر ایک ہفتے بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخواست کر دی۔

اس پیشی پر عدالت نے میری مؤکلہ کو بری کرنے کے حوالے سے کوئی فیصلہ نہیں سنایا۔

❁

میں نے جن خطوط اور نکات کو عدالت کے ریکارڈ پر لانے کے لئے زور مارا تھا، وہ انکوائری آفیسر سے کوئی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ میں نے جرح کے دوران آئی او شمشاد علی کو بھی کاسٹک سوڈے سے اچھی طرح دھویا تھا لہٰذا اپنی تفتیش کے حوالے سے اب وہ ایسی کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا جیسی متعدد غلطیاں فنگر پرنٹس اٹھانے کے سلسلے میں اس سے سرزد ہو چکی تھیں۔ اس نے اس مشن میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے ایسا زور مارا کہ تحسین بابر اس کی تفتیش کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے منصور خان کا قتل قبول کر لیا۔

تحسین نے پولیس کسٹڈی میں جو طویل بیان دیا، میں یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ بعد میں جب نئے چالان کے ساتھ عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے وہاں بھی من و عن یہی بیان دہرایا تھا۔ سچ بولنے کے لئے چونکہ کچھ یاد کرنا، کچھ سوچنا نہیں پڑتا لہٰذا اس کی زبان نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ واقعات کے مطابق، کچھ عرصہ قبل تحسین کو مقتول کے کالے کرتوتوں کی بھنک لگ گئی تھی۔ جب اس نے اس سلسلے میں، مقتول سے بات کی تو تھوڑے حیل و حجت کے بعد اس نے اپنے کارناموں کا اقرار کر لیا۔ تحسین نے اسے اپنی ایجنسی سے

الگ کرنے کی کوشش کرنا چاہی تو اس نے تحسین کو بھی بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران ایجنسی پر بیٹھتے ہوئے اور تحسین سے بہت زیادہ گھلنے ملنے کے نتیجے میں مقتول اس کی بہت سی کمزوریوں، خامیوں، ہیرا پھیریوں اور جرائم سے آگاہ ہو گیا تھا۔ تحسین بھی کوئی ایماندار اور نیک کار انسان تو تھا نہیں۔ بہت سے اُلٹے سیدھے کاموں میں وہ بھی پوری طرح ملوث تھا لہٰذا وہ باآسانی مقتول کے ہاتھوں بلیک میل ہونے پر تیار ہو گیا۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ مقتول اس کا بچپن کا دوست نہیں تھا بلکہ ایجنسی پر بیٹھنے سے کچھ عرصہ قبل ہی ان کی ملاقات اور پھر دوستی ہوئی تھی۔ بہر حال، اگر یہ کہا جاتا ہے......کبوتر با کبوتر، باز با باز......تو کچھ غلط نہیں کہا جاتا۔ یہ دونوں جرائم پیشہ افراد جب ایک دوسرے کے سامنے ایکسپوز ہو گئے تو ان میں اور بھی گاڑھی چھننے لگی۔ دونوں نے مصلحت کوشی کو کام میں لاتے ہوئے کھلے دل سے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا۔

اگر مقتول حد سے تجاوز نہ کرتا تو ممکن ہے ان کے بیچ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہتے۔ لیکن ایک روز مقتول کے حوالے سے تحسین کو ایک ایسی بات پتہ چلی کہ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ مقتول اس کی بیوی کو اپنے چنگل میں پھانس کر آستین کا سانپ بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ تحسین نے اس امر کی تصدیق کے بعد فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ مقتول اس کی عزت پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو، وہ آستین کے اس سانپ کا سر کچل کر رکھ دے گا۔ اس طرح نہ صرف اس کا گھر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا بلکہ اس کے جرائم کا ایک مضبوط گواہ بھی صفحۂ ہستی سے صاف ہو جائے گا۔

جب مقتول کے کارنامے تحسین کے سامنے کھل گئے تو وہ اسے اپنے کلائنٹس کے بارے میں بھی بتاتا رہتا تھا۔ تحسین نے ملزمہ کے فون کے بارے میں جب مقتول کو بتایا تو اس نے ملزمہ کے حوالے سے تحسین کو آگاہ کر دیا۔ اس طرح مقتول کی زبانی اگلے روز تحسین کو یہ بھی پتہ چلا کہ کب اور کتنے بجے ملزمہ رقم کے ساتھ اس سے ملنے آ رہی ہے۔ چنانچہ اس نے دس دسمبر یعنی وقوعہ کے روز مقتول کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور......پھر نہایت ہی خاموشی کے ساتھ اس نے ملزمہ کے ایجنسی سے رخصت ہونے کے بعد اپنے منصوبے پر عمل کر ڈالا۔

تحسین بابر نے جب معزز عدالت کے سامنے اپنے جرم کا حلفیہ اقرار کر لیا تو پھر میری مؤکلہ کی بریّت کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں خود بہ خود ہی ہٹ گئیں لہٰذا اسی پیشی پر جج نے میری مؤکلہ اور اس کیس کی ملزمہ وردہ کو باعزت بری کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔

ملزموں والے کٹہرے میں کھڑے تحسین بابر نے جب اقبالِ جرم کے بعد معاندانہ نظر

سے مجھے دیکھا تو میں اس سے پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"مسٹر تحسین! ماضی میں تمہارا اور مقتول کا کردار کیا رہا ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن معزز عدالت کے سامنے میں اتنا ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم نے اس معاملے میں میری مؤکلہ کو قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کیوں کی؟"

"وکیل صاحب!" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "میں اگر آپ کے اس سوال کا جواب نہ بھی دوں تو آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے باوجود بھی میں جواب ضرور دوں گا۔"

"واقعی، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں اس حوالے سے تم پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھ سمیت حاضرین عدالت چونکہ یہ جاننے کے مشتاق ہیں اس لئے اگر تم بتا دو تو یہ ہم سب پر تمہارا احسان ہوگا...... آخر ورده نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ تم نے اس سے کون سی دشمنی نکالنے کی کوشش کی؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میری نہ تو ملزمہ سے کوئی دشمنی تھی اور نہ ہی مقتول سے کوئی دوستی۔ میں نے تو ایک کوشش کی تھی لیکن میری بدقسمتی کہ وہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"تو تم نے اپنی گردن بچانے کے لئے میری مؤکلہ کی گردن مارنے کا بندوبست کیا تھا؟" میں نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایسا کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں آیا؟"

"خدا کا خوف!" وہ انتہائی سفاکی سے تمسخرانہ انداز میں بولا۔ "وکیل صاحب! "خوفِ خدا" جیسے الفاظ کتابوں میں لکھے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔"

"گویا تم خدا کے وجود سے انکاری ہو؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"مم...... میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی۔" وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "خدا دلوں میں رہتا ہے اور اس کا خوف بھی کتابوں کے صفحات پر نہیں بلکہ انسان کے دل کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے۔ "خوف خدا" کا مذاق اُڑانے کا مطلب یہی ہے کہ نعوذ باللہ خدا کا مذاق اُڑایا جائے اور...... اور کوئی بھی انسان جو خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہے وہ اس عظیم و برتر ہستی کا مذاق اُڑانے کا تصور نہیں کر سکتا!"

وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ "اُدھر جیل میں دینی تبلیغ والے میری بہت جان کھائیں گے۔ آپ تو معاف کر دیں بیگ صاحب!"

اس کے ان ریمارکس کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی لہٰذا میں نے

خاموشی اختیار کی۔

میں نے بڑے بڑے ظالموں اور شقی القلب مجرموں کو سزا ہوتے دیکھی اور سنی تھی۔ اس موقع پر وہ ایسے نظر آتے ہیں جیسے ان سے زیادہ کوئی معصوم، مظلوم اور شریف النفس روئے زمین پر موجود نہ ہو۔ اور ...... ایک یہ تحسین بابر اسٹیٹ ایجنٹ تھا کہ اس کا دل گویا سیاہ ہو چکا تھا، دھڑکن پیدا کرنے والے گوشت کے لوتھڑے کی بجائے سیاہی کی دوات بن گیا تھا۔ ایسے پتھر دل، سفاک لوگوں کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا، سوائے اس دعا کے......!

وہ خدا جس کو یہ خاطر میں نہیں لاتے، ان کے دل کی سیاہی کو دھو کر اور سختی کو نرم کر کے وہاں "خوفِ خدا" پیدا کر دے تاکہ مخلوقِ خدا ان کے دست برد سے محفوظ رہ سکے۔ آمین!

قدرِ مشترک

پیشہ کوئی بھی برا نہیں ہوتا!

یہ تو انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے پیشے سے کس حد تک مخلص ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے پیشے کے تقاضے نبھاتے ہوئے انصاف اور دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تو وہ راسخ الپیشہ کہلائے گا۔ لیکن اگر اس نے اپنے پیشہ ورانہ فرائض سے غفلت برتتے ہوئے کام میں جرم کو بھی شامل کر لیا تو وہ جرائم پیشہ ہو جائے گا۔ گویا انسان اچھا اور برا ہو سکتا ہے، پیشہ نہیں۔

شکیل پیشے کے اعتبار سے ایک میٹر ریڈر تھا۔ وہ ادارۂ فراہمی بجلی کا باقاعدہ ملازم نہیں تھا بلکہ کسی ''ٹھیکے دار'' کے لئے کام کرتا تھا۔ ٹھیکے دار نے اسے میٹر ریڈنگ کا طریقہ کار سمجھا دیا تھا۔ یہ کام اس کے لئے مشکل نہیں تھا اور پھر بے روزگاری کے دنوں میں ملا تھا لہٰذا وہ پوری تندہی سے اس کام میں لگ گیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل کی بلند و بالا دیواروں کے پیچھے قید تھا۔ اس پر قتل کا الزام تھا۔ شکیل کا ایک دوست گل داد زاہد اس کی بریّت کے لئے میری خدمات حاصل کرنے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک تگڑی سفارش بھی لایا تھا۔

سفارش اور رشوت میں بہت نازک سا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اب یہ فرق جاتا رہا ہے۔ کسی زمانے میں سفارش کو جائز کام اور رشوت کو ناجائز کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر شے، دستور اور روایت بدل کر رہ گئی ہے۔ فی زمانہ تو اپنے جائز کاموں کے لئے بھی رشوت دینا پڑ جاتی ہے۔ اس میں زمانے کا کوئی قصور نہیں۔ یہ چلن ہم نے خود ڈالا ہے اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کو بھی ہمیں ہی برداشت کرنا ہے۔

میں نے اوپر جس تگڑی سفارش کا ذکر کیا ہے اس سے مطلب پہلے زمانے والی سفارش تھی۔ گل داد زاہد میرے ایک دوست منہاس باقر کی سفارش لایا تھا۔ منہاس باقر ''ہمت'' نامی ایک اخبار کا مالک تھا اور گل داد زاہد مذکورہ اخبار میں کارٹون وغیرہ بنانے کے علاوہ آرٹ

کے شعبے کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ وہ بنیادی طور پر ایک آرٹسٹ تھا اور ''ہمت'' کی نوکری کے ساتھ ساتھ ایک منتقلی ڈائجسٹ میں اسکیچز وغیرہ بھی بناتا تھا۔ اس ڈائجسٹ کا نام ظاہر کرنا ضروری نہیں۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے گل داد زاہد سے کہا۔

''منہاس باقر صاحب سے تو میں بعد میں بات کر لوں گا۔ آپ اس کیس کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں وہ مجھے بتا دیں۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے رف پیڈ اور پین سنبھال لیا پھر سوالیہ نظر سے آرٹسٹ گل داد زاہد کی طرف دیکھنے لگا۔ گل داد کی عمر چالیس سے متجاوز تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ رنگت سانولی، قد درمیانہ اور جسم مائل بہ فربہی۔ بعد میں مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ راجن پور کا رہنے والا تھا اور ایک طویل عرصے سے کراچی میں مقیم تھا۔ اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے لی مارکیٹ کے علاقے میں واقع ایک ہوٹل میں ماہانہ کرائے کی بنیادوں پر ایک کمرہ لے رکھا تھا جو اس کا بیڈ روم بھی تھا اور اسٹوڈیو بھی۔ ان دنوں ملزم شکیل اسی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔

میرے استفسار کے جواب میں گل داد نے بتایا۔

''شکیل لگ بھگ تین ماہ سے میرے پاس رہ رہا ہے۔ میں اس کے مزاج اور عادات کو اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ وہ ایسا بندہ نہیں کہ کسی کو قتل کر دے۔ اسی لئے میں نے منہاس صاحب سے اس کے بارے میں بات کی تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں، شکیل کو کسی گہری سازش کے تحت اس معاملے میں ملوث کیا گیا ہے۔ وہ بے گناہ ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے سزا نہ ہو۔''

''بڑی اچھی اور نیک خواہش ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''شکیل پر کس کو قتل کرنے کا الزام ہے؟''

''واحد علی!'' گل داد نے جواب دیا۔ ''مقتول رام سوامی کے علاقے میں رہتا تھا۔''

''شکیل کا واحد علی سے کیا تعلق تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خاص تعلق نہیں۔'' وہ سرسری سے لہجے میں بولا۔ ''شکیل میٹر ریڈنگ کے لئے اس علاقے میں جاتا تھا اور مقتول کے گھر کا میٹر بھی وہی دیکھتا تھا اور.......'' اس نے پراسرار انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اور کیا.......؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

"اور یہ کہ........ سننے میں آ رہا ہے، شکیل مقتول کی بیٹی نیلی سے محبت کرنے لگا تھا۔"
گل داد نے جواب دیا۔ "حالانکہ وہ گزشتہ تین ماہ سے میرے کمرے میں رہ رہا تھا لیکن اس نے محبت والے معاملے پر کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ اس بارے میں تو مجھے اس کی گرفتاری کے بعد پتہ چلا ہے۔"

"یہ ایک اہم پوائنٹ ہے۔" میں نے قلم کو پیڈ پر گھستے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ "گل داد صاحب! آپ ملزم کی اس محبت کے بارے میں اور کیا جانتے ہیں؟ اس معاملے کی ہوا لگنے کے بعد آپ نے اس سے بات تو کی ہوگی؟"

"جی ہاں........ میں نے اس موضوع پر اس سے بات کی تھی۔" گل داد نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ نہ تو صاف انکار کیا اور نہ ہی اقرار۔ وہ بہت افسردہ اور غم زدہ ہے۔"

"کسی بھی قتل کے ملزم کو غم زدہ اور افسردہ ہونا بھی چاہیے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "گل داد صاحب! آپ ایک طرح سے ملزم کے دوست ہیں اور اپنے باس کی سفارش لے کر میرے پاس پہنچے ہیں۔ اس کے گھر والے کہاں ہیں؟........ میں ملزم کی فیملی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"کیا آپ نے یہ سوال اس لئے کیا ہے کہ یہ جاننا چاہتے ہیں، آپ کی فیس کون ادا کرے گا؟" اس نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

گل داد اپنی وضع قطع کے برخلاف باتیں بڑی سمجھ داری اور تجربے کی کرتا تھا۔ میں نے خالص پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

"دونوں ہی باتیں ہیں۔ فیس والے معاملے کے علاوہ میرے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ملزم کے لواحقین کون لوگ ہیں؟ وہ اس کیس کے ملزم کے ساتھ کتنے مخلص ہیں؟ وہ اسے بے گناہ سمجھتے ہیں یا قصوروار۔ کسی بھی کیس میں ملزم کے لئے فیملی سپورٹ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی بھی وکیل صفائی کا ملزم سے زیادہ اس کے لواحقین سے واسطہ پڑتا ہے۔"

"میں آپ کی بات ایک سو ایک فیصد سمجھ گیا۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا۔ "جہاں تک ملزم کے لواحقین کا تعلق ہے تو اس کا، ایک بوڑھی ماں کے سوا اس دنیا میں کوئی قریبی رشتے دار موجود نہیں اور........ اس کی ماں اللہ رکھی بھی یہاں کراچی میں نہیں رہتی۔"

"پھر........ وہ کہاں رہتی ہے؟" اس کی بات پوری ہونے پر میں نے پوچھا۔

"ٹوبہ ٹیک سنگھ میں!" گل داد نے جواب دیا۔ "ٹوبہ ٹیک سنگھ صوبہ پنجاب میں، ضلع

فیصل آباد کے قریب واقع ہے۔"

"اوہ........!" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "میں ٹوبہ ٹیک سنگھ اور فیصل آباد کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" ایک لمحے کے توقف سے میں نے استفسار کیا۔ "کیا اللہ رکھی کو اس واقعے کے بارے میں اطلاع دے دی گئی ہے؟"

"نہیں........" اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے شکیل سے کہا تھا کہ اس کی ماں کو اس واقعے کے بارے میں بتا دیتے ہیں لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا ہے، ماں یہ خبر سنتے ہی مر جائے گی۔ اس نے مجھے بھی قسم دی ہے کہ اس کی ماں اللہ رکھی کو اس کی مصیبت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

گل داد زاہد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیگ صاحب! میری بات ادھوری رہ گئی تھی۔ جہاں تک آپ کی فیس اور دیگر عدالتی اخراجات کی بات ہے، وہ میں ادا کروں گا۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے باس سے بھی بات کی ہے۔ وہ مجھے ایڈوانس دینے کو تیار ہیں۔ اگر آپ اپنی فیس میں "اسپیشل ڈسکاؤنٹ" دے دیں تو شکیل کو اس ناگہانی سے نکالا جا سکتا ہے!"

"ڈسکاؤنٹ تو میں کر دوں گا۔ لیکن "اسپیشل" کا وعدہ نہیں ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "سب سے پہلے یہ بتائیں، ابھی تک ملزم کے لئے کسی وکیل کا بندوبست کیوں نہیں کیا گیا؟"

"اس کی گرفتاری کے فوراً بعد میں نے شکیل کے لئے ایک وکیل کا انتظام کیا تھا لیکن وہ بہت ہی پھسپھسا ثابت ہوا۔" گل داد زاہد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "یا یہ بھی ممکن ہے، وہ بہت ہی عیار اور کائیاں ہو۔ میں نے ہی اسے سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ بہرحال، میں نے اسے فارغ کر دیا۔"

"آخر ہوا کیا تھا؟" میں نے گہری دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے استفسار کیا۔

اس نے بتایا۔ "اس وکیل کا نام امداد غوری تھا۔ اس نے شکیل کا کیس ہاتھ میں لیتے ہی ہمیں یہ تاثر دیا کہ اس کیس میں جان نہیں۔ استغاثہ بہت جاندار ہے، ملزم کی ضمانت ہونا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ بہرحال، میں کوشش کرتا ہوں........"

وہ چند لمحات کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"اس نے ایسی ماٹھی کوشش کی کہ ملزم کی ضمانت نہیں ہو سکی اور عدالت نے اسے

جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن شکیل کے جیل جانے کے بعد جب وکیل صاحب نے لمبے چوڑے مطالبے شروع کر دیئے تو میں بدک گیا۔ مجھے اس کی نیت پر شک ہونے لگا تھا۔ میں نے اس کے حوالے سے یہ محسوس کیا کہ وہ استغاثہ سے بھی زیادہ شکیل کو قصوروار سمجھتا ہے۔ لہٰذا میں نے پہلی فرصت میں اس سے جان چھڑا لی۔ میرے اس فیصلے میں منہاس صاحب کا مشورہ بھی شامل تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وکیل چکر دینے کی کوشش میں ہے لہٰذا اسے فارغ ہی کر دو تو اچھا ہے۔ منہاس صاحب نے مجھے تاکید کی کہ میں شکیل کے کیس کے سلسلے میں آپ سے ملوں........ اور میں اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔"

گل داد کے جواب سے میری تشفی نہیں ہوئی اس لئے کہ میں امداد غوری کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ نہایت ہی فراڈ قسم کا ایک بیدا گیر وکیل تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس نے گل داد کے ساتھ کیا، کیا تھا۔ چنانچہ میں نے پوچھ لیا۔

"آپ نے بتایا ہے کہ اس وکیل نے لمبے چوڑے مطالبے شروع کر دیئے تھے لیکن ان مطالبات کی وضاحت نہیں کی؟"

"جناب! وہ تو کسی لمبے ہی چکر میں تھا۔" گل داد چشمے کے عقب سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے نہایت ہی رازداری کے ساتھ کہنے لگا کہ ملزم بری طرح پھنسا ہوا ہے۔ اسے اس مصیبت سے نکالنا ہے تو اوپر بات کرنا پڑے گی۔ میں نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا، اوپر کہاں؟ اس نے پہلے سے بھی زیادہ رازداری سے بتایا، اوپر سے میری مراد جج صاحب ہے۔ جس جج کی عدالت میں شکیل کا کیس لگا ہوا ہے وہ ڈھائی تین لاکھ کی بات کر رہا ہے لیکن میں کوشش کر کے اسے دو پر راضی کر لوں گا۔ اگر تم کسی طرح دو لاکھ روپے کا بندوبست کر لو تو سمجھو جیت تمہاری ہی ہوگی۔ جب فیصلہ دینے والا ہمارے ہاتھ میں ہوگا تو پھر کاہے کا غم۔"

گل داد زاہد لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"سچی بات تو یہ ہے بیگ صاحب!........ کہ میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ اس وکیل سے جان چھڑانا ہے۔ بعد میں منہاس صاحب کی تائید پا کر میں نے امداد غوری کی چھٹی کر دی۔ دراصل، بات یہ ہے کہ امداد غوری کی بات سن کر مجھے منظور صاحب یاد آ گئے تھے اور پھر فیصلہ کرنے میں مجھے ایک لمحہ نہیں لگا۔"

"منظور صاحب!" اس کی کہانی میں ایک نئے کردار کی انٹری ہوئی تھی تو میں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ منظور صاحب کون ہوتے ہیں؟"

گل داد زاہد نے جواب دیا۔ "منظور صاحب کو میں اپنا گہرا دوست تو نہیں کہوں گا، البتہ یہ ہے کہ میں ان سے اور ان کے طریقۂ واردات سے اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"منظور صاحب کبھی محکمہ تعلیم سے وابستہ نہیں رہے لیکن باتیں ایسی کرتے ہیں کہ اس محکمے کے بڑے بڑے افسران سے ان کے دوستانہ مراسم ہیں۔ کوئی ان کی بات ٹال نہیں سکتا۔ خصوصاً ایجوکیشن بورڈ کے اندر اہم لوگوں سے ان کے گہرے تعلقات ہیں۔ یہی منظور صاحب اچھی خاصی بھاری رقم لے کر اسٹوڈنٹس کو پاس کرانے کا "کام" کرتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں، وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ کسی اسٹوڈنٹ کو پاس کروانے کے لئے وہ کسی بھی افسر سے بات نہیں کرتے۔ ان کا یہ تمام دھندا "بھرم" پر چل رہا ہے۔ وہ ہیں خاصے چرب زبان اس لئے متذبذب اسٹوڈنٹس فوراً ان کے جال میں قدم رکھ دیتے ہیں۔ خاص طور پر ایسے اسٹوڈنٹس جو امتحانات میں کچھ نہ کچھ کر کے تو آئے ہوتے ہیں لیکن انہیں اپنی کامیابی کا یقین نہیں ہوتا۔ وہ منظور صاحب ایسے "ضرورت مندوں" سے "منی بیک گارنٹی" کے وعدے پر تگڑی رقم بٹور لیتے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ بالفرض اگر منظور صاحب نے تیس افراد سے رقم وصول کی ہے، اس وعدے پر کہ وہ انہیں پاس کرا دیں گے تو ان تیس اسٹوڈنٹس میں سے خود بہ خود دس اسٹوڈنٹس بھی پاس ہو جاتے ہیں تو منظور صاحب اس کامیابی کا کریڈٹ لے لیتے ہیں، باقی بیس اسٹوڈنٹس کے پیسے واپس بھی کرنا پڑ جائیں تو کوئی پرابلم نہیں۔ لیکن منظور صاحب بہت کائیاں آدمی ہیں۔ وہ فرضی متعلقہ افسر تعلیم کو برا بھلا کہتے ہوئے بد دلی سے اسٹوڈنٹ کو رقم واپس کرتے ہوئے "سروس چارجز" کے نام پر کچھ نہ کچھ پیسے مار لیتے ہیں........ یہ گٹھلیوں کے دام........ والا قصہ ہے بیگ صاحب!"

"آپ امداد غوری کو بالکل صحیح پہچانتے ہیں گل داد صاحب!" اس کے طویل وضاحتی بیان کے اختتام پر میں نے کہا۔ "امداد غوری اور منظور صاحب کا طریقۂ واردات بڑی حد تک ملتا جلتا ہے۔"

گل داد زاہد نے کہا۔

"بیگ صاحب! شکیل کا کیس اب پوری طرح آپ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس وقت جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں بند ہے۔ تاریخ پندرہ روز بعد کی ہے۔ اس دوران آپ کو اچھی

خاصی تیاری کرنے کا موقع مل جائے گا۔“

”ہاں، یہ مدت میرے لئے کافی ہے۔“ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس عرصے میں اگر میرے لئے ممکن ہو سکا تو میں جیل جا کر شکیل سے ایک ملاقات بھی کر لوں گا ورنہ پیشی کے روز اس سے بات ہو جائے گی۔ فی الحال......“

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال آپ کو اس کیس کے حوالے سے جو کچھ معلوم ہے وہ مجھے بتا دیں...... خاص طور پر مقتول واحد علی اور اس کی فیملی کے بارے میں اور فیملی میں بھی خصوصاً مقتول کی اس بیٹی کے بارے میں جس سے ملزم کو محبت ہو گئی تھی...... میرا اشارہ نیلی کی طرف ہے۔“

”جی...... میں سمجھ گیا بیگ صاحب!“ گل داد زاہد نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نیلی کا اصل نام نیلوفر ہے اور یہ مقتول کی سب سے بڑی بیٹی یعنی اس کی پہلی اولاد ہے۔ مقتول پیشے کے اعتبار سے قصائی تھا۔ اُدھر رام سوامی ہی میں اس کی گوشت کی دُکان ہے۔ اس نے نیلوفر سے چھوٹے تین بیٹوں فرہاد، نعمان اور فیضان کو اپنے ساتھ کام میں لگا رکھا تھا۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے، مقتول کو بچے بنانے کے سوا اور کسی کام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔“ وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر ناگواری سے اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

”اللہ اس کی مغفرت کرے...... مقتول کی پوری نو اولادیں ہیں...... ہر عمر اور ہر سائز کی۔ چھ لڑکے اور تین لڑکیاں۔“

میں نے بھی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ واقعی یہ مقتول کا بڑا عظیم ”کارنامہ“ تھا۔ اس دور میں جبکہ ہر طرف ”بچے، دو ہی اچھے“ کا ڈھنڈورا پٹ رہا ہو، نو اولادیں پیدا کر ڈالنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مجھے مقتول واحد علی کی زندگی سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس دلچسپی کے زیر اثر میں نے گل داد سے پوچھا۔

”کیا آپ نے مقتول کی گوشت والی دُکان دیکھ رکھی ہے؟“

گوشت فروخت کرنے کا کام بھی بڑا دلچسپ ہے۔ اگر دُکان چل جائے تو سمجھو، سہ پہر سے پہلے گوشت ختم اور دُکان بند۔ قصاب کی چھٹی۔ بعد میں اپنے ہم خیال دوستوں میں بیٹھ کر گپیں لگائیں یا گھر میں ”بند“ ہو جائیں، آپ اس کے لئے آزاد ہیں۔ ”آپ“ سے میری مراد گوشت فروخت کنندہ ہے...... اور اگر آپ کے گوشت کی کوالٹی معیاری نہیں تو پھر شام تک بیٹھے مکھیاں مارتے اور اُڑاتے رہیں، کوئی آپ کو پوچھنے نہیں آئے گا۔

گل داد نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

”جی، دیکھی ہے۔ کافی بڑی اور صاف ستھری دکان ہے اور خوب چلتی ہے۔ چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کا گوشت ملتا ہے وہاں۔ ظہر سے پہلے تمام کا تمام گوشت ختم ہو جاتا ہے۔“

”جب ہی تو......“ میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

گل داد نے جب کسی قسم کا کوئی سوال نہیں پوچھا تو میں نے استفسار کیا۔ ”اور اس کے گھر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کبھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا؟“

میں اس کا عقیدت اور احترام بھرا انداز دیکھ کر اسے آپ سے تم پر لے آیا تھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔

”نہیں بیگ صاحب! ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا اور اس کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا تھا!“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ”نیلی کو کبھی دیکھا ہے؟“

”جی نہیں۔“ اس نے ایک مرتبہ پھر نفی میں گردن ہلائی۔

”ان کی شنیدہ محبت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ”شکیل نے اس سلسلے میں کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ اس واقعے کے بعد یہ خبر گرم ہوئی ہے کہ نیلی اور شکیل میں پچھلے کچھ عرصے سے کوئی چکر چل رہا تھا اور وہ موقع تاک کر مقتول کے گھر میں بھی چلا جاتا تھا...... نیلی سے ملنے!“

”لگتا ہے، تمہارا یہ روم میٹ ملزم شکیل خاصا جی دار اور مہم جو فطرت کا مالک ہے!“ میں نے گل داد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جس لڑکی کے آٹھ بہن بھائی ہوں، وہ بھی تمہارے بہ قول ہر عمر اور ہر سائز کے، اس سے ملنے کے لئے اسی کے گھر میں قدم رکھنا جان جوکھم کا کام ہے۔ میرے دل میں ملزم سے فوری ملاقات کی جستجو پیدا ہو گئی ہے!“

”بیگ صاحب! مجھے لگتا ہے، شکیل کی محبت کے بارے میں سنائی دینے والی ساری باتیں محض من گھڑت قصے اور کہانیاں ہی ہیں۔“ گل داد نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تو اس میں کوئی حقیقت نظر نہیں آتی۔ شکیل ایسا دکھائی نہیں دیتا تھا!“

”میاں! جو ایسے نظر نہیں آتے وہی تو اصل کمال کرتے ہیں۔“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”خیر، اس سلسلے میں، میں ملزم ہی کو کریدوں گا۔“

”اگر آپ جیل جا کر شکیل سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔“ گل داد نے سادگی سے کہا۔ ”اگر اس میں کوئی حرج نہ ہو تو......!“

”بظاہر تو کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن میں تنہا ہی اس سے ملنا چاہوں گا۔“ میں نے

دوٹوک انداز میں کہا۔ ''وہ جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں بند ہے۔ جیسے تھانے میں ریمانڈ یافتہ ملزم سے ملاقات مشکل ہوتی ہے، کچھ ایسا ہی معاملہ جیوڈیشل ریمانڈ والے ملزم کا بھی ہوتا ہے اور پھر........''

میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور پھر اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ ہوسکتا ہے تمہاری موجودگی میں وہ نیلی کے بارے میں بات کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا شکار ہو جائے کیونکہ تم اُس کے اس ''بھید'' سے واقف نہیں ہو........اس لئے میں چاہتا ہوں، اس سے اکیلے ہی میں ملوں۔ ویسے میں بعد میں تمہیں اس ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کردوں گا۔''

میری بات گل داد کی سمجھ میں آ گئی۔ میں نے آئندہ پندرہ بیس منٹ میں اس سے فیس وغیرہ کے معاملات طے کئے اور اس کی فراہم کردہ معلومات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ ملزم پچھلے تین ماہ سے گل داد کے ساتھ روم میٹ کی حیثیت سے رہ رہا تھا لہٰذا وہ اس کی آمد و شد، عادات، مزاج اور فطرت کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اور خصوصاً وقوعہ کے روز ملزم کی کیا مصروفیات رہی تھیں اس کی گل داد کو پوری خبر تھی۔ گل داد کی زبانی مجھے بعض ایسی باتیں پتہ چلیں جو ملزم کی موافقت میں جاتی تھیں۔ ان باتوں کا، عدالتی کارروائی کے دوران مناسب موقع پر ذکر کیا جائے گا۔

میں نے گل داد کو قوی امید کے ساتھ رخصت کرتے ہوئے یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ مجھ سے رابطے میں رہے۔ اس کیس کی تیاری کے سلسلے میں کسی بھی وقت اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ ملزم کی باعزت بریّت کے لئے ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہے۔

آنے والے دنوں میں، میں نے جیل جا کر ملزم شکیل سے ایک بھرپور ملاقات بھی کر لی۔ ملاقات کو ممکن بنانے کے لئے میں نے جو ٹیکنیکس استعمال کیں ان کی تفصیل بیان کرنے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ شکیل اپنی گرفتاری اور جیل جانے پر بے حد پریشان تھا۔ میں نے اس کی فکرمندی دور کرنے کے لئے تسلی دلاسہ دیا اور اس کا حوصلہ بڑھانے والی باتیں کیں تو وہ بڑی حد تک مطمئن دکھائی دینے لگا۔

شکیل کی عمر لگ بھگ اٹھائیس سال رہی ہوگی۔ رنگ گندمی اور قامت درمیانہ۔ اس کی پیشانی پر سے اچھے خاصے بال اُڑ چکے تھے۔ سر کے میدان کا یہ حصہ اس لئے بھی چٹیل نظر آ رہا تھا کہ وہ بال پیچھے کو بنانے کا عادی تھا۔ اگر وہ مناسب انداز میں مانگ نکالنا شروع کر دیتا تو

بالوں اور پیشانی کی اس ''محرومی'' کو چھپایا جا سکتا تھا۔ اس کی صحت قابل تعریف تھی اور شخصیت میں بھی خاصی کشش پائی جاتی تھی۔

میں نے جلد ہی اسے خود سے بے تکلف کرلیا اور یقین دلایا کہ وہ اگر بے گناہ ہے، اس نے کسی واحد علی قصائی کو قتل نہیں کیا تو دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکے گی۔ اس کے اندر اس قسم کی امید اور یقین پیدا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ غم و پریشانی کے اندھیروں سے نکل کر خود پر بھروسہ کرنے لگے اور اس کے ساتھ میں بے تکلف اس وجہ سے ہوا تھا کہ وہ اپنے دل کا حال میرے سامنے بیان کر سکے اور........ مجھے اپنے اس مقصد میں صد فیصد کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

اس ملاقات کے اختتام پر میں نے وکالت نامے اور دیگر ضروری کاغذات پر شکیل کے دستخط لے لئے۔ اسے اس کیس کے حوالے سے چند اہم قانونی نکات سے آگاہ کیا اور خصوصی ہدایات بھی دیں۔ پھر عدالت میں ملاقات کا وعدہ کر کے میں وہاں سے چلا آیا۔

ملزم شکیل کی زبانی مجھے اس کے، مقتول کے اور نیلی کے بارے میں بڑی اہم اور دلچسپ معلومات حاصل ہوئیں۔ اس کہانی کو ایک خاص ترتیب دے کر میں اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہی حاصل کرلیں۔ ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ان میں سے بہت سی باتیں مجھے بعد میں عدالتی کارروائی کے دوران معلوم ہوئی تھیں لیکن واقعات کی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے میں نے انہیں بھی شاملِ داستان کرلیا ہے۔ اسی طرح بعض باتیں اور نکات میں نے دانستہ آپ سے چھپا لئے ہیں جو عدالتی کارروائی کے وقت کسی سنسنی خیز موقع پر ظاہر کروں گا........تاکہ کہانی کا سسپنس برقرار رہے۔

امید ہے، آپ میری اس مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ سالہا سال سے، میرے اس انداز کے عادی ہو چکے ہوں گے، اس لئے میں آپ کی طرف سے مطمئن رہتا ہوں۔

شکیل کا تعلق ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تھا جہاں اس کی اکلوتی قریبی رشتے دار اس کی ماں اللہ رکھی رہتی تھی۔ اس نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ پہلے ٹوبہ ٹیک سنگھ اور فیصل آباد میں کام کرتا رہا تھا اور پچھلے ایک سال سے کراچی میں تھا۔ اس کے پاس نہ تو اعلیٰ تعلیم تھی اور نہ ہی

وہ کوئی تکنیکی ہُنر جانتا تھا لہٰذا اُسے اسی نوعیت کے کام ملتے تھے۔ کسی دُکان میں سیلز مین، کسی فیکٹری میں منشی کا معاون یا پھر کسی ٹھیکے دار کے لئے کام کرنے والا میٹر ریڈر!

جیسا کہ میں شروع میں بتا چکا ہوں، ملزم محکمہ فراہمی بجلی کا باقاعدہ ملازم نہیں تھا۔ اس کے ایک خیر خواہ نے اسے بہرام نامی ایک شخص سے ملوایا تھا جو مذکورہ محکمے سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرام نے پہلے بھی بہت سے لڑکوں کو غیر قانونی طور پر میٹر ریڈنگ کے لئے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ شکیل کو بھی نوکری مل گئی۔ اس ''کام'' میں آنے سے پہلے، وہ منظور کالونی کے کسی کارخانے میں ملازم تھا جہاں لکڑی کا فرنیچر تیار ہوتا تھا۔ اس کی رہائش بھی اُدھر منظور کالونی ہی میں تھی۔ ''میٹر ریڈر'' بنے (اپنی گرفتاری کے وقت تک) اسے صرف پانچ ماہ ہوئے تھے۔ تین ماہ قبل وہ منظور کالونی کو خیر باد کہہ کر گل داد زاہد کے پاس آ گیا تھا۔ ان دونوں میں پہلے شناسائی پیدا ہوئی، پھر دوستی اور اب گل داد اس کے لئے ایک بڑے بھائی کا کردار ادا کر رہا تھا۔

ملزم کی، مقتول کی بیٹی نیلی سے محبت کا باب کھولنے سے پہلے میں مقتول واحد علی اور اس کی فیملی پر تھوڑی روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ اس بات کا اطمینان رکھیں کہ ملزم شکیل نے نیلوفر سے محبت کا اعتراف کرلیا تھا۔ وہ واقعی نیلی کے لئے سنجیدہ تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے دل کی بات کو نیلی کے باپ تک پہنچاتا، وہ مرحوم ہو گیا تھا۔ ملزم کے دل کی بات اس کے دل سے نکل کر نیلی کے گھر میں تو پہنچ چکی تھی لیکن مقتول کے ذہن تک رسائی حاصل کرنے کا اسے موقع نہیں مل سکا تھا، اُلٹا اسی کو اپنے متوقع سسر کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔

مقتول واحد علی کی عمر پچپن اور چھپن کے درمیان تھی جب وہ زندگی کی قید سے آزاد ہوا۔ وہ زندگی جس کی کنڈلی میں اس نے اپنی شریکِ حیات کے تعاون سے مزید نو زندگیوں کو جنم دیا تھا۔ اس کی اولادوں میں نیلوفر عرف نیلی سب سے بڑی تھی۔ نیلی کی عمر پچیس سال کے قریب تھی۔ اس سے چھوٹا فرہاد تئیس سال کا، نعمان بیس سال کا، فیضان سترہ سال کا، رابعہ تیرہ سال کی، نوشین دس سال کی، اسد آٹھ سال کا، بشارت پانچ سال کا اور کامران تین سال کا تھا۔ گویا، گل داد کا کہنا بالکل درست تھا، مقتول کی اولادوں میں ہر عمر اور ہر سائز کے بچے موجود تھے۔

اس کی کثیر الاولادی میں جہاں خاندان پھیلا تھا وہیں گھر کے بوجھ میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ یہ تو اچھا تھا کہ مقتول کی دُکان خوب جمی ہوئی تھی ورنہ اتنے بچوں کے کپڑے جوتے اور کھانا پینا مار دیتا۔ یوں لگتا تھا، مقتول کو جتنا زیادہ لگاؤ اولاد کی تعداد بڑھانے سے تھا، اتنی ہی

زیادہ دشمنی اسے تعلیم سے تھی۔ وہ خود پڑھا لکھا تھا اور نہ ہی اس نے اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہ لوگ گنتی خوب جانتے تھے۔ مقتول اکثر کہا کرتا تھا، انسان کو نوٹ کمانا اور نوٹ گننا آنا چاہئے۔ اصل تعلیم یہی ہے اور زندگی میں کام آتی ہے۔ باقی سب بکواس اور بے کار کی باتیں ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے تینوں بڑے بیٹوں کو گوشت کے کاروبار میں لگا رکھا تھا۔ وہ گوشت کھا کھا کر اور گوشت دیکھ دیکھ کر خاصے چربیلے ہو گئے تھے اور یہ چربی جسم کے ساتھ ساتھ ان کی عقل پر بھی کئی تہیں جما چکی تھی۔ اس کی نو اولادیں ماشاء اللہ بڑی صحت مند تھیں۔ ان کے وجود پر نگاہ پڑتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا، یہ گوشت والے ہیں۔''

نیلی کوئی توپ قسم کی موٹی تو نہیں تھی البتہ اس کا شمار فربہ لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ وہ صورت شکل کی اچھی ہی نہیں بلکہ...... بہت اچھی تھی۔ لہٰذا اس کی فربہی والا عیب دلکش چہرے کے عقب میں چھپ جاتا تھا۔ اس پر وہ باتیں بھی معصومیت کی قدرے حماقت بھری کرتی تھی جو صنفِ کرخت کو خاص کشش کرتی تھیں۔ شکیل بھی نیلی کی انہی ناز و اداؤں میں جا گرفتار ہوا تھا۔ اسے نیلی سے محبت ہو گئی تھی۔ پھر جب اسے پتہ چلا کہ نیلی بھی اس کی چاہت میں مبتلا ہے تو اس کی خوشی ساتویں آسمان کو چھونے لگی۔ اس سلسلے میں شکیل کوئی پہلا ''خوش قسمت'' نہیں تھا بلکہ اس سے قبل ایک اور میٹر ریڈر بھی اس دشت پُر خار کی سیاحت کر چکا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کا انجام شکیل سے مختلف ہوا تھا...... شکیل کے مقابلے میں نہایت ہی خوشگوار اور عین منطقی۔

کاش! مقتول نے تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھا ہوتا تو آج اسے اور اس کی فیملی کو یہ ''دن'' دیکھنے کو نہ ملتے۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے تو بالکل ہی خلاف تھا۔ اس کی احمقانہ سوچ کچھ اس قسم کی تھی کہ پڑھ لکھ کر لڑکیاں بہت تیز ہو جاتی ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے اپنے والدین کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہیں۔ اس نے اپنی بیٹیوں کو تعلیم کی نعمت سے محروم رکھا اور اسی محرومی کے سبب وہ گھر آفت کی لپیٹ میں آ گیا۔ آفت اور بیماری جب کسی کا گھر دیکھ لے تو پھر آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اور بعض اوقات تو یہ تباہی و بربادی کے بعد ہی رخصت ہوتی ہے۔ جیسا کہ...... مقتول کے معاملے میں ہوا!

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مقتول کی رہائش رام سوامی کے گنجان آباد علاقے میں تھی۔ میں یہاں ذرا اس کے گھر کی تفصیل بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آگے چل کر اس کا ذکر بھی آئے گا۔ مقتول ایک دو منزلہ گھر کا مالک تھا اور آمدنی کی اہمیت کو اس نے یہاں بھی

نظر انداز نہیں کیا تھا۔ وہ خود اپنی ''صحت مند'' فیملی کے ساتھ بالائی منزل پر رہتا تھا اور زیریں منزل کے دو پورشن بنا کر اس نے کرائے پر اٹھا رکھے تھے۔

ایک پورشن میں فاروق بھائی اپنی بیوی زبیدہ بائی اور دو بچوں کے ساتھ رہتے تھے اور دوسرا پورشن ایک نوبیاہتا جوڑے کے پاس تھا۔ قدیر بٹ اور شمائلہ کی چند ماہ قبل شادی ہوئی تھی اور ابھی ان کے بچے وغیرہ نہیں تھے۔ اگر مقتول معقولیت سے کام لیتا تو یہ پورا گھر یعنی دونوں منزلیں ان کی رہائشی ضرورت تھیں لیکن اس نے صرف بالائی منزل پر ''قناعت'' کر کے زیریں منزل کو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔

میں نے جس میٹر ریڈر کا حوالہ دیا، تھوڑا اس کا ذکر ہونا بھی ضروری ہے تاکہ نیلی کی تاریخ اور جغرافیے پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ موصوف کا نام نوید تھا اور وہ شکیل سے پہلے اس علاقے کی میٹر ریڈنگ کیا کرتا تھا۔ شکیل کی طرح نوید متعلقہ محکمے کے ٹھیکے دار سے وابستہ تھا اور کسی زمانے میں نیلوفر عرف نیلی کو اس میٹر ریڈر سے بھی محبت ہو گئی تھی۔

نیلی چونکہ پڑھی لکھی نہیں تھی اس لئے باہمی خط و کتابت کے لئے وہ اپنی دوست کی محتاج تھی۔ اس کی دوست پروین عرف پیلی کی تعلیم بھی بس واجبی سی تھی۔ لیکن وہ گزارہ لائق لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ جب نوید نے اپنے دل کا احوال ایک پرچے پر لکھ کر نیلی کے حوالے کیا تو وہ سیدھی اپنی رازدار دوست پیلی کے پاس پہنچی تھی۔ پیلی بھی اسی گلی میں رہتی تھی۔ وہ بھی نیلی کی طرح غیر شادی شدہ تھی۔

''دیکھ پیلی!'' نیلی نے تنہائی میسر آتے ہی کہا۔ ''تو میرا ایک کام کرے گی؟''

''ایک کیا، تو دس کام بول میں ضرور کروں گی۔'' پیلی نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دوست ہی تو مشکل وقت میں کام آتے ہیں۔ ویسے......تو کوئی خطرناک کام لے کر تو نہیں آئی؟''

''ارے نہیں پگلی! ایک رقعہ پڑھوانا ہے تجھ سے۔'' نیلی نے کہا۔

''رقعہ......یعنی خط؟''

''ہاں خط!'' نیلی نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

''لو لیٹر؟'' پیلی نے اس کی ادا سے معاملے کو بھانپ لیا۔

''مجھے نہیں پتہ، لو لیٹر کیا ہوتا ہے۔'' نیلی کسمسا کر بولی۔ ''تو یہ خط پڑھ دے۔''

پیلی نے نیلی سے مذکورہ تہ شدہ رقعہ لے لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگی۔

رقعے کے اختتام پر اس نے معنی خیز انداز میں گردن اٹھا کر نیلی کو دیکھا اور ٹٹولنے والے

انداز میں بولی۔

''میرا اندازہ بالکل درست تھا نیلی! میں تیرے شرمانے سے معاملے کی تہہ میں اُتر گئی تھی۔ بتا، یہ نوید کون ہے؟''

''وہ اپنا میٹر ریڈر ہے نا؟'' نیلی نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

''وہ اپنا نہیں، محکمے کا میٹر ریڈر ہے۔'' پیلی نے ایک خاص ادا سے اسے گھورا۔ ''تو اُس پینڈو کی بات کر رہی ہے نا، جو کسی گاؤں وغیرہ سے آیا ہوا ہے......وہ، کھمبے کی طرح لمبا؟''

''تو کیا تیری بھی اسی پر نظر ہے؟'' نیلی نے سادگی سے پوچھا۔

''میری جوتی دیکھتی ہے اس کی طرف۔'' پیلی چمک کر بولی۔

''چلو، یہ بھی اچھا ہے۔ تُو اسے کوئی اہمیت نہیں دیتی۔'' نیلی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''یہ چکر کب سے چل رہا ہے؟'' پیلی نے کھوجنے والے انداز میں سوال کیا۔

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا ابھی۔'' نیلی نے بتایا۔ ''یہ اس کا پہلا خط ہے۔ تُو نے پڑھ لیا ہے تو بتا، اس میں لکھا کیا ہے؟''

پیلی نے وہ خط من و عن پڑھ کر نیلی کو سنا دیا۔

نیلی نے کہا۔ ''تو جانتی ہے پیلی! میں لکھ پڑھ نہیں سکتی......تُو مجھے اس خط کا جواب لکھ دے نا!''

''تو کیا تُو نوید کے معاملے میں واقعی سنجیدہ ہے؟''

''ہاں......بالکل۔'' نیلی نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے......اور اس خط سے تجھے پتہ چل گیا ہوگا، وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔''

''نیلی!'' پیلی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ان گاؤں گوٹھ سے آئے ہوئے لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ اچھی طرح سوچ لے۔ یہ نہ ہو کہ تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔''

''میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔'' نیلی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

پیلی ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تجھے سمجھانے بجھانے کا۔ تُو میری دوست ہے اس لئے تیرا یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا لکھوا......کیا لکھوانا ہے اس کے خط کے جواب میں؟''

نیلی کو زیادہ سمجھ نہیں تھی ایسے معاملات کی۔ اس کی سمجھ میں جو کچھ بھی آیا، بولتی چلی گئی۔ پیلی اس کے لئے کاتب کا کردار ادا کر رہی تھی اس لئے وہ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جملے بنا کر

لکھتی چلی گئی۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔

نوید کا تعلق خیر پور سے تھا۔ وہ کراچی میں اپنے کسی جاننے والے کے پاس رُکا ہوا تھا اور وہ نیلی کے لئے واقعی سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ اس روز کے بعد پیلی اپنی دوست نیلی کی محرر بن گئی۔ وہ اسے نوید کا خط پڑھ کر سناتی اور جواب لکھوا دیتی۔

یہ سلسلہ کچھ آگے بڑھا تو پیلی کی نیت میں فتور شامل ہونے لگا۔ وہ بعض جملے اپنی طرف سے بھی لکھ دیتی تھی اور کئی ایک جملے اپنی طرف سے پڑھ کر نیلی کو سنا بھی دیتی تھی جن کا نوید کے خط میں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس چکر بازی میں پیلی کو مزہ آنے لگا۔ اور پھر ایک روز نیلی نے اس سے ایسی بات کی کہ پیلی کی نیت کا فتور کھل کر متحرک ہو گیا۔

''پیلی سن!'' جب وہ نوید کے خط کا جواب لکھ چکی تو نیلی نے کہا۔ ''آج سے تمہیں میرا ایک اور کام بھی کرنا ہے۔''

''کیا تُو کسی اور نوید سے بھی خط و کتابت شروع کرنے والی ہے؟'' پیلی نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

''بدتمیز کہیں کی۔'' نیلی نے خفگی آمیز نظر سے اسے گھورا۔ ''کیا تُو مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھتی ہے؟''

''چل ٹھیک ہے۔ تُو ایسی ویسی لڑکی نہیں۔'' پیلی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اب بتا، میں تمہارا اور کون سا کام کروں؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ........'' نیلی نے ہچکچاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ ''چند دن کے لئے تُو میرا خط اس تک پہنچا دیا کر اور اس کا جواب مجھ تک۔ بتا، تُو کرے گی نا میرا یہ چھوٹا سا کام؟''

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے نیلی!'' پیلی نے ڈانٹ آمیز لہجے میں کہا۔ ''تُو اماں سے میرا قیمہ بنوائے گی۔ یہ بڑا خطرناک کام ہے........ تُو ایسا کر........!''

''میں ایسا ویسا کچھ بھی نہیں کرنے والی۔'' نیلی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''بس، تجھے میرا یہ کام کرنا ہے۔''

''عجیب زبردستی ہے۔'' پیلی نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''اتنا تو بتا، یہ بیٹھے بٹھائے تجھ پر کون سی آفت ٹوٹ پڑی ہے جو تُو مجھے اس کام کے لئے کہہ رہی ہے؟''

''وہ نا........ ابا کو ہمارے بارے میں کچھ شک ہو گیا ہے۔'' نیلی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''اور میں نہیں چاہتی کہ ابا کا شک یقین میں بدل جائے۔ تُو میری بات سمجھ رہی

ہے نا........ اور ویسے بھی تمہارے لئے یہ کام بہت آسان ہو گا۔''

بات ختم کر کے نیلی نے لجاجت بھرے انداز میں اپنی دوست کی طرف دیکھا۔ پیلی نے کہا۔ ''چل، ٹھیک ہے۔ تیری خاطر یہ بھی سہی۔ اب بتا، میرے لئے یہ کام آسان کیسے ہو گا؟''

''تیرا گھر نچلی منزل پر ہے اور ہم اپنے گھر کی اُوپری منزل پر رہتے ہیں۔'' نیلی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''بجلی کے میٹر وغیرہ سب گھروں میں نیچے ہی لگے ہوئے ہیں۔ مجھ سے ملنے اور خط وغیرہ دینے کے لئے اسے اوپر آنا پڑتا ہے اس لئے میں نے کہا۔ تُو یہ کام آسانی سے کر لے گی۔ میں چاہتی ہوں ابا کا شک رفع ہو جائے۔ پھر اس بارے میں کچھ اور سوچ لیں گے۔''

''کیا تُو اپنے ابا سے بہت ڈرتی ہے نیلی؟'' پیلی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

وہ بولی۔ ''تُو تو جانتی ہے پیلی! میرے ابا قصائی ہیں۔ اگر ان کی چھری بکرے بچھیا کی بجائے نوید کی طرف گھوم گئی تو........''

نیلی نے پُرمعنی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو پیلی نے جلدی سے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے........ میں سمجھ گئی، تُو کیا کہنا چاہتی ہے۔ تُو میری دوست ہے اس لئے میں تیری خاطر یہ رسک لے لوں گی۔ ورنہ تجھے بھی پتہ ہے، میری اماں کیسی ہٹلر ہے........ بالکل کسی جلاد کی طرح۔ اگر اس نے مجھے پیغام رسانی کرتے دیکھ لیا تو سمجھو، تُو محروم ہو گئی اس رازدار دوست سے۔''

''میں تیری سلامتی کے لئے دل سے دعا کروں گی پیلی!'' نیلی پُرخلوص انداز میں بولی۔

پیلی اس موقع پر بڑی ہوشیاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہ نیلی کی بہ نسبت کہیں زیادہ مکار اور چالاک تھی۔ وہ پچھلے چند روز سے خطوط میں جو چکر چلا رہی تھی اس کے پھلنے پھولنے کا اب وقت آ گیا تھا۔ وہ اگر نوید کے رابطے میں آ جاتی تو اس کا کام سہل ہو جاتا۔ دراصل اس کی نیت نوید کے لئے بری طرح خراب ہو چکی تھی۔ وہ نیلی کی لائن کاٹ کر اپنا کنکشن جوڑنا چاہتی تھی اور اس کام کے لئے نیلی از خود اسے ایک سنہری موقع فراہم کر رہی تھی۔ ویسے غیر محسوس طور پر تو پیلی نے نیلی کی لائن میں کنڈا ڈال ہی رکھا تھا۔

''میں تیرے خلوص کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں نیلی! اور تیری مجبوری کو بھی۔'' پیلی نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میں تیری سچی دوست ہوں اور مشکل وقت میں دوست ہی کام آتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمیں ایک بندوبست کرنا ہو گا۔''

''کیسا بندوبست؟'' پیلی خاموش ہوئی تو نیلی نے استفسار کیا۔

پیلی نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''اس خط میں مجھے تیری طرف سے یہ بھی لکھنا ہوگا کہ آئندہ کے لئے وہ خط تیرے بجائے مجھے دے اور مجھ ہی سے خط وصول بھی کرے۔''

''ہاں، لکھ دے......لکھ دے، اس خط میں۔'' نیلی نے جلدی سے کہا۔ ''اور یہ بھی لکھنا، یہ ساری باتیں احتیاطاً ابا کے شک کی وجہ سے کی جا رہی ہیں......اس سے کہنا کہ چند دن کے لئے وہ مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہ کرے بلکہ ادھر آئے ہی نہیں۔'' نیلی خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔

''میں سمجھ گئی۔ بالکل سمجھ گئی نیلی!'' وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی آمیز لہجے میں بولی۔ ''تجھے اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا۔''

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''میں صورتِ حال کو سنبھال لوں گی۔ اور نوید کو بھی اچھی طرح سمجھا دوں گی کہ کچھ دن کے لئے منظر سے غائب ہو جائے۔ ہاں، میں اس کے خط تجھے برابر پہنچاتی رہوں گی اور تیرے خط اسے۔ بول، اور کیا چاہتی ہے تُو؟''

''بس پیلی!'' نیلی نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔ ''میں تیرا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گی پیلی!''

''دوستوں پر احسان نہیں کیا جاتا نیلی!'' پیلی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں جو کچھ بھی کروں گی، وہ تیری دوستی میں کروں گی۔ اب تُو نوید والے معاملے میں بالکل بے فکر ہو جا۔''

اور نیلی اپنے بھولپن، معصومیت یا بے وقوفی کے ہاتھوں واقعی بے فکر ہو گئی۔

نیلی کی اس بے فکری نے بڑا ستم ڈھایا۔ وہ پیلی کی تسلی کے بھروسے خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ پیلی باقاعدگی سے خط و کتابت کی ترسیل کا کام سنبھالے ہوئے تھی اور نیلی کو اپنی اس دوست پر اندھا اعتماد تھا۔ وہ اس کی کاتب تھی، ڈاکیہ تھی اور ایک وفاشعار، جاں نثار دوست تھی اور......

ایسا سوچنا ہی نیلی کی ایک خطرناک بھول تھی۔

پیلی کی نیت کی کھوٹ غیر محسوس انداز میں تو پہلے ہی سرگرم تھی۔ اب اسے کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ وہ خطوں کی تحریروں میں اپنی مرضی کے ردوبدل کے علاوہ نوید پر عملاً بھی ''کام'' کرنے لگی اور چند روز ہی میں اس کام کے حسبِ منشاء ''نتائج'' بھی سامنے آ گئے۔ پیلی، نیلی کی بہ نسبت زیادہ حسین اور ذہین تھی۔ اس کی ذہانت میں ایک خاص قسم کی چالاکی اور فتنہ پروری پائی جاتی تھی۔ وہ اپنے بارے میں اور اپنے فائدے کی باتیں بڑے اچھے انداز میں

سوچ لیتی تھی اور اپنے منصوبہ جات کو عملی شکل دینے کی بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتی تھی جیسا کہ اس نے نیلی والے معاملے میں کیا۔

پیلی نے کمال مہارت سے نیلی کے گھر اور اس کے ابا کا ایسا نقشہ کھینچا اور مستقبل کے حوالے سے نوید کو ایسے ایسے خدشاتی خطرات سے ڈرایا کہ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی پیلی نے اپنے ناز و ادا کی کارروائی بھی جاری رکھی۔ چنانچہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہونے میں کوئی خاص دُشواری پیش نہ آئی۔ اس معاملے میں عموماً مردوں کی محبت کا انٹینا ویسے ہی بڑا لچک دار اور ترجیحی ہوتا ہے۔ وہ جدھر سے طاقت ور سگنلز محسوس کرتے ہیں، انٹینا کو اُدھر ہی پھیر لیتے ہیں۔ نوید نے پیلی اور نیلی کو ترازو کے دو پلڑوں میں بٹھایا اور ایک لمحے میں ناپ تول کر ڈالی۔ اس نے محبت کی ریاضی کے سوال کو حل کرنے کے لئے دل کے بجائے دماغ کی ترازو استعمال کی تھی لہٰذا فیصلہ کرنے میں اسے دیر نہ لگی۔ اس کی زمانہ شناس، موقع پرست آنکھوں نے پیلی والے پلڑے کو جھکتے ہوئے دیکھا چنانچہ وہ بھی اسی کی طرف جھک گیا۔

جب کافی دنوں تک نوید کا خط نیلی تک نہ پہنچا تو تشویش نے اسے گھیر لیا۔ ایک روز اس نے پیلی سے پوچھ لیا۔

''کیا آج کل وہ نہیں آ رہا؟'' اُس کا اشارہ نوید کی جانب تھا۔ ''اس مرتبہ ہمارا میٹر چیک کرنے بھی کوئی نیا بندہ آیا تھا۔ کیا تجھے نوید کی کوئی خبر ہے؟''

''مجھے معاف کرنا نیلی! میں تجھے بتانا بھول گئی تھی۔'' پیلی نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''کیا بتانا بھول گئی تھی؟'' نیلی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

پیلی نے کہا۔ ''نوید کچھ دن پہلے میرے پاس آیا تھا۔ بتا رہا تھا، گاؤں جا رہا ہے۔ ابھی تک وہ لوٹا نہیں۔''

''گاؤں جا رہا تھا......'' نیلی نے خودکلامی والے انداز میں کہا۔ ''لیکن کیوں؟''

''وہ......'' پیلی نے ندامت بھرے لہجے میں رُک رُک کر بتایا۔ ''وہ کہہ رہا تھا، اُدھر خیرپور میں اس کے باپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ گھر والوں نے اسے فوراً بلایا ہے......میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی ورنہ میں تجھے ضرور بتاتی۔''

نیلی کی پریشانی دوچند ہو گئی تاہم وہ اس سلسلے میں سردست کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اضطراری لہجے میں اس نے پیلی سے استفسار کیا۔ ''وہ کچھ بتا کر تو گیا ہوگا۔ کتنے دن میں

واپس آجائے گا؟"

"نہیں!" پیلی نے قطعیت سے نفی میں گردن ہلائی۔ "اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ اور تُو خود سوچ، وہ بتا بھی کیسے سکتا تھا؟ اسے کیا پتہ، اس کا باپ کتنے دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔ محکمے سے وہ چھٹی لے کر گیا ہے۔"

نیلی نے بے بسی سے اپنی عزیز از جان "دوست" کی طرف دیکھا اور مایوسی بھرے انداز میں خاموش ہو گئی۔ وہ اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ وقت کی ڈور اس کے ہاتھ میں نہیں تھی جو وہ اسے کھینچ کر نوید کو واپس بلا لیتی۔

واقعی......وقت کی ڈور نیلی کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ اگر کبھی رہی بھی تھی تو اب یہ ڈور اس کے ہاتھ سے نکل کر پیلی کے ہاتھ میں جا چکی تھی اور نیلی کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اس سفاک حقیقت سے آگاہ نہیں تھی۔

وہ صبح شام نوید کے باپ کی صحت کے لئے دعائیں مانگتے ہوئے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ پھر ایک روز نیلی کا یہ انتظار ختم ہو گیا۔ نوید اپنے جس بیمار باپ کو دیکھنے خیر پور گیا تھا اسے اپنے ساتھ کراچی لے آیا اور بالکل صحت مند حالت میں۔ لیکن یہ جان کر نیلی پر بجلی سی گر گئی کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ پیلی کے گھر آیا تھا......اس کے رشتے کے لئے۔

دونوں کے گھر ایک ہی گلی میں واقع تھے اس لئے یہ خبر چھپی نہیں رہی تھی۔ نیلی کو یوں محسوس ہوا جیسے آسمان اچانک اس پر آن گرا ہو۔ اسے آنکھوں دیکھی حقیقت پر یقین نہیں آ رہا تھا اور......جب یقین آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی بے بسی کا عالم یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے بھی نہیں رو سکتی تھی ورنہ سو سوال اُٹھتے کہ اے باؤلی لڑکی! تجھے ہوا کیا ہے؟ تُو کس نقصانِ گراں قدر پر یوں اشک بار ہے؟

وہ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھی لہٰذا چھپ چھپ کر روئی اور جی بھر کر روئی۔ اس نے اپنی محبت کی نارسائی کا ماتم کیا اور جب اشکوں نے آنکھیں اور چہرہ دھو ڈالا تو اسے صبر آ گیا۔ اس نے اپنی دوست پر چار حرف بھیجے جس نے آستین کے سانپ کا کردار ادا کیا تھا اور ہمیشہ کے لئے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس نے پیلی یا نوید سے کسی قسم کا شکوہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اسے نوید کی بے وفائی اور پیلی کی دغا بازی سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسی کسی شکایت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ ایک سوچی سمجھی اور گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ پیلی نے کسی خزاں کی مانند اس کی محبت کی شادابی اور سرسبزی کو زرد کر دیا تھا۔

چند روز وہ اپنی محبت کے کھونے کا ماتم کرتی رہی۔ وہ اپنے اس زیاں پر افسردہ اور ملول تھی لیکن اس نے گھر والوں پر اس سوگواری اور افسردگی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ رفتہ رفتہ وہ نارمل ہوتی گئی اور جب ملزم شکیل نے اس کی محبت کے دروازے پر دستک دی تو وہ جیسے ایک دم جی اُٹھی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ قسمت ایک مرتبہ پھر اس پر مہربان ہونے جا رہی تھی۔ اس نے چند دن سوچا، غور کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ قدرت نے خاص طور پر اس کے لئے شکیل کو بھیجا ہے۔ اُس کی یہ سوچ غلط تھی یا درست، اس بات سے بحث نہیں البتہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے غور و فکر کے بعد شکیل کی محبت کا جواب محبت سے دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نوید نے میٹر ریڈری چھوڑ کر کوئی اور جاب کر لی تھی اور شادی کے بعد وہ اس علاقے میں بھی بہت کم دکھائی دیا تھا۔ اس کی جگہ مذکورہ ٹھیکے دار نے شکیل کو میٹر ریڈنگ کے لئے متعین کر دیا تھا۔ جیسے جیسے دن آگے بڑھ رہے تھے، نیلی اور شکیل کے بیچ مراسم مضبوط ہو رہے تھے۔ اس بار نیلی نے کسی کو اپنی محبت کے راز میں شریک نہیں کیا۔ وہ پیلی سے چوٹ کھا چکی تھی لہٰذا اب اور کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی حالانکہ ان دنوں ایک ایسا کردار اس کے آس پاس موجود بھی تھا۔

اس کے گھر کے برابر میں ایک مختصر سی فیملی کرائے دار کی حیثیت سے آ کر آباد ہوئی تھی۔ وہ صرف ایک منزلہ گھر تھا اور نیلی کے گھر کی چھت اور کھڑکیوں سے پڑوسی گھر کا صحن نظر آتا تھا۔ کرائے دار فیملی محض تین افراد پر مشتمل تھی یعنی میاں بیوی اور ان کا ایک آٹھ سالہ بچہ۔ شوہر سعودیہ کی کسی فرم میں ملازم تھا۔ ان دنوں وہ چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ ایک ماہ وہ بیوی اور بچے کے ساتھ گزار کر واپس چلا گیا تھا اور اب ماں بیٹا اکیلے ہی اس گھر میں رہ رہے تھے۔ بچے کا نام فیصل اور اس عورت کا نام روبینہ تھا جو چمکی کہلاتی تھی۔ سعودیہ میں ملازم شوہر کا نام کاشف محمود تھا۔

روبینہ عرف چمکی کی نیلی کی اماں سے خاصی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی شروع ہو چکا تھا۔ بسم اللہ بیگم اگر ایک بار چمکی کے گھر جاتی تو وہ اس کا بدلہ اُتارنے کے لئے ان کے گھر کے دس چکر ضرور کاٹتی۔ چمکی ایک پُرکشش اور خوبصورت ادھیڑ عمر عورت تھی جو اپنی باتوں اور انداز و اطوار سے خاصی تیز نظر آتی تھی۔

نیلی، چمکی کی طرف سے ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی۔ وہ ہر شے، ہر معاملے پر نگاہ رکھنے والی عورت تھی۔ نیلی کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ چمکی کہیں اس کی اور شکیل کی محبت سے آگاہ نہ ہو جائے۔ اسی ڈر کے مارے ایک مرتبہ تو اس نے یہ بھی سوچا کہ چمکی کو اپنے راز میں شریک کر

لینا چاہئے لیکن اسی لمحے پیلی کا چہرہ اس کے تصور میں پھر گیا اور اس نے دل ہی دل میں ایسی غلطی دوبارہ کرنے سے توبہ کر لی۔ چمکی حالانکہ شادی شدہ تھی۔ اس کا ایک بیٹا اور شوہر تھا لیکن اس بار نیلی کوئی رِسک لینے کو تیار نہیں تھی۔ چمکی جس طرح دیکھتے ہی دیکھتے اس کی اماں کے قریب ہوگئی تھی، وہ بہت ہی خطرناک تھا۔ اس کا ابا بھی گاہے بہ گاہے چمکی کی تعریف کر دیا کرتا تھا۔ اس صورتِ حال نے نیلی کو چمکی کی طرف سے بے حد محتاط کر دیا تھا۔ وہ شکیل سے دو باتیں کرنے کے لئے بہت ڈھونڈ ڈھانڈ کر موقع نکال پاتی تھی۔

نیلی اور شکیل کے درمیان بڑی دھیمی رفتار سے معاملات آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک روز یہ سننے میں آیا، شکیل نے نیلی کے باپ واحد علی کو قتل کر دیا ہے۔ اسی روز شام کے وقت شکیل کو گل داد زاہد کے کمرے سے واحد علی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

❁

آئندہ پیشی میں ابھی چند روز باقی تھے لہٰذا مجھے تیاری کرنے کے لئے اچھا خاصا وقت مل گیا۔ اس دوران ملزم شکیل کا خیر خواہ دوست دو تین مرتبہ آ کر مجھ سے مل چکا تھا اور ہر بار میں نے اسے کوئی نہ کوئی کام ضرور بتایا تھا۔ گل داد زاہد کی سنجیدگی اور مستعدی نے مجھے باور کرا دیا کہ وہ شکیل سے سچی ہمدردی رکھتا ہے۔ میں نے اس کے تعاون اور وساطت سے نہایت ہی مفید معلومات اکٹھا کر لی ہیں۔ وہ بہت کارآمد آدمی ثابت ہوا تھا۔

عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہونے سے پہلے میں چند اہم امور آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا۔ اس دوران میں نے ذرائع اور تعلقات استعمال کر کے کیس فائل تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ جب امداد غوری کو پتہ چلا کہ اب یہ کیس میری پیروی میں چلے گا تو ایک روز عدالت کے برآمدے میں آمنا سامنا ہونے پر وہ میرے قریب آ گیا۔

''ہیلو بیگ صاحب! کیسے ہیں آپ؟'' اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحے کے لئے میری جانب ہاتھ بڑھایا۔

میں نے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اللہ کا احسان ہے۔ ٹھیک ہوں۔''

''سنا ہے واحد علی مرڈر کیس اب آپ ڈیل کریں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''واحد علی مرڈر کیس نہیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''بلکہ شکیل بچاؤ کیس...... میں اس کیس میں وکیل صفائی ہوں۔ نہ کہ وکیل استغاثہ۔''

میں نے ایک عام حقیقت بیان کی تھی لیکن انداز ایسا دوٹوک تھا کہ وہ بوکھلا کر رہ گیا،

کھسیانے لہجے میں بولا۔ ''ہاں، ہاں...... وہی۔ ایک ہی بات ہے۔''

''ایک بات نہیں ہے غوری صاحب!'' میں نے بدستور اٹل لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال آپ سے قطعی مختلف ہے۔ آپ کے نزدیک اس کیس میں کوئی جان نہیں تھی۔ لیکن میں اسے خاصا توانا اور صحت مند محسوس کرتا ہوں۔ بائی دا وے......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس لی اور اس سے پوچھا۔

''غوری صاحب! آپ کو کیسے پتہ چلا یہ کیس اب میرے ہاتھ میں ہے؟''

جب یہ کیس میرے پاس آیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک اس کے حوالے سے کوئی عدالتی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے گل داد کی زبانی پتہ چلا تھا کہ مجھ سے پہلے یہ کیس امداد غوری کے ہاتھ میں تھا لیکن اُسے اُس کی بدنیتی کے باعث مذکورہ کیس سے الگ کر دیا گیا تھا۔ غوری کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس کیس کو ڈیل کروں گا؟ یہ سوال میرے لئے نہایت ہی اہم اور حیرت کا باعث بھی تھا جبھی میں نے اس بارے میں اس سے استفسار کیا تھا۔

اس نے جواب دیا۔ ''دو روز پہلے گل داد میرے پاس آیا تھا۔ اسی نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔''

''اوہ!'' میں ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔

میں نے گل داد کے توسط سے جو مفید معلومات حاصل کی تھیں ان میں کیس کی فائل والا معاملہ بھی شامل تھا۔ یقیناً اس سلسلے میں گل داد، امداد غوری سے بھی ملا ہوگا۔ میں نے گل داد پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ ممکن ہے اس نے امداد غوری پر رعب گانٹھنے کے لئے میرا حوالہ دے دیا ہو۔ بہرحال، یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دو چار روز کے بعد جب میں اس کیس کی پیروی کے لئے متعلقہ عدالت میں جج کے سامنے کھڑا ہوتا تو سب کو پتہ چل جاتا، اس کیس میں میری حیثیت وکیل صفائی کی ہے۔

میں نے مصافحہ کے بعد آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا تو امداد غوری پراسرار لہجے میں بولا۔ ''بیگ صاحب! آپ ماشاء اللہ بہت سمجھ دار اور تجربہ کار وکیل ہیں۔ کیس کی فائل کو ذرا غور سے پڑھ لیجئے گا۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں......'' اس نے معنی خیز انداز میں جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''بعد میں کیا غوری صاحب؟''

اس نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا اور گردن اکڑا کر ایک جانب چل دیا۔

میں نے پارکنگ کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

امداد غوری کو یقیناً اس بات کا بڑا دکھ ہوا ہوگا کہ یہ کیس اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اگر گل داد اس کا پھینکا ہوا دانہ چگ جاتا تو اس کی اچھی خاصی پیدا ہو سکتی تھی۔ اسی سبب اسے جلن ہو رہی تھی۔ میں نے اسے اسی کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ایسے حاسد اور مکار لوگوں کا یہی علاج ہوتا ہے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول واحد علی کی موت چار نومبر کی سہ پہر دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ موت کا سبب اس مہلک چوٹ کو بتایا گیا تھا جو کسی آہنی راڈ کی مدد سے مقتول کی کنپٹی پر لگائی گئی تھی۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ مقتول نے موقع پر ہی جان دے دی تھی۔ اس رپورٹ میں چند ٹیکنیکل باتیں بھی درج تھیں جو آپ کی دلچسپی سے تعلق نہیں رکھتیں لہٰذا ان کی طرف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

واقعات کے مطابق، ملزم شکیل کو اس کی رہائش واقع لی مارکیٹ کے ایک ہوٹل سے گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ مذکورہ ہوٹل کے کمرے میں گل داد زاہد نامی ایک آرٹسٹ کے ساتھ رہتا تھا۔ گرفتاری کے وقت ملزم کا یہ متذکرہ روم میٹ کمرے میں موجود تھا۔

پولیس نے گرفتاری کے سلسلے میں ملزم کا رُخ ایک خاص وجہ سے کیا تھا۔ اور وہ خاص وجہ یہ تھی کہ قتل کی اس واردات کے وقت ملزم کو جائے وقوعہ سے بڑی افراتفری کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک چشم دید گواہ پولیس کے ہتھے لگ گئی تھی۔ اب یہ عورت استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل تھی۔ اور اس کا نام تھا زبیدہ بائی!

زبیدہ بائی مقتول ہی کی ایک کرائے دار تھی جو اپنے شوہر فاروق بھائی اور دو بچوں کے ساتھ مکان کی زیریں منزل پر واقع ایک پورشن میں رہائش پذیر تھی۔ گجراتی زبان میں ''بائی'' کا لفظ ''بہن'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ذہن میں اُلٹے سیدھے خیالات لانے کی ضرورت نہیں۔ فاروق بھائی اور زبیدہ بائی گجراتی تھے۔ زبیدہ بائی نے اپنی آنکھوں سے وقوعہ کے روز ملزم کو بالائی منزل کی سیڑھیاں اُترتے دیکھا تھا۔ اس کی چال بھی ایسی تیز اور گھبراہٹ آمیز تھی کہ زبیدہ بائی دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اوپر والی منزل پر کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔

علاوہ ازیں استغاثہ نے ملزم اور مقتول کی بیٹی نیلی کی محبت کو بہت زیادہ ہائی لائٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بھی زور اس بات پر تھا کہ ملزم ایک مکار اور دغاباز شخص تھا۔ اس نے میٹر ریڈری کرتے کرتے نیلی پر اپنی عیار محبت کا جال ڈالا اور اسے ورغلانے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ معصوم اس فریبی کے چکر میں اس قدر پھنس گئی کہ موقع محفوظ دیکھ کر وہ اسے اپنے گھر

میں بھی بلانے لگی تھی۔ ملزم کا حوصلہ بڑھا تو وہ بن بلائے بھی مقتول کے گھر کے چکر کاٹنے لگا۔ وقوعہ کے روز بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

استغاثہ نے نیلی کو بہت ہی سیدھی سادی اور بے وقوف لڑکی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی جو بڑی آسانی سے ملزم کے جال میں پھنس گئی۔ نیلی اور نوید والا معاملہ چونکہ منظر عام پر نہیں آ پایا تھا اس لئے لوگ اس معصوم اور بے وقوف لڑکی کے گنوں سے واقف نہیں تھے۔ بہر حال، استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق ملزم وقوعہ کے روز میٹر ریڈنگ کے بہانے مقتول کے گھر پہنچا۔ بجلی کے میٹر وغیرہ نیچے زینے کے پاس ایک دیوار پر نصب تھے۔ زینے میں خاموشی اور سناٹا دیکھ کر اس نے ''ہمت'' کی اور دبے قدموں اوپر گیا۔ اس نے سمجھا، نیلی سے ملاقات کے لئے یہ بہترین موقع ہے۔ دن کے وقت گھر کے اکثر افراد سونے کے عادی تھے لہٰذا وہ عموماً اسی وقت ایک دوسرے سے مختصر بات کر لیتے تھے۔ اس احمق کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سناٹا اور خاموشی افرادِ خانہ کے قیلولے کی وجہ سے نہیں۔

دراصل اس روز بچوں کے ماموں یعنی بسم اللہ بیگم کے بھائی افتخار حسین سب کو اپنے ساتھ حیدر آباد لے گئے تھے۔ افتخار حسین کی رہائش حیدر آباد میں تھی۔ وہ گزشتہ روز اپنی بہن سے ملنے کراچی آیا تھا۔ رات یہاں رہا اور پھر بچوں کو ایک دن کے لئے حیدر آباد لے جانے کا پروگرام بن گیا۔ لہٰذا وہ چھوٹے بڑے تمام آئٹمز کو اس روز اپنے ساتھ حیدر آباد لے گیا تھا۔ انہیں اگلے روز یعنی پانچ نومبر کو گھر واپس آنا تھا۔ گھر میں صرف مقتول اور اس کی بیوی بسم اللہ بیگم موجود تھے لیکن یہ حقیقت ملزم کو معلوم نہیں تھی اور اتفاق یہ کہ وقوعہ کے روز بسم اللہ بیگم بھی گھر میں نہیں تھی۔ وہ بچوں کو حیدر آباد روانہ کرنے کے بعد چھوٹی بہن سے ملنے نیو کراچی چلی گئی تھی اور مقتول دوستوں یاروں سے گپ شپ کرنے گھر سے نکل گیا تھا۔ اس روز گوشت کی فروخت کا ناغہ تھا۔ جب ملزم دبے قدموں اوپر پہنچا تو اس وقت مقتول گھر کے اندر اکیلا ہی تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی گھر لوٹا تھا۔

اس کے بعد استغاثہ نے امکانی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب ملزم اوپر پہنچا تو مقتول کی بیٹی کی بجائے اس کا سامنا مقتول سے ہوا ہوگا۔ مقتول کو ملزم کی حرکتوں پر پہلے سے کچھ شک تھا۔ اسے اپنے دروازے پر دیکھ کر مقتول کو یقین ہو گیا کہ وہ کس مقصد سے وہاں آیا تھا۔ مقتول نے ملزم کو پکڑنے کی کوشش کی ہوگی اور ملزم نے بھاگنے کی۔ اس تگ و دو میں دونوں کے درمیان ہاتھا پائی ہوئی ہوگی اور پھر ایک موقع دیکھ کر ملزم نے مقتول پر قاتلانہ حملہ کر دیا ہوگا۔ آلۂ قتل یعنی آہنی سلاخ جائے وقوعہ پر پڑی ملی تھی اور اس بات کا پتہ لگا لیا گیا تھا کہ

مذکورہ سلاخ کا تعلق مقتول کے گھر ہی سے تھا۔ استغاثہ نے امکان ظاہر کیا تھا کہ مقتول نے اس سلاخ کی مدد سے ملزم کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی ہوگی اور ملزم نے مذکورہ سلاخ مقتول سے چھین کر اسی پر حملہ کر دیا ہوگا اور جیسے ہی مقتول زمین بوس ہوا، ملزم جائے وقوعہ سے فرار ہوگیا۔ یہ اس کی بدقسمتی کہ اسے فرار ہوتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا چنانچہ اس کی گرفتاری میں پولیس کو زیادہ پاپڑ نہیں بیلنا پڑے۔

استغاثہ کی رپورٹ میں اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں درج تھیں لیکن ان میں آپ کی دلچسپی کا سامان موجود نہیں اس لئے میں انہیں بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور یہاں سے سیدھا میں آپ کو عدالت کے کمرے میں لئے چلتا ہوں۔

جج اپنی مخصوص نشست پر آ کر بیٹھا تو عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ میں عدالت کے کمرے میں پوری تیاری کے ساتھ موجود تھا اور میں نے پیش کار کے توسط سے اپنا وکالت نامہ دائر کر دیا تھا۔ جج نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔

''اوہ......! ملزم نے اپنی وکالت تبدیل کر لی ہے۔ اس کی صفائی کے لئے مسٹر بیگ نظر آ رہے ہیں۔''

میں نے تعظیمی انداز میں گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ''یس یور آنر!''

یہ عدالت کی باقاعدہ کارروائی کی پہلی پیشی تھی۔ میری نظر میں باقاعدہ اس لئے کہ اب سے پہلے اس کیس کے سلسلے میں جو کچھ ہوا تھا وہ ایک طرح کا مذاق ہی تھا۔ وکیل صفائی جب اپنے مؤکل سے مخلص نہ ہو تو کسی بھی قسم کی کارروائی کو مذاق ہی کہا جا سکتا ہے۔ میں نے مذاق والی بات اسی سینس میں کی ہے۔

استغاثہ کی جانب سے کوئی نصف درجن گواہوں کی فہرست دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر صرف انہی کی گواہی کا ذکر کروں گا جن کے بیانات اور ازاں بعد ان پر ہونے والی جرح میں اہم نکات شامل ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ گواہوں کی شہادت کا سلسلہ شروع ہوتا، میں نے جج سے درخواست کی۔

''جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہوں گا۔''

میری دیکھا دیکھی وکل استغاثہ کے لبوں سے بھی ایک فرمائش پھسل گئی۔

''یور آنر! پچھلی پیشی پر ملزم کا بیان تو ہو گیا تھا لیکن بھرپور جرح نہیں ہو پائی تھی۔ اب چونکہ ملزم کا وکیل بھی بدل گیا ہے اس لئے اگر ملزم سے سوال و جواب کا دوبارہ موقع فراہم کیا

جائے تو اس کیس پر زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے۔''

وکیل استغاثہ کی فرمائش مجھے بھی پسند آئی۔ میں بھی معزز عدالت کے سامنے ملزم سے چند اہم سوالات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے، ایز اے میٹر آف فیکٹس .... ابتداء ہی سے وکیل مخالف پر چڑھائی کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے جج سے کہا۔

''یور آنر! مجھے وکیل استاثہ کی بات پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن چونکہ میں نے پہلے درخواست کی ہے لہٰذا میں........'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اِٹس او کے۔'' جج نے میرے ادھورے جملے کا مفہوم پا لیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''پہلے مسٹر بیگ اس کیس کے آئی او (انکوائری آفیسر) پر جرح کریں گے۔ اس کے بعد ملزم سے سوال و جواب کیا جائے گا۔''

جج کی اجازت پا کر میں وٹنس باکس کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے پہلے جج کے حکم سے تفتیشی افسر مذکورہ کٹہرے میں تشریف لے جا چکا تھا۔ آئی او ہر پیشی پر عدالت میں موجود ہوتا ہے اور کسی بھی مقدمے میں اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے۔ مذکورہ تفتیشی آفیسر بھاری جثے کا مالک ایک سب انسپکٹر تھا۔

میں نے آئی او سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''میری معلومات کے مطابق آپ کا نام کریم بخش ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

''بالکل صحیح۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''لیکن یہ تو کوئی سوال نہ ہوا۔''

میں نے اس کی اُلجھن کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب دی گئی تھی؟''

''وقوعہ کے روز شام ساڑھے چار بجے۔'' آئی او نے جواب دیا۔

میں نے سوال کیا۔ ''اور آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''پانچ بجے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اطلاع ملنے کے آدھے گھنٹے بعد۔''

''جب آپ وقوعہ پر پہنچے تو مقتول کے گھر میں کون موجود تھا؟''

''گھر کے افراد میں سے صرف مقتول کی بیوی بسم اللہ بیگم موجود تھی۔'' اس نے بتایا۔

''اس کے علاوہ محلے کے چند افراد تھے۔''

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مقتول ماشاء اللہ بڑے زرخیز خاندان کا سربراہ تھا۔ گھر کے دیگر افراد اس روز کہاں غائب تھے؟''

''ان لوگوں کے تمام بچے اپنے ماموں کے ساتھ حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔''

"اور بڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بڑے......کیا مطلب؟"

میں نے مطلب کی وضاحت میں کہا۔"میری معلومات کے مطابق مقتول کی اولاد میں تین سال سے لے کر پچیس سال تک کے افراد شامل ہیں۔ سب سے چھوٹا بچہ کامران تین سال کا ہے اور سب سے بڑی لڑکی نیلوفر عرف نیلی پچیس سال کی ہو چکی ہے۔ ان تمام اولادوں کا بچوں میں تو شمار نہیں کیا جا سکتا نا۔"

میں نے یہ سارا چکر آئی او کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے کی خاطر رچایا تھا اور مجھے اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس نے گھور کر ناپسندیدہ نظر سے مجھے دیکھا اور اُکتاہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"مقتول کے بچوں سے میری مراد......اس کی ساری نو کی نو اولادیں تھیں۔"

"اوکے......اِٹس آل رائٹ آئی او صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا پھر اگلا سوال کیا۔"آپ جب جائے وقوعہ پر پہنچے تو مقتول کی لاش کو کہاں پڑے دیکھا تھا؟"

"گھر کے اندر......داخلی دروازے کے قریب ہی......آپ اسے کامن بھی کہہ سکتے ہیں۔" آئی او نے بتایا۔

"ٹھیک ہے، میں اسے کامن ہی کہوں گا۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔"آئی او صاحب! جب آپ نے وقوعہ کے روز جائے واردات کا معائنہ کیا تو گھر کے کامن میں مقتول کی لاش کو پڑے پایا......ذرا سوچ کر بتائیں، مقتول کی لاش کس پوزیشن میں پڑی تھی؟"

"اوندھے منہ!" اس نے ٹھوس انداز میں بتایا۔

میں نے پوچھا۔"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول واحد علی کی موت اس خطرناک چوٹ کے باعث واقع ہوئی جو کسی آہنی سلاخ سے اس کی کنپٹی پر رسید کی گئی تھی۔ کیا آپ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے اتفاق کرتے ہیں؟"

"کیوں نہیں......" اس نے متعجب نظر سے مجھے دیکھا۔"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سولہ آنے درست ہے۔ میں نے جائے واردات پر مقتول کی لاش کا بغور جائزہ لیا تھا اور وہ مہلک چوٹ میری نظر سے گزری تھی۔ ملزم نے ایسے وحشیانہ انداز میں آہنی راڈ سے مقتول کی کنپٹی پر حملہ کیا تھا کہ کان کے اوپر سے اس کی کھوپڑی چیخ کر رہ گئی تھی۔" اتنا کہہ کر آئی او نے ایک جھرجھری لی اور خوف آمیز نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے بڑی بڑی حشر زدہ لاشیں دیکھی ہیں لیکن مقتول کی کھوپڑی کی حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔"

"ہاں......وہ تو نظر ہی آ رہا ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"جی......کیا نظر آ رہا ہے؟" اس نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

میں نے فوراً بات کو گھما دیا۔"میرا مطلب ہے آپ کے لہجے کے اعتماد سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ آپ نے بڑی توجہ اور احتیاط سے مقتول کی لاش کا معائنہ کیا تھا۔"

"جی بالکل!" وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔"یہ تو کرنا ہی پڑتا ہے جناب! ہمارے پیشے کا تقاضا ہے کہ معمولی سے معمولی شے کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، مقتول کی لاش تو پھر بھی ایک جیتا جاگتا سامانِ عبرت تھا......میں نے بڑی باریک بینی سے مقتول کے سر کے متاثرہ حصے کا جائزہ لیا تھا۔"

"ویری گڈ!" میں نے ستائشی انداز میں کہا۔"اس حوالے سے اگر آپ کو مقتول کا "کھوپڑی اسپیشلسٹ" کہا جائے تو کچھ غلط نہیں ہوگا......ہے نا؟"

"کھوپڑی اسپیشلسٹ؟" انکوائری آفیسر نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر میری طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔" میں نے فوراً وضاحت کر دی۔"کھوپڑی اسپیشلسٹ سے میری مراد یہ ہے کہ آپ نے بقول آپ کے......مقتول کے مضروب سر کا ایسی باریک بینی سے معائنہ کیا تھا کہ آپ اس کی متاثرہ کنپٹی کے حوالے سے ہر سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔"

"جی، بالکل۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔"آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔"استغاثہ کے مطابق مقتول کی کون سی کنپٹی پر ملزم نے آہنی راڈ کی مدد سے مہلک ضرب لگائی تھی؟"

"کون سی کنپٹی......کون سی کنپٹی......؟" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

میں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔"دائیں کنپٹی یا......بائیں کنپٹی؟"

آئی او صاحب نے ایک لمحے کے لئے اپنی دونوں کنپٹیوں کو چھو کر دیکھا، کچھ سوچا پھر اپنی دائیں کنپٹی پر اُنگلی رکھتے ہوئے بولا۔"اس کنپٹی پر۔"

"یعنی دائیں کنپٹی پر؟"

"بالکل......مقتول کی دائیں کنپٹی ہی کا خانہ خراب ہوا تھا۔"

"آپ کو اس سلسلے میں کسی قسم کا مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے

میں پوچھا۔

"مغالطہ کیسا جناب!" وہ حیرت اور خفگی کی ملی جلی کیفیت سے بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں یہ بات درج ہے کہ مقتول اپنی دائیں کنپٹی پر لگنے والی شدید چوٹ سے ہلاک ہوا تھا۔"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو میں نے بڑی توجہ سے پڑھا ہے۔" میں نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ "اس رپورٹ میں واقعی مقتول کی دائیں کنپٹی پر لگنے والی ضربِ شدید کا ذکر ہے لیکن چونکہ آپ نے جائے وقوعہ پر اپنی آنکھوں سے مقتول کی لاش کا معائنہ کیا تھا اس لئے آپ کی تصدیق میری نظر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اسی لئے خاص طور پر میں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا۔"

وہ طنز بھرے لہجے میں بولا۔ "اب تو آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی وکیل صاحب!"

"جی۔ بہت بہت شکریہ۔" میں نے تشکرانہ انداز میں کہا۔ "معزز عدالت کے روبرو یہ معلوماتی تصدیق کرنے کے لئے میں آپ کا احسان مند ہوں۔"

پتہ نہیں، میری بات اس کی سمجھ میں آئی کہ نہیں، وہ بیزاری کے سے انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"آئی او صاحب! آلۂ قتل......یعنی وہ آہنی راڈ جائے وقوعہ پر پڑی مل گئی تھی۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کیس کے ملزم اور میرے مؤکل شکیل نے اس آہنی سلاخ کی مدد سے مقتول واحد علی کی جان لی تھی؟"

"جی......مجھے یقین ہے۔" وہ پورے وثوق سے بولا۔

"اس یقین کی وجہ بیان کریں گے؟"

"وجہ......!" اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔ "وجہ صاف ظاہر ہے جناب! آلۂ قتل جائے وقوعہ پر مقتول کی لاش کے قریب پڑا ملا تھا۔ راڈ کے ایک سرے پر مقتول کا خون بھی لگا ہوا تھا اور اس خون آلود حصے پر مقتول کے سر کے چند بال بھی چپکے ہوئے تھے۔ لیبارٹری ٹیسٹ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آہنی سلاخ کے مذکورہ سرے پر پائے جانے والے بالوں اور خون کا تعلق مقتول سے ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آئی او صاحب! لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹ میری نظر سے بھی گزری ہے اور اس رپورٹ کی رو سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مقتول کو اسی آہنی راڈ کے وار سے موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا جو جائے واردات پر

مقتول کی لاش کے قریب پڑی ملی تھی لیکن......" میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"......لیکن میں محسوس کر رہا ہوں، آپ نے میرے سوال پر غور نہیں کیا۔"

آئی او کی آنکھوں میں ایک بے نام سی اُلجھن تیر گئی۔ قدرے اُکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آپ اپنے سوال کو دُہرانے کی زحمت کریں گے؟"

"اس میں زحمت والی کون سی بات ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آئی او صاحب! اگر آپ سو، سوا سو مرتبہ بھی ایسی فرمائش کریں گے تو میں اسے پورا کرنے کا پابند ہوں۔ یہ تو میرا فرض ہے......آپ میرا ریکارڈ اُٹھا کر دیکھ لیں، میں نے اپنی مخالف پارٹی کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔"

"آپ کا ریکارڈ اُٹھا کر اور بٹھا کر اس کیس سے فارغ ہونے کے بعد دیکھیں گے۔" وہ میرے لہجے میں شامل طنز کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔ "فی الحال، آپ اپنے سوال کو دُہرا دیں تو عنایت ہوگی۔"

میں نے اس پر عنایات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا۔ "آئی او صاحب! میں نے بڑے واضح الفاظ میں آپ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ کو یقین ہے، اس کیس کے ملزم اور میرے مؤکل شکیل نے اس آہنی رارڈ سے مقتول واحد علی کی جان لی تھی؟"

"ظاہر ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "ملزم نے پولیس کو اور بعد میں عدالت کے روبرو یہ اقرار کیا ہے کہ وقوعہ کے روز وہ لگ بھگ ڈھائی بجے سہ پہر مقتول کی سیڑھیاں چڑھ کر گھر تک پہنچا تھا......اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی استغاثہ کی ایک معزز گواہ نے اسے جائے وقوعہ سے بڑی افراتفری کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا تھا۔ ملزم کے مجرم ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔"

میں نے اس کی بات بڑے تحمل سے سنی، پھر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے مؤکل نے معزز عدالت کے روبرو کس بات کا اقرار کیا ہے اور کس بات سے انکار، اس بات کا فیصلہ ابھی ہونے والا ہے۔ آپ کے بعد ملزم سے سوال و جواب ہوں گے مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کی تفتیش اس تھیوری پر کھڑی ہے کہ ملزم نے وقوعہ کے روز جائے واردات پر جانے کا اقرار کیا ہے اور استغاثہ کی کسی گواہ نے اسے جائے وقوعہ سے افراتفری کی حالت میں جاتے دیکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے......"

میں سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولا۔

''اس تھیوری کی رو سے اگر ملزم، مقتول کے گھر تک جانے کا اقرار نہ کرتا اور جائے وقوعہ سے وہ افراتفری کی بجائے نہایت ہی اطمینان سے ٹہلتے ہوئے چلا جاتا تو وہ ''قاتل'' کے فریم میں فٹ نہیں ہوتا تھا ورنہ........آپ نے، نہ استغاثہ کی معزز گواہ نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے ملزم کو مقتول پر آہنی راڈ کی مدد سے حملہ آور ہوتے دیکھا ہے۔ دوسروں کی بات چھوڑیں لیکن آپ کو تو نہیں چھوڑا جا سکتا آئی او صاحب!''

''کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''مجھے آپ کیوں پکڑ کر رکھنا چاہتے ہیں؟''

''وہ اس لئے کہ........'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو آہنی راڈ کی مدد سے مقتول پر حملہ آور ہوتے نہیں دیکھا تھا تو کم از کم اس بات کی تصدیق کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں اور اللہ اگر توفیق دے تو عقل کو استعمال کرنے کی زحمت کر سکتے تھے۔''

''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں بیگ صاحب؟'' وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ویری سمپل۔'' میں نے دونوں ہاتھوں کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ آلۂ قتل یعنی مذکورہ آہنی راڈ پر سے فنگر پرنٹس اٹھانے کی کوشش کرتے تو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس سلاخ کو کس نے استعمال کیا تھا مگر اس کیس پر فنگر پرنٹس کی رپورٹ کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔ ایسا کیوں؟''

''آپ ہمیں اتنا بھی ناکارہ نہ سمجھیں وکیل صاحب!'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترش لہجے میں بولا۔ ''میں نے اس آہنی سلاخ پر سے فنگر پرنٹس اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں پر کئی ہاتھوں کی اُنگلیوں کے نشانات اس طرح خلط ملط ہو چکے تھے کہ کچھ بھی واضح سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''زیادہ تر نشانات تو افرادِ خانہ بشمول مقتول کی اُنگلیوں ہی کے تھے۔ یہ سلاخ چونکہ مقتول کے گھر میں ہی رکھی رہتی تھی اس لئے یہ کوئی بات نہیں کہ اس پر ان لوگوں کے فنگر پرنٹس پائے جائیں۔ ان سب نے اس سلاخ کو چھوا ہوگا اور اُٹھا کر اِدھر اُدھر بھی رکھا ہوگا۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں آئی او صاحب!'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''آلۂ قتل چونکہ مقتول کے گھر سے تعلق رکھتا تھا اس لئے افرادِ خانہ کے اسے چھونے یا اُٹھا کر اِدھر اُدھر رکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ملزم، مقتول کے افرادِ خانہ میں شامل نہیں تھا اور استغاثہ کے دعوے کے مطابق ملزم نے اسی آہنی سلاخ کا وار کر کے مقتول کو موت

کے گھاٹ اُتارا تھا۔ آپ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ کیا آپ کو آلۂ قتل پر میرے مؤکل کی اُنگلیوں کے نشانات بھی ملے تھے؟''

''میں نے بتایا ہے نا، وہ نشانات آپس میں خلط ملط........'' وہ وضاحت کرنے لگا تو میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

''آپس میں رل مل جانے والے ایف پی (فنگر پرنٹس) میں ملزم کی اُنگلیوں کے نشانات موجود تھے یا نہیں؟'' میرا لہجہ اچانک جارحانہ ہو گیا۔

''یہ........ یہ اب مجھے یاد نہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''یاد نہیں........ یا یاد کر کے بتانا نہیں چاہتے؟'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''آپ افرادِ خانہ کے فنگر پرنٹس سے دل پشوری کرتے رہے اور اس بے چارے غریب کا آپ کو ذرا خیال نہ آیا جسے آپ قتل کے الزام میں گرفتار کرنے جا رہے تھے جبکہ آپ کی نظر میں اس کیس کا سب سے اہم آدمی وہی تھا؟''

وہ کھسیانے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک نمائندے ایسی ہوتی ہے۔ وکیل صفائی کو سب سے زیادہ ''توجہ'' اسی کردار پر دینا چاہئے۔ جو بھی ڈیفنس کونسلر یعنی وکیل صفائی اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر آگے بڑھتا ہے، فتح و کامرانی اس کے قدم چومتی ہے کیونکہ اگر آپ نے آئی او کو لاجواب کر دیا تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ آپ نے وکیل استغاثہ کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔ پھر استغاثہ کے وکیل کے لئے سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے بھی کہ استغاثہ کی بلند و بالا عمارت وکیل سرکار کے کندھوں پر ہی کھڑی ہوتی ہے۔ یہ مفید مشورہ میں فیس وصول کئے بغیر بالکل مفت میں دے رہا ہوں۔ سینئر وکلاء تو اس نکتے سے بخوبی واقف ہیں۔ البتہ جونیئرز اس سے گراں قدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

میں نے انتہائی غیر محسوس انداز میں آئی او سے بہت کچھ اُگلوا لیا تھا جو بعد میں استغاثہ ہی کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا جو قارئین ابتداء ہی سے پوری دلچسپی کے ساتھ رام سوامی کی نیلی کی کہانی پڑھ رہے ہیں وہ میرے اشارے کو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ جو عدم توجہی یا عدم دلچسپی کا شکار ہیں ان سے درخواست ہے کہ الرٹ ہو جائیں۔ یہ نہ ہو کہ اسی رو میں وہ کہانی کے اختتام تک پہنچ جائیں اور ''دی اینڈ'' کی تختی دیکھ کر ان کا ذہن اُلجھ جائے۔ وہ اسی پراگندہ ذہن کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنے جائیں کہ........ کچھ سمجھ نہیں آیا........ لگتا ہے کہانی میں کوئی پیچ ہے۔ ہاں، پیچ تو ہے۔

آئی او، پر میں اپنی جرح مکمل کر چکا تھا لہٰذا روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جنابِ عالی!''

اس کے بعد وکیلِ استغاثہ جج کی اجازت حاصل کر کے ملزم والے کٹہرے کے پاس چلا گیا اور اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے وہ اسے سوالات کی چکی میں پیسنے لگا۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے مؤکل کو خصوصی ہدایات دے رکھی تھیں اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ من و عن میری ہدایات پر عمل پیرا تھا۔ شکیل کا سب سے زیادہ نازک پہلو نیلوفر عرف نیلی تھی اور وکیل استغاثہ نے اسی زاویے سے سوالات کی بھرمار کر دی تھی۔ میں نے شکیل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اس نے صبر و برداشت کے دامن کو بڑی مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اور واقعی اس نے وکیل استغاثہ کی جرح کے سامنے بڑے تحمل اور استقامت کا مظاہرہ پیش کیا تھا۔

وکیل استغاثہ نے بیس پچیس منٹ کی جرح کے بعد پسپائی اختیار کر لی۔ اس کی جارحانہ کوشش کا لب لباب یہ تھا کہ ملزم نے مقتول کی سب سے بڑی بیٹی نیلوفر کے ساتھ کوئی چکر چلا رکھا تھا۔ وہ میٹر ریڈنگ کے بہانے وہاں پہنچتا اور بجلی کے میٹرز کو زیریں منزل کی دیوار پر نصب چھوڑ کر چپکے سے زینے کے راستے اوپر پہنچ جاتا، اپنی محبوبہ سے ملنے۔ وقوعہ کے روز بھی وہ لگ بھگ ڈھائی بجے سہ پہر مقتول کے گھر پہنچا تھا اور پھر افراتفری کے عالم میں اسے وہاں سے فرار ہونا پڑا تھا، وغیرہ........!

وکیل استغاثہ کی اس ریسرچ میں کوئی بھی ایسا مضبوط پوائنٹ نکل کر سامنے نہیں آیا جو ملزم پر ایک قاتل کی حیثیت سے گرپ کر سکتا۔ وکیل استغاثہ اپنے خرچے پر خوش تھا اور میں نے اسے اسی خوشی میں مبتلا رہنے دیا۔ اس نے جرح کا رگڑا دینے کے بعد ملزم کو فارغ کیا تو میں اکیوزڈ باکس (ملزموں والے کٹہرے) کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے ملزم شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے جرح کا آغاز کیا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ تمہیں مقتول کی بیٹی نیلوفر سے محبت ہو گئی تھی؟''

''ہاں، یہ درست ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''میں اس سے سچی محبت کرتا ہوں۔''

میں نے شکیل سے ملاقات پر اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ عدالت کے کمرے میں اس کی محبت کے حوالے سے سب سے زیادہ سوالات اُٹھیں گے۔ ان میں بعض ایسے سوالات بھی ہوں گے جن سے اسے ذہنی اذیت پہنچے گی لیکن اسے کسی بھی مرحلے پر اسے جذباتی نہیں ہونا۔ اسے تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اور میری یہ نصیحت اس نے بڑے دھیان سے پکڑ

رکھی تھی۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سچی محبت!'' میری نظر ملزم کے چہرے پر جمی تھی۔ ''کیا یہ تمہاری پہلی محبت ہے یا اس سے پہلے بھی اس نوعیت کے تجربات ہوتے رہے ہیں؟''

اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی اور قطعی انداز میں بولا۔

''پہلی اور آخری محبت۔''

''مجھے تمہاری اس پہلی اور آخری سچی محبت کا انجام کچھ خوشگوار دکھائی نہیں دے رہا۔'' میں نے مخالف وکیل کو خوش کرنے کے لئے ایک خاص مقصد کی خاطر کہا۔ ''تم پر اس وقت نیلوفر کے باپ کے قتل کا کیس چل رہا ہے۔ اس واقعے کے بعد نیلوفر کو تم سے نفرت ہو جائے گی اور وہ پلٹ کر تمہاری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گی۔''

وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

''میں جانتا ہوں........ اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے نیلی کے باپ کو قتل نہیں کیا۔ میں نیلی کو سمجھانے کی کوشش کروں گا اور اگر وہ کسی بھی طرح نہ مانی تو میں خاموشی کے ساتھ اس سے محبت کرتا رہوں گا۔ ان حالات سے میری محبت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔''

''گویا تم واقعی اپنی محبت کو آخری محبت ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو؟''

''بالکل........ یہی حقیقت ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''ایک بات تو بتاؤ........ میں نے مان لیا کہ یہ تمہاری پہلی اور آخری محبت ہے۔ کیا نیلوفر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے؟''

''اس کے ساتھ ذرا مختلف معاملہ ہے۔'' اس نے میری ہدایت کے مطابق جواب دیا۔

میں نے اپنی پلاننگ کو آگے بڑھاتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں دُہرایا۔

''مختلف........ کیا مطلب؟''

''میرے کہنے کا مقصد یہ ہے جناب کہ........'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''وہ اس سے پہلے بھی ایک ناکام محبت کر چکی ہے........ لیکن میری دُعا ہے اسے اس محبت میں ناکامی نہ ہو۔''

میں نے ملزم کے آخری جملے کو سنی ان سنی کرتے ہوئے اضطراری انداز میں استفسار کیا۔

''کیا تم معزز عدالت کے سامنے مقتول کی بیٹی کی ناکام محبت کی تفصیل بیان کرو گے؟''

''مجھے سخت اعتراض ہے جنابِ عالی!'' وکیل استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''اس وقت عدالت میں واحد علی مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور وکیل

صفائی مقتول کی بیٹی کی محبت کے افسانے سنا رہے ہیں۔ معزز عدالت کے قیمتی وقت کو بڑی بے دردی سے برباد کیا جا رہا ہے۔ وکیل صفائی کو اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس گھر کے سربراہ کے قتل سے افرادِ خانہ پر پہلے ہی بہت ساری مصیبتیں ٹوٹی ہوئی ہیں اس تناظر میں مقتول کی بیٹی کی محبت کو اُچھالنا کسی بھی طور مناسب نہیں۔''

وکیل استغاثہ کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ......مردہ نہ بولے تو نہ بولے، جو بولے تو کفن پھاڑے۔ وہ کافی دیر سے خاموش بیٹھا تھا اور اب ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ میں نے اس کی مرمت کو ضروری جانا اور ترکی بہ ترکی کہا۔ میرا روئے سخن جج کی جانب تھا۔

''یور آنر! ملزم اور مقتول کی بیٹی نیلوفر کی محبت اس کیس کا انتہائی متعلق معاملہ ہے۔ لہٰذا اس پر بات کرنے سے معزز عدالت کے قیمتی وقت میں سے ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں ہوگا۔ استغاثہ کی پوری عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے کہ ملزم میٹرریڈنگ کے بہانے مقتول کی بیٹی سے ملنے جاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ابھی مجھ سے پہلے وکیل استغاثہ خود اسی حوالے سے ملزم پر کڑی جرح کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ میری ایسی ہی جرح پر معترض ہیں۔ ان کا متضاد رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

میں نے دانستہ ''منافقانہ'' کی جگہ لفظ ''متضاد'' استعمال کیا تھا ورنہ جی میں آئی ہوئی زبان پر لے آتا تو وکیل صفائی کے تن بدن میں مرچیں بھر جاتیں۔ اگرچہ اس نے جو حرکت کی تھی، اس پر وہ ایسے ہی سلوک کا مستحق تھا لیکن میری اخلاقیات مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

جب میں نے ملزم سے پہلی اور آخری محبت کے حوالے سے سوال جواب شروع کیا تھا تو میں نے نوٹ کیا تھا، جج بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھنے لگا تھا۔ کیس پر اس کی توجہ تو تھی ہی لیکن محبت والے معاملے پر اس کی ذاتی دلچسپی مجھ سے چھپی نہیں رہی تھی۔ پھر اس نے میرے مشاہدے کی تصدیق بھی کر دی۔

اس نے وکیل استغاثہ کے اعتراض اور میری وضاحت کو سنا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''آبجیکشن رول آؤٹ۔ مسٹر بیگ! پلیز پروسیڈ۔''

میں نے فاتحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''ہاں......تو تم بتا رہے تھے۔'' میں نے ملزم سے استفسار کیا۔ ''مقتول کی بیٹی نیلوفر اس

سے پہلے بھی ایک ناکام محبت کر چکی ہے؟''

''جی......جی ہاں!'' ملزم نے جواب دیا۔

''کیا تم معزز عدالت کو بتاؤ گے کہ تم سے پہلے نیلوفر کی زندگی میں کون آیا تھا؟''

''اس بے وفا شخص کا نام نوید ہے۔''

''کہیں تم اسی نوید کی بات تو نہیں کر رہے جو تم سے پہلے میٹرریڈنگ کے لئے مقتول کے گھر آیا کرتا تھا؟'' میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنی جرح کو آگے بڑھایا۔

ملزم نے جواب دیا۔ ''جی ہاں، وہی نوید۔ وہ خیر پور کا رہنے والا تھا۔ نیلوفر یہی سمجھتی رہی کہ وہ اس سے سچی محبت کرتا ہے لیکن اس دغا باز نے نیلی ہی کی ایک دوست پیلی سے شادی کر لی۔''

''اوہ......زبردست ٹریجڈی۔'' میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''بے چاری نیلوفر......کیا قسمت پائی ہے اس نے بھی......'' پھر ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اچانک پوچھ لیا۔

''کیا تمہارا بھی کوئی ایسا ہی ارادہ تو نہیں تھا؟''

''نہیں جناب! میں دغا باز اور بے وفا نہیں ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''بہت اچھی بات ہے۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

میں اس کیس میں وکیل صفائی کی حیثیت سے شامل تھا لیکن میری جرح سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرا تعلق استغاثہ سے ہو اور ایسا رویہ میں نے جان بوجھ کر اپنایا ہوا تھا۔ یہاں سے میں نے سوالات کے زاویے کو ٹوئسٹ کیا اور جرح کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے ملزم سے پوچھا۔

''کیا تمہیں معلوم تھا، مقتول کی پوری نو اولادیں ہیں؟''

''جی ہاں۔ اچھی طرح معلوم تھا۔''

''ان نو میں سے تین بڑے بیٹے فرہاد، نعمان اور فیضان اپنے باپ مقتول واحد علی کے ساتھ سہ پہر تک دُکان میں مصروف رہتے تھے لیکن نیلوفر سمیت باقی چھ بہن بھائی گھر میں موجود ہوتے تھے اور ان کی والدہ بسم اللہ بیگم بھی۔ تم سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایسے بھرے پرے گھر والی نیلوفر سے تم کیونکر میل ملاقات کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے؟''

اس نے جواب دینے سے قبل شرمندہ سی نظر سے جج کی طرف دیکھا۔ اس نظر میں ندامت نہیں بلکہ شرم اور جھجک جھلکتی تھی۔ پھر وہ مستحکم لہجے میں مجھے بتانے لگا۔

''بات دراصل یہ ہے جناب!........ کہ ہم نے آپس میں بات چیت کے لئے کوڈ ورڈز مقرر کر رکھے تھے جو ایک مخصوص قسم کی سیٹی اور دستک پر مشتمل ہوتے تھے۔ میں جب بھی نیلوفر سے ملنے جاتا تو زیریں منزل پر میٹرز کے پاس رُک کر ایک خاص انداز میں سیٹی بجاتا تھا اور اس کے بعد اپنی نوٹ بک کھول کر ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ میں میٹرز کی ریڈنگ لے رہا ہوں۔ میری سیٹی کی مخصوص آواز نیلوفر تک پہنچ جاتی۔ اگر اس کے لئے مجھ سے بات کرنا ممکن اور محفوظ ہوتا تو وہ اپنے گھر کے داخلی دروازے پر دستک دیتی تھی........ اندر سے اس مخصوص دستک سے میں سمجھ جاتا لائن کلیئر ہے۔ میں محتاط قدموں سے زینے چڑھ کر اوپر پہنچ جاتا۔ نیلوفر اپنے دروازے پر آجاتی اور ہم چند پیار بھری باتیں کر لیتے۔ اگر نیلوفر کی نظر میں یہ ملاقات ممکن نہ ہوتی تو وہ خاموشی اختیار کر لیتی۔ مخصوص دستک کی آواز نہ سن کر میں سمجھ جاتا کہ مجھے شرافت سے چلے جانا چاہئے۔ آج سگنل گرین نہیں بلکہ ریڈ ہے۔'' وہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر اپنی وضاحت کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''بس، یہی تھا........ ہمارا طریقۂ کار۔''

''خاصا رومینٹک اور سنسنی خیز طریقہ کار تھا۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''بلکہ بڑی حد تک خطرناک بھی........ مقتول کے افرادِ خانہ تو رہے ایک طرف، ازیں علاوہ زیریں منزل پر بھی دو فیملیز آباد تھیں۔ تم کسی کی نظر میں بھی آسکتے تھے۔''

یہ تمام تر معلومات مجھے میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم نے فراہم کی تھیں اور یہاں پر میں ان باتوں کو ایک خاص مقصد کی خاطر سامنے لا رہا تھا اور مجھے اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیابی ہو رہی تھی۔ میں غیر محسوس انداز میں اس کیس کے پلڑے کو اپنی طرف جھکاتا چلا جا رہا تھا۔

میں نے کٹہرے میں کھڑے ملزم سے سوال کیا۔

''تم نے بیان دیا ہے اور تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وقوعہ کے روز تم کم و بیش ڈھائی بجے سہ پہر میٹر ریڈنگ کے بہانے مقتول کے گھر پہنچے تھے۔ کیا تمہیں یہ بات معلوم تھی کہ اس روز مقتول کی نو کی نو تخلیقات اپنے ماموں کے ہمراہ حیدر آباد گئی ہوئی تھیں؟''

''جی نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں یہ بات نہیں جانتا تھا۔''

''کیا وقوعہ کے روز تم نے بجلی کے میٹرز کے پاس رُک کر اپنے مخصوص انداز میں سیٹی بجائی تھی؟'' میں نے تیز آواز میں دریافت کیا۔ ''یا یوں ہی اُوپر چلے گئے تھے؟''

''یوں ہی اُوپر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جناب!'' وہ ایک جھرجھری لے کر بولا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے سیٹی بجائی تھی؟''

''جی ہاں........ بجائی تھی۔''

''کیا تمہاری سیٹی کے جواب میں مخصوص دستک کی آواز اُبھری تھی؟''

''بالکل اُبھری تھی۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''جبھی تو میں اُوپر گیا تھا۔''

''تم اُوپر پہنچے تو کیا نیلوفر سے ملاقات ہوئی؟''

''جی نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ دروازے پر نہیں آئی تھی۔''

''وہ دروازے پر نہیں آئی تو تم نے کیا دیکھا تھا؟''

''مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ وہ مخصوص دستک کا اشارہ دینے کے باوجود بھی دروازے پر کیوں نہیں آئی۔'' وہ میرے سوال کے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے چند لمحے دروازے کے سامنے رُک کر اس کا انتظار کیا۔ اس دوران میری نگاہ زینے پر بھی جمی رہی کہ نیچے رہنے والوں میں سے کوئی مجھے وہاں کھڑا نہ دیکھ لے اور دل میں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں نیلوفر کی بجائے اس کی اماں دروازے سے نہ نکل آئے۔ اگرچہ اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب نیلوفر نے سیٹی کے جواب میں دستک دی تھی تو پھر اس کو دروازے پر نمودار ہونا چاہئے تھا۔ وہ سامنے نہیں آئی تو مجھے تشویش نے گھیر لیا۔ ویسے میں نے اپنے ذہن میں یہ بہانہ سوچ رکھا تھا کہ اگر نیلوفر کی ماں یا باپ سے کبھی سامنا ہو گیا تو میں ان سے کہوں گا، آپ لوگوں کا میٹر بہت سست چل رہا ہے لہٰذا میں چیک کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے گھر میں بجلی کے کون کون سے آلات استعمال ہو رہے ہیں۔ اگرچہ کسی میٹر ریڈر کو ایسی کسی انکوائری کا اختیار حاصل نہیں لیکن ضرورت پڑنے پر کسی ایمرجنسی کی صورت میں اس بہانے سے کام چلایا جا سکتا تھا۔''

وہ سانس ہموار کرنے کے لئے چند لمحات کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''جب دو منٹ گزر جانے کے باوجود بھی نیلوفر دروازے پر نمودار نہیں ہوئی تو میری تشویش میں سنگینی بھی شامل ہو گئی۔ اس کے علاوہ گھر کے اندر پھیلا سناٹا بھی ایک عجیب سا تاثر پیدا کر رہا تھا لیکن چونکہ میں سیٹی کے جواب میں دستک کی آواز سن چکا تھا اس لئے مجھے یقین ہو گیا کہ نیلوفر ضرور گھر کے اندر موجود ہو گی۔ میں نے تھوڑی ہمت سے کام لیا اور .ند

دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دیکھا تا کہ صورتِ حال کا اندازہ لگایا جا سکے اور اسی وقت مجھے........ایک شدید جھٹکا لگا۔''

ملزم یکدم خاموش ہوا تو میں نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔

''تمہیں جھٹکا کیوں لگا تھا؟ کیا اس دروازے میں کرنٹ دوڑ رہا تھا؟''

''کرنٹ نہیں جناب!........وہ جھٹکا حیرت کے سبب تھا۔''

''حیرت........تمہیں کس بات پر حیرت ہوئی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے ہاتھ کے دباؤ سے وہ دروازہ بہ آہستگی کھلتا چلا گیا تھا۔'' ملزم نے سنسنی خیز انداز میں انکشاف کیا۔ ''اور........اس کھلے ہوئے دروازے سے میں نے ایک وحشت ناک منظر دیکھا۔''

''وحشت ناک........کیسا وحشت ناک منظر؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے دیکھا........نیلوفر کا باپ واحد علی اوندھے منہ سامنے فرش پر پڑا ہوا تھا........بیرونی دروازے کے قریب ہی........کامن میں........!''

''پھر تم نے کیا، کیا؟'' میں نے استفسار جاری رکھا۔ ''کیا تم مقتول کے گھر میں داخل ہوئے تھے؟''

''نہیں جناب!'' اس نے ایک جھرجھری لے کر نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں مقتول کو ایسی حالت میں فرش پر پڑے دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ........اُلٹے قدموں واپس لوٹ آیا پھر میں جلد از جلد جائے وقوعہ سے دور ہوتا چلا گیا۔''

''غالباً واپسی کی راہ اختیار کرتے ہوئے تم تقریباً دوڑنے لگے تھے۔ تبھی استغاثہ کی ایک معزز گواہ کو ایسا لگا کہ تم افراتفری کے عالم میں جائے وقوعہ سے فرار ہو رہے ہو۔ ہے نا؟''

''جناب!'' ملزم نے خوفزدہ انداز میں اپنی بات کو آگے بڑھایا۔ ''میری آنکھوں نے جو وحشت ناک منظر دیکھا تھا اس کے بعد وہاں ایک لمحہ کے لئے رُکنے کی گنجائش بھی نہیں بچتی تھی۔ نیلوفر کے باپ کی حالت کو دیکھ کر میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ وہ اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر توقف کر کے سراسیمہ نظر سے حاضرینِ عدالت کی طرف دیکھا اور کہا۔

''میں وہ منظر دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہو گیا تھا کہ ان لمحات میں نیلوفر بھی میرے ذہن سے محو ہو گئی۔ بس اس وقت میری سوچ میں صرف ایک ہی بات باقی رہ گئی تھی کہ مجھے پہلی فرصت میں وہاں سے دور چلے جانا چاہئے اور........میں نے ایسا ہی کیا۔''

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے ملزم سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخواست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ اِز ایڈجارنڈ........!''

فوجداری مقدمات میں ابتداء میں عموماً مہینے بھر کی تاریخیں دی جاتی ہیں لیکن میں نے اس کیس میں جج کی ذاتی دلچسپی کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جلد از جلد اس کیس کو آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ جج کے اس عمل سے مجھے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ خود میری بھی یہی خواہش تھی۔

اگلی پیشی پر استغاثہ کی جانب سے دو گواہ پیش کئے گئے۔

ان میں ایک ملزم کا ٹھیکے دار بہرام تھا اور دوسری گواہ مقتول کی زیریں منزل والی ایک کرائے دار زبیدہ بائی تھی۔ بہرام نے سچ بولنے کا حلف اُٹھایا اور پھر اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کروا دیا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ جج سے اجازت لے کر جرح کے لئے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

وکیل استغاثہ لگ بھگ پندرہ منٹ تک گھما پھرا کر گواہ سے مختلف سوالات کرتا رہا اور وہ وکیل استغاثہ کے حسب منشاء جواب بھی دیتا رہا۔ اس ساری جرح بحث میں کام کی ایسی کوئی بات موجود نہیں تھی جسے آپ تک پہنچانے کے لئے کتاب کے قیمتی صفحات کا استعمال کیا جائے۔ وکیل استغاثہ کا سارا زور یہ ثابت کرنے کے لئے تھا کہ ملزم بہت ہی چالاک شخص تھا۔ وہ مقتول کی بیٹی سے ملنے کے لئے مختلف قسم کے بہانے تراشتا رہتا تھا اور بہرام سے اس نے کئی مرتبہ درخواست کی تھی کہ وہ اس کی ڈیوٹی اسی علاقے میں لگائے۔ وہ میٹر ریڈری کے لئے کہیں اور نہیں جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

اپنی باری پر میں جرح کے لئے بہرام والے کٹہرے کے قریب آ گیا۔ میں چند لمحے ٹٹولتی ہوئی نظر سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر استغاثہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے صرف ایک سوال کیا۔

''بہرام صاحب! کیا آپ ملزم سے کسی قسم کی کوئی دشمنی رکھتے ہیں؟''

"نہیں۔" اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

میں نے جرح موقوف کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد بہرام کو عدالت کے کمرے سے باہر بھیج دیا گیا۔ اب اس کی جگہ وٹنس باکس میں زبیدہ بائی کھڑی نظر آرہی تھی۔

زبیدہ بائی نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کروایا تو وکیل استغاثہ جرح کے لئے اس کے پاس چلا گیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وکیل استغاثہ نے اس گواہ پر کوئی خاص جرح نہیں کی تھی حالانکہ زبیدہ بائی ایک حوالے سے اس کیس میں آئی وٹنس یعنی چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اس بات کی دعوے دار تھی کہ اس نے وقوعہ کے روز ملزم کو مقتول کے گھر سے بڑی افراتفری کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا تھا۔ بہرحال...... وکیل استغاثہ نے زبیدہ بائی کو فارغ کیا تو میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہوں والے کٹہرے کے قریب آیا۔

میں زبیدہ بائی کو رسمی سے سوالات تک محدود نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے چند لمحات تک خاموش نظر سے اس کی شخصیت، سراپا اور چہرے کے خال و خط کا جائزہ لیا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"زبیدہ بائی! آپ کو مقتول کے کرائے دار کی حیثیت سے اس پورشن میں رہتے ہوئے کم و بیش کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "آنے والی گرمیوں میں پورے چار سال ہو جائیں گے۔"

"اس دوران آپ کو مقتول یا اس کی فیملی سے کسی قسم کی کوئی بڑی شکایت پیدا ہوئی؟"

"مقتول سے ہمیں صرف ایک ہی شکایت تھی۔" اس نے بتایا۔ "جس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔"

"کیا آپ کی مذکورہ شکایت کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق نکلتا ہے؟"

"میرا خیال ہے، نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میں پھر بھی بتا دیتی ہوں۔" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ دراصل بات یہ ہے کہ اس گھر میں کل تین فیمیلیز آباد تھیں یعنی بالائی منزل پر مقتول اور زیریں منزل کے دو پورشنز میں ہم لوگ اور قدیر بٹ کی فیملی لیکن بجلی اور گیس کا استعمال مشترکہ تھا۔ پورے گھر میں بجلی اور گیس کی سپلائی کے لئے صرف ایک ایک میٹر نصب تھا۔ جو بھی ہر ماہ بل آتا، مقتول اس رقم کو تین برابر حصوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا جو کہ سراسر ناانصافی والی بات ہے۔ مقتول کی فیملی گیارہ افراد پر مشتمل تھی اور ان کے ہاں مہمانوں کا بھی آنا جانا لگا رہتا تھا لہٰذا بجلی اور گیس کا

استعمال کرایہ داروں کی بہ نسبت زیادہ تھا۔ ہم میاں بیوی اور دو بچے ہیں۔ بٹ صاحب کی فیملی تو صرف دو افراد پر مشتمل ہے۔ ان کے ابھی بچے نہیں ہیں۔ ہم دونوں کرایہ دار مجموعی طور پر جتنی بجلی اور گیس استعمال کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ استعمال صرف مقتول کی فیملی کا تھا۔ یہ ہے اصل بات!"

زبیدہ بائی کی غیر متعلق وضاحت کو میں نے پوری توجہ سے سنا۔ جہاں مالک مکان، کرایہ داروں کے ساتھ ایک ہی عمارت میں رہائش پذیر ہو وہاں بجلی، پانی اور گیس کے استعمال کے حوالے سے ایسی شکایات اور مسائل اکثر سننے کو ملتے ہیں۔ میں زبیدہ بائی کو براہِ راست زیرِ سماعت کیس کی طرف لے آیا۔

"زبیدہ صاحبہ! آپ اس کیس میں ایک حوالے سے چشم دید گواہ ہیں۔ وقوعہ کے روز آپ نے ملزم کو مقتول کے گھر سے بڑی افراتفری کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا تھا جس سے آپ کو ایسا لگا کہ بالائی منزل پر کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے ملزم کو مقتول کے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا بلکہ جب میری اس پر نگاہ پڑی تو یہ تیزی سے سیڑھیاں اُتر کر نیچے آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ یہ اوپر کیا کرنے گیا تھا اور یوں گھبراہٹ بھرے انداز میں رخصت کیوں ہو رہا ہے جبکہ اس کا کام تو میٹر چیک کرنا تھا جو زیریں منزل پر سیڑھیوں کے شروع میں دیوار پر لگا ہوا ہے۔"

میں نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم شکیل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استغاثہ کی معزز گواہ زبیدہ بائی سے سوال کیا۔

"کیا آپ کو یقین ہے وقوعہ کے روز آپ نے اسی شخص کو سیڑھیوں کے راستے افراتفری کے عالم میں بالائی منزل سے زیریں منزل کی طرف آتے دیکھا تھا؟"

"جی ہاں...... مجھے سو فیصد یقین ہے۔"

"آپ وقت کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر سکتی ہیں؟"

"میرا خیال ہے اس وقت دن کے دو، ڈھائی بجے ہوں گے۔"

"کیا اس وقت آپ کے شوہر گھر میں موجود تھے؟"

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "فاروق کی فرنیچر وغیرہ کی دُکان ہے۔ وہ صبح دس گیارہ بجے گھر سے نکلتے ہیں اور پھر رات کو آٹھ بجے کے بعد ہی واپس لوٹتے ہیں۔"

"زبیدہ بائی! وقوعہ کے روز جب آپ نے ملزم کو مقتول کی سیڑھیاں اُترتے دیکھا اس

وقت آپ کہاں کھڑی تھیں .... اور کیا کر رہی تھیں؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

زبیدہ بائی نے جواب دیا۔ ''میں اس وقت اپنے پورشن کے داخلی دروازے میں کھڑی تھی۔''

مقتول کے گھر کی مکانیت کچھ اس طرح تھی کہ مین گیٹ سے اندر داخل ہوں تو پانچ فٹ دائیں سے بائیں خالی جگہ تھی۔ اسے آپ ایک طرح سے عمارت کا ''صحن'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ جگہ دراصل زیریں منزل والے پورشنز میں ہوا کی آمد و شد کے لئے خالی چھوڑی گئی تھی۔ اس کے بعد عمارت کے وسط سے بالائی منزل کے لئے زینہ چڑھتا تھا۔ اس زینے کی ابتداء میں دونوں جانب زیریں منزل پر واقع پورشنز کے داخلی دروازے تھے۔ زبیدہ بائی نے انہی دروازے کا ذکر کیا تھا۔ بلڈنگ کا مین گیٹ تو بند رہتا تھا لیکن اس گیٹ کے اندر بنا ایک پٹ کا چھوٹا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا تاکہ تمام لوگ اپنی مرضی سے اندر باہر آجا سکیں اور کسی کو کسی کے لئے گیٹ نہ کھولنا پڑے۔

میں نے پوچھا۔

''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ اپنے دروازے میں کھڑی کیا کر رہی تھیں؟''

''میں دراصل کچرے والی ٹوکری کو باہر رکھنے آئی تھی۔'' زبیدہ نے جواب دیا۔ ''سویپر عموماً دوپہر کے بعد کچرا اُٹھانے آتا ہے اور میں دوپہر کے کھانے کے بعد سونے کی عادی ہوں۔ اگر کچرے والی ٹوکری باہر نہ رکھی جائے تو وہ خواہ مخواہ دروازہ بجا کر نیند خراب کر دیتا ہے۔''

وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی، پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''سویپر دوپہر کے بعد تو آتا ہے لیکن اس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ دو بجے سے لے کر شام چھ بجے تک کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ وہ دراصل میونسپل کارپوریشن کا ملازم ہے۔ صبح وہ سرکاری ڈیوٹی پر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھروں میں کام کرنے کے لئے اس کا کوئی وقت مقرر نہیں اور .... وہ اکثر و بیشتر گول بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ وقوعہ کے روز اس نے چھٹی کر لی تھی۔''

زبیدہ بائی خاصی باتونی عورت تھی۔ ایسے لوگ ٹو دی پوائنٹ بات نہیں کر پاتے اور اِدھر اُدھر کی زیادہ سناتے ہیں۔ اور ان کی یہی فضول گوئی بعض اوقات بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ وہ غیر متعلقہ باتوں میں غیر محسوس طور پر کوئی کام کی بات بھی بول جاتے ہیں۔ زبیدہ بائی بھی ایسی ہی عورت تھی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''وقوعہ کے روز آپ نے ملزم کو مقتول کی سیڑھیوں سے افراتفری کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا تھا۔ کیا یہ اوپر بھی آپ کے سامنے ہی گیا تھا؟''

''جی نہیں .... میں نے اسے اوپر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ البتہ ....'' وہ اُلجھن زدہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ کر یکایک خاموش ہو گئی۔

''البتہ کیا زبیدہ بائی؟'' میں نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ملزم سے تھوڑی دیر پہلے چمکی کو اوپر جاتے دیکھا تھا۔''

''چمکی ....!'' میں نے باآواز بلند دُہرایا۔ ''یعنی مقتول کی پڑوسن روبینہ عرف چمکی جس کا شوہر سعودی عرب گیا ہوا ہے؟''

''جی ہاں .... میں اسی عورت کی بات کر رہی ہوں۔''

''زبیدہ بائی! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ چمکی کو آپ نے کتنے بجے مقتول کے گھر کی طرف جاتے دیکھا تھا؟''

''میرا خیال ہے .... وہ ایک اور ڈیڑھ کے بیچ کا کوئی وقت تھا۔''

''چمکی مقتول کے گھر کیا لینے گئی تھی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے کیا معلوم، وہ اُدھر کیوں گئی تھی؟'' زبیدہ بائی بیزاری سے بولی۔ ''مقتول کی بیوی بسم اللہ بیگم سے آج کل اس کی بڑی گہری دوستی ہے۔ وہ اسی سے ملنے گئی ہو گی۔''

زبیدہ بائی کے لہجے میں موجود طنز کو میں نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا لہٰذا حقیقت تک رسائی کے لئے میں نے اس سے استفسار کیا۔

''آپ کے انداز سے جھلکتا ہے کہ چمکی کا آپ کے گھر آنا جانا نہیں۔ کیا آپ کی اس سے دوستی نہیں یا کوئی ناراضگی چل رہی ہے؟''

''جب دوستی نہیں تو پھر ناراضگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

مقتول کی پڑوسن کرائے دار روبینہ عرف چمکی کے بارے میں، میں نے تفصیلی معلومات جمع کر لی تھیں۔ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ زبیدہ بائی کے منہ سے اس کا ذکر نکل آیا ورنہ مجھے ازخود اس کردار کو زیرِ سماعت کیس میں داخل کرنا تھا۔ میں نے زبیدہ بائی سے کہا۔

''میں محسوس کر رہا ہوں آپ چمکی کو پسند نہیں کرتیں؟''

”کوئی بھی گھر بار والی عورت اسے پسند نہیں کر سکتی۔“ اس بار زبیدہ بائی کے لہجے میں ناپسندیدگی کے ساتھ ہلکی سی نفرت بھی شامل ہوگئی۔

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ”کیوں.....چمکی میں ایسی کون سی خرابی ہے؟“

”یہ بڑی خطرناک عورت ہے جناب!“ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ ”خطرناک کن معنوں میں؟“

وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

”موصوفہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی کا بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے جناب!.......میرا مطلب ہے اسے دوسری عورتوں کے شوہروں پر ڈورے ڈالنے کا مرض لاحق ہے۔ اللہ ہر شوہر کو ایسی عورتوں سے بچائے۔ یہ گھر اُجاڑنے کی بڑی ماہر ہوتی ہیں۔“ اس نے لمحے بھر کو خاموش ہو کر ایک جھرجھری لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

”میں نے اس کی ”اسی کوالٹی“ کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے گھر میں آمدورفت کا موقع نہیں دیا۔ میں فاروق اور اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بہت خوش و خرم زندگی گزار رہی ہوں اور اس پُرسکون زندگی میں کسی قسم کا کوئی انتشار برداشت نہیں کر سکتی۔“

میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”یہ تو واقعی آپ نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔ کیا مقتول کی بیوی، چمکی کی اس کوالٹی سے واقف نہیں تھی؟“

استغاثہ نے زبیدہ بائی کو ملزم کے حوالے سے ایک چشم دید گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش کیا تھا لیکن میں نے اپنی مہارت استعمال کرتے ہوئے انتہائی غیر محسوس انداز میں اس کا اسٹیئرنگ اپنے مقصد کی جانب گھما لیا تھا۔ اس نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”واقف ہونا تو چاہئے.......بسم اللہ بیگم نے ماشاء اللہ! نو بچے پیدا کئے ہیں۔ وہ ایک طویل عرصے سے مقتول کو اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کئے ہوئے تھی۔ وہ کوئی بدھو قسم کی عورت بھی نہیں کہ چمکی کے تیوروں کو نہ پہچانتی ہو۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ چمکی کو اپنے گھر میں آزادانہ آنے جانے دیتی تھی تو یقیناً اس نے اس حوالے سے کچھ سوچ رکھا ہوگا۔“

”ممکن ہے، یہ سوچ رکھا ہو.......“ میں نے گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”کہ مقتول تو اب عمر کی اس منزل کو پہنچ چکا ہے جہاں ایسے چونچلوں کی طرف دھیان نہ جاتا ہو؟“

”بس، رہنے دیں۔“ زبیدہ بائی نے اپنے ہاتھ کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ”مردوں کی ایک خاص نفسیات ہوتی ہے۔ جوں جوں ان کی عمر کا آفتاب ڈھلنے لگتا ہے،

ان کی حرص و ہوس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ معدودے چند کو چھوڑ کر.......“

وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہوگئی۔ جملہ ادھورا چھوڑنے کا انداز بتاتا تھا کہ اسے احساس ہوگیا ہے وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔

”کیا آپ نے اس سلسلے میں مقتول کی بیوی کو خبردار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی؟“

”میں اپنے کام سے کام رکھنے والی عورت ہوں جناب!“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ”میں دوسروں کے معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتی۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ کس گھر میں کیا ہو رہا ہے.......کیوں ہو رہا ہے.......؟“

”بڑی اچھی بات ہے آپ کی۔“ میں نے ستائشی نظر سے استغاثہ کی گواہ کو دیکھا اور پوچھا۔ ”وقوعہ کے روز آپ نے ملزم کو دو ڈھائی بجے جائے وقوعہ سے گھبراہٹ کے عالم میں فرار ہوتے دیکھا لیکن آپ کو اس کی آمد یا وقتِ آمد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ازیں علاوہ، آپ نے اسی روز ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان مقتول کی پڑوسن روبینہ عرب چمکی کو مقتول کے گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ ذرا سوچ کر بتائیں، چمکی کی واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟“

”مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔“

”یعنی آپ نے چمکی کو مقتول کے گھر سے واپس جاتے نہیں دیکھا تھا؟“

”جی ہاں.......آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔“ زبیدہ بائی نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ”کیا چمکی کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ اس روز مقتول کے تمام بچے اپنے ماموں کے ساتھ حیدرآباد گئے ہوئے تھے اور مقتول کی بیگم بھی اپنی بہن سے ملنے نیو کراچی چلی گئی تھی؟“

”میں چمکی کی معلومات سے واقفیت نہیں رکھتی۔“

”کیا آپ خود یہ حقیقت جانتی تھیں؟“

”مجھے صرف اتنا پتہ تھا، مقتول کے بچے اپنے ماموں کے ہمراہ گئے ہیں۔“ زبیدہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”کہاں گئے ہیں.......یہ مجھے معلوم نہیں تھا اور نہ ہی مجھے اس بات کی کوئی خبر تھی کہ مقتول کی بیگم نیو کراچی گئی ہوئی ہے۔“

”اوکے!“ میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے گواہ سے استفسار کیا۔ ”استغاثہ کی عمارت اس نکتے پر کھڑی ہے کہ ملزم اور مقتول کی بیٹی نیلی کے درمیان پیار محبت کے معاملات

چل رہے تھے اور ملزم اکثر و بیشتر موقع پا کر نیلی سے میل ملاقات بھی کر لیتا تھا۔ آپ اس بارے میں کیا جانتی ہیں؟"

"میں نے بتایا ہے نا، میں اپنے کام سے کام رکھنے والی عورت ہوں۔" وہ قدرے بیزاری سے بولی۔ "دوسروں کی ٹوہ میں رہنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔ میں اسے گناہ کبیرہ سمجھتی ہوں۔ اس کیس سے پہلے مجھے ملزم اور نیلی کے معاملے کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں تو ملزم کو صرف ایک میٹر ریڈر سمجھتی تھی اور اسی لئے......" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوئی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"اسی لئے مجھے شدید حیرت بھی ہوئی تھی کہ ملزم مقتول کے گھر کیا لینے گیا تھا اور یوں افراتفری میں وہ فرار کیوں ہو رہا ہے۔"

زبیدہ بائی کچھ زیادہ ہی اپنے کام سے کام رکھنے والی عورت ثابت ہوئی تھی۔ بہر حال، اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ بستے ہیں۔ میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"زبیدہ صاحبہ! وہ بات دراصل یہ ہے کہ ملزم کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی۔ نیلی حیدر آباد گئی ہوئی ہے۔ وہ اس سے ملنے اوپر پہنچا اور زندہ نیلوفر کی بجائے جب اس کا سامنا مقتول کی لاش سے ہوا تو وہ بہت زیادہ گھبرا گیا پھر اسی گھبراہٹ میں وہ جائے وقوعہ سے فرار ہوا تھا۔"

"اچھا......" اس نے بڑے گمبھیر اور پراسرار انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی جیسے میں نے اسے کسی عالمی راز سے آگاہ کر دیا ہو۔ میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے مؤدب لہجے میں کہا۔

"مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا جنابِ عالی!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ وکیل استغاثہ نے جج سے درخواست کی۔ "جناب عالی! میں یہ چاہوں گا کہ کیس کی آئندہ پیشی کسی ایسے دن رکھی جائے جب معزز عدالت میں کسی اور کیس کی سماعت نہ ہو یا ایک آدھ کیس ہی ہوتا کہ ہمارے کیس کو زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔"

"آپ ایسا کسی خاص وجہ سے چاہتے ہیں؟" جج نے وکیل استغاثہ سے استفسار کیا۔

"جناب عالی! آنے والی پیشی پر میں استغاثہ کی سب سے اہم گواہ اور مقتول واحد علی کی بیوہ بسم اللہ بیگم کو شہادت کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مذکورہ گواہ پر میری جرح طوالت بھی کھینچ سکتی ہے۔ اس روز میں ملزم کو مجرم ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

جج نے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ "مسٹر بیگ! آپ کو اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"ناٹ ایٹ آل یور آنر!" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "وکیل استغاثہ نے اپنی خواہش کا اظہار کر کے درحقیقت میرے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ بسم اللہ بیگم پر جرح خاصی سیر حاصل ہونا چاہئے۔ استغاثہ کی اس اہم گواہ کو اس حوالے سے انفرادیت حاصل ہے کہ سب سے پہلے مقتول کی لاش کو اسی نے دیکھا تھا۔ جب وہ نیو کراچی سے واپس لوٹی تو اس کے شوہر کو قتل کیا جا چکا تھا اور......"

میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "......اور آئندہ پیشی پر میں بھی ایک چھوٹا سا آئٹم پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"آئٹم؟" جج نے اُلجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "یس یور آنر! میرے فاضل دوست کا دعویٰ ہے کہ وہ آئندہ پیشی پر میرے مؤکل کو مجرم ثابت کر کے دکھائیں گے۔ میرا آئٹم اسی سلسلے کا توڑ ہے۔ میں اپنے مؤکل کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔"

"مسٹر بیگ! کیا آپ یقیناً اپنے توڑ سے ملزم کو بے قصور ثابت کر کے دکھائیں گے؟"

"جی ہاں!" میں نے سر کو تعظیمی جنبش دی اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نہ صرف یہ کہ میں اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کر دوں گا بلکہ مجھے یقین ہے، میں مقتول واحد علی کے اصل قاتل کو بھی بے نقاب کر کے دکھا دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ اصل قاتل تک رسائی حاصل کر چکے ہیں؟"

"ایبسولیوٹلی یور آنر!" میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "لیکن میں آئندہ پیشی سے پہلے اس سلسلے میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا۔"

"اِٹس او کے مسٹر بیگ!" جج نے بردبار لہجے میں کہا۔

میں نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں اُلجھنوں اور اندیشوں کا ایک جال سا پھیل گیا تھا اور کچھ ایسی ہی کیفیت آئی او کریم بخش کی بھی تھی۔ وہ بھی مجھے خدشات اور تفکرات میں گھرا ہوا نظر آیا۔ میں نے اصل قاتل کو بے نقاب کرنے کے حوالے سے جو خاص آئٹم پیش کرنے کی بات کی تھی اس نے مخالف دھڑے کو واقعتاً پریشانی میں ڈال دیا تھا جو میرے لئے طمانیت کا باعث تھا۔ میں دوبارہ جج کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"یور آنر!" میں نے نہایت ہی فرمانبرداری سے کہا۔ "معزز عدالت سے میری چھوٹی سی درخواست ہے کہ آئندہ پیشی پر مقتول کی بیوہ بسم اللہ بیگم کے علاوہ اس کی پڑوسن روبینہ عرف چمکی کو بھی عدالت میں پیش کیا جائے۔"

"چمکی کو کیوں؟" وکیل استغاثہ نے فوراً اعتراض جڑ دیا۔ "اس کا زیرِ سماعت کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہے........لیکن آپ نے یہ تعلق نبھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی میرے فاضل دوست!" میں نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔ "استغاثہ کی ایک اہم گواہ زبیدہ بائی نے وقوعہ کے روز اسی چمکی کو جائے وقوعہ یعنی مقتول کے گھر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اپنی ہاؤ......" میں نے جملہ ادھورا چھوڑا، ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔

"چمکی کے اس کیس سے تعلق پر بعد میں بھی روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ فی الحال تو میں اسے اپنے آئٹم میں ایک کردار کی حیثیت سے شامل کرنا چاہتا ہوں........چمکی کو بھی اور زبیدہ بائی کو بھی........اس لئے اگر آئندہ پیشی پر یہ دونوں کردار عدالت کے کمرے میں موجود ہوں تو میرے آئٹم کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ دیٹس آل یور آنر!"

جج نے میری فرمائش پوری کرنے کے احکام جاری کر کے عدالت برخواست کر دی۔

منظر اسی عدالت کا تھا!

وٹنس باکس میں مقتول کی بیوہ بسم اللہ بیگم کھڑی نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک عام سی شکل و صورت کی مالک عورت تھی۔ کثرتِ زچگی نے اس کی مجموعی صحت کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بیوہ کی مخصوص افسردگی جھلک رہی تھی۔ میں نے اس کی عمر کے بارے میں اڑتالیس کا محتاط اندازہ قائم کیا۔ میرے خیال میں اگر وہ دو تین یا زیادہ سے زیادہ چار اولادوں سے آگے نہ بڑھی ہوتی تو اس کی صحت ایسی مخدوش اور وہ خود کسمپرسی کی حالت میں دکھائی نہ دیتی۔

میری مطلوبہ دیگر دونوں عورتیں بھی اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود تھیں۔ زبیدہ بائی سے تو گزشتہ پیشی پر بھرپور ملاقات ہو گئی تھی، اب میرا فوکس........یعنی میری نگاہ کا فوکس روبینہ عرف چمکی پر تھا۔ مجھے معلوم تھا چمکی کی عمر پینتیس سے متجاوز ہے۔ لیکن وہ پچیس سے زیادہ کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ تیکھے اور پُرکشش نقوش کی حامل ایک جاذب نگاہ اور نظر

فریب عورت تھی۔ زبیدہ بائی نے پچھلی پیشی پر اس کی جس اسپیشل کوالٹی کا ذکر کیا تھا، اگر اس میں کوئی کلام نہیں تھا تو پھر میں دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ اسے اپنے عزائم میں ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی ہو گی۔

زبیدہ بائی اور چمکی آپس میں خاصے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ چمکی نے دوسری طرف رخ کر رکھا تھا۔ وہ زبیدہ بائی کی جانب دیکھنے کی روادار نظر نہیں آتی تھی اور اس کا واضح سبب یہی تھا کہ زبیدہ بائی نے اس کے بارے میں جن زریں خیالات اور خصائل کا ذکر کیا تھا وہ رپورٹ چمکی تک پہنچ گئی تھی۔

جج کی آمد کے بعد عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے استفسار کیا۔ "مسٹر بیگ! پہلے استغاثہ کی گواہ کا بیان ہو گا یا آپ اپنا آئٹم پیش کریں گے؟ کیا آپ دونوں وکیل حضرات نے اس سلسلے میں آپس میں کچھ طے کیا ہے؟"

"ہمارے بیچ کچھ طے تو نہیں ہوا جناب عالی!" میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ "لیکن اگر پہلے گواہ کا بیان ہو جائے اور وکیل سرکار گواہ پر جرح کر لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ میں اپنا آئٹم اس کے بعد پیش کروں گا۔"

"تو اس کا مطلب ہے آپ استغاثہ کی گواہ پر جرح نہیں کریں گے؟"

"اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ضرور جرح کروں گا جناب عالی!" میں نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ "مگر آئٹم کی پیشکش کے بعد۔"

"اوکے مسٹر بیگ!" جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔

اس کے بعد مقتول کی بیوہ نے سچ بولنے کا حلف اُٹھایا اور اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس بیان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اسی سے ملتا جلتا بیان پہلے پولیس کو بھی دے چکی تھی۔ مثلاً یہ کہ وقوعہ کے روز وہ اپنی بہن سے ملنے نیو کراچی گئی تھی اور اسی صبح سارے بچے اپنے ماموں کے ہمراہ حیدرآباد چلے گئے تھے گھر میں صرف مقتول ہی تھا۔ اس روز گوشت کا ناغہ تھا لہٰذا مقتول کو فرصت ہی فرصت تھی۔ وہ گھر میں پڑا آرام کرتا رہے یا باہر جا کر دوستوں سے گپ شپ کرے۔ بیوہ بسم اللہ بیگم کے بیان کے مطابق جب سہ پہر میں وہ نیو کراچی سے واپس لوٹی تو اسے گھر کا داخلی دروازہ غیر مقفل ملا۔ دروازے کے کواڑ تو بھڑے ہوئے تھے لیکن اندر سے ان پر کنڈی وغیرہ نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس نے یہی سمجھا کہ اگر دروازے پر تالا موجود نہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ مقتول گھر میں موجود ہے۔ لیکن یہ بات اسے چبھنے لگی کہ مقتول نے

دروازے کو اندر سے کنڈی کیوں نہیں لگا رکھی۔ بہرحال وہ دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہو گئی اور اسی وقت مقتول کی لاش پر اس کی نظر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

وکیل استغاثہ اپنی باری پر جرح کے لئے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا اور وہ مختلف زاویوں سے گھما پھرا کر گواہ سے سوالات کرنے لگا۔ اس ساری جرح کا لب لباب یہ تھا کہ ملزم ایک شاطر اور چالاک شخص تھا۔ اس نے چال بازی سے مقتول کی بیٹی نیلی کو اپنی محبت کے جال میں پھانس لیا تھا۔ جب بسم اللہ بیگم کو ملزم کی اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے ملزم کو کھری کھری سنا ڈالیں اور کہا کہ آئندہ وہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ اس پر ملزم نے مقتول کی بیوی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اپنی محبت میں سچا ہے اور معاشرتی طور طریقے سے وہ نیلی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ نیلی کی ماں کو اس کی بات کا یقین نہ آیا اور اس نے محض ملزم کو آزمانے کے لئے کہہ دیا کہ اگر اس کی نیت میں کوئی فتور نہیں تو وہ موقع دیکھ کر براہِ راست مقتول سے اس سلسلے میں بات کرے۔ بسم اللہ بیگم یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ملزم اپنے عزائم میں کس حد تک پکا ہے۔ پھر جب بسم اللہ بیگم کا بھائی کراچی آیا تو اتفاق سے اسی روز اس کی ملزم سے ملاقات ہو گئی۔ وہ میٹر ریڈنگ کی بجائے ان کی سیڑھیوں میں موجود تھا۔ بسم اللہ بیگم نے ملزم سے کہا کہ آئندہ روز وہ دوپہر کے بعد آ کر مقتول سے ملاقات کر لے۔ اس وقت مقتول گھر میں اکیلا ہی ہوگا لہٰذا وہ سکون سے اپنی بات مقتول تک پہنچا سکے گا۔ وغیرہ وغیرہ.......!

ملزم کے بیان اور میری معلومات کے مطابق ملزم اور بسم اللہ بیگم کے درمیان نیلی سے محبت والے معاملات پر کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اس حوالے سے بسم اللہ بیگم نے سراسر غلط بیانی سے کام لیا تھا اور یہ خاصی تشویش ناک بات تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا وہ ملزم کو قتل کے اس کیس میں پھنسانے کی خواہاں ہے۔ یہ خواہش اس کی اپنی تھی یا وہ کسی دباؤ میں ایسا کر رہی تھی اس بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ یہ ساری پٹی اسے وکیل استغاثہ نے پڑھائی ہو۔ بہرحال وہ کھلا جھوٹ بول رہی تھی۔

جب کوئی انسان دروغ گوئی کا سہارا لیتا ہے تو وہ یقیناً کوئی جرم کا ارتکاب کر چکا ہوتا ہے یا جرم کرنے جا رہا ہوتا ہے اور یا پھر وہ کسی دوسرے کے جرم کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ اس کیس میں بسم اللہ بیگم کا کیا کردار تھا؟ اور وہ کس مقصد کی خاطر جھوٹ سے کام لینے کی کوشش کر رہی تھی؟ اس کا مجھے سراغ لگانا تھا۔

وکیل استغاثہ نے بسم اللہ بیگم کو فارغ کیا تو جج نے مجھ سے پوچھا۔ ''ناؤ یو آر ایٹ یور

لبرٹی۔ آپ کون سا آئٹم پیش کرنا چاہتے ہیں؟''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کٹہرے میں کھڑی بسم اللہ بیگم کے پاس پہنچ گیا۔ پھر جج کی اجازت سے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''بسم اللہ صاحبہ! کیا آپ کو کیرم کا کھیل کھیلنا آتا ہے؟''

اُس نے اس عجیب وغریب سوال پر حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا اور اُلجھن زدہ لہجے میں جواب دیا۔ ''جی ہاں........ مجھے کیرم کھیلنا آتا ہے۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''اب یہ بھی بتائیں کہ کیرم کی چپس میں سرخ رنگ کی چپ (گوٹی) کیا کہلاتی ہے؟''

''سرخ گوٹی کو رانی کہتے ہیں........ یعنی کوئین!''

''شاباش!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا اور اکیوزڈ باکس کی سمت بڑھ گیا۔

میں نے ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا تمہیں بھی کیرم کھیلنا آتا ہے؟''

''میں بہت زیادہ ماہر تو نہیں لیکن بس کھیل لیتا ہوں۔''

''کیرم کی گوٹیوں (چپس) کے بارے میں تو معلومات ہوں گی؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی ہاں!''

میں نے پوچھا۔ ''جس گوٹی کا سائز سب سے بڑا ہوتا ہے اور جس کی مدد سے دوسری گوٹیوں پر شاٹس لگائے جاتے ہیں اس گوٹی کا نام کیا ہے؟''

''اسٹرائیکر!''

''دیٹس رائٹ۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور حاضرین عدالت کی سمت دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''اب میں زبیدہ بائی اور روبینہ صاحبہ سے بھی کیرم کے بارے میں ایک ایک سوال پوچھوں گا۔ اس کے بعد اپنا آئٹم پیش کروں گا۔ کیا مذکورہ دونوں خواتین تیار ہیں؟''

مجھے یقین دلایا گیا کہ وہ دونوں کیرم کے کھیل کو سمجھتی ہیں اور میرے سوالات کے جواب کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ میں نے باری باری ان سے نہایت ہی آسان سوالات پوچھے۔ مثلاً کیرم بورڈ کے اندر گوٹیوں کی اسپیڈ کو بڑھانے کے لئے جو پاؤڈر استعمال کیا جاتا ہے اس کا نام کیا ہے؟ اور یہ کہ گوٹی جس سوراخ کے اندر ڈالی جاتی ہے اسے کیا کہتے ہیں؟ دونوں نے درست جواب دیئے تو میں نے انہیں پاس کر دیا۔

میری اس پُراسرار حرکت پر وکیل استغاثہ کو سب سے زیادہ پریشانی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا ڈرامہ کر رہا ہوں۔ جج بھی گہری دلچسپی سے میری کارروائی دیکھ رہا

تھا اور دیگر حاضرینِ عدالت کی حالت بھی دیدنی تھی۔ میں نے وہاں موجود تمام افراد کی اُلجھن، پریشانی، حیرت اور تعجب میں چار چاند لگاتے ہوئے با آواز بلند پٹے دار کو مخاطب کیا اور تحکمانہ انداز میں کہا۔

''ذرا مختار صاحب کو اندر بھیج دو!''

سب لوگ گردنیں موڑ کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد مختار نامی ایک شخص عدالت کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بڑا سا کیرم بورڈ، اس کے پورے لوازمات کے ساتھ اُٹھا رکھا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق وہ کیرم بورڈ ایک میز پر رکھ دیا گیا۔ اس مقصد کے لئے پیش کار کی میز کو استعمال کیا گیا تھا۔ جب مذکورہ کیرم بورڈ کو اچھی طرح سیٹ کر دیا گیا تو میں نے مختار کو کمرے سے باہر بھیج دیا۔ اس کے بعد میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! میں یہ چاہتا ہوں کہ استغاثہ کی گواہ بسم اللہ بیگم، زبیدہ بائی، روبینہ عرف چمکی اور ملزم شکیل کو باری باری اس کیرم کے پاس آ کر ایک شاٹ کھیلنے کی اجازت دی جائے پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ دکھائی دینے لگے گا۔''

''اس سے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' جج نے تحیر آمیز لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''یور آنر! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت چار نومبر کی سہ پہر دو تین بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ واقعاتی شواہد اور گواہوں کے بیان کے مطابق وقوعہ کے روز دو پہر ایک بجے سے لے کر چار بجے تک ملزم، چمکی اور بسم اللہ بیگم مقتول کے گھر کی طرف گئے ہیں اور .... زبیدہ بائی نے ملزم کو واپس جاتے اور چمکی کو اوپر چڑھتے دیکھا ہے لہٰذا میں نے اس ٹیسٹ کیس میں اسے بھی شامل کر لیا ہے۔ میرے تجربے اور اندازے کے مطابق زبیدہ بائی، چمکی اور بسم اللہ بیگم میں سے کوئی ایک قاتل ہو سکتی ہے۔ ملزم کی شمولیت اس لئے ضروری ہے کہ اصل قاتل کی نقاب کشائی کے ساتھ ساتھ اس کی بے گناہی کو بھی ثابت کیا جا سکے۔ دیٹس آل یور آنر!''

عدالت کے کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں موجود ہر ذی روح کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ میں نے دعویٰ ہی ایسا کر دیا تھا کہ سب کا ورطۂ حیرت میں چلے جانا لازمی بات تھی۔ میرے انداز میں ایک ڈرامائی کیفیت پائی جاتی تھی۔ جج سمیت عدالت کے کمرے میں موجود ہر شخص میرے آئٹم کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ جج نے میری پلاننگ سے اختلاف نہیں کیا اور میرے حسب منشا احکام صادر کر دیئے۔

سب سے پہلے زبیدہ بائی کیرم بورڈ والی میز کے پاس پہنچی۔ ان لوگوں کو کھڑے ہی شاٹ کھیلنا تھا کیونکہ پیش کار کی میز کے قریب اتنی جگہ موجود نہیں تھی کہ ان کے لئے چار کرسیاں بچھائی جاتیں۔ میں نے زبیدہ بائی سے کہا۔

''گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے واحد علی کو قتل نہیں کیا تو کوئی آپ کا ایک بال بھی بانکا نہیں کر سکے گا۔''

''میں کیوں گھبراؤں گی۔'' وہ پُر اعتماد لہجے میں بولی۔ ''آپ بتائیں، مجھے کرنا کیا ہے؟''

میں نے بتایا۔ ''اس کیرم بورڈ میں صرف ایک چپ موجود ہے یعنی سرخ رنگ کی رانی۔ آپ نے صرف ایک شاٹ کھیلنا ہے اور اس شاٹ میں کوشش کرنا ہے کہ رانی، پاکٹ میں چلی جائے۔''

''ٹھیک ہے، میں کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا اور اسٹرائیکر کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

''ایک منٹ!'' میں نے زبیدہ بائی کو شاٹ کھیلنے سے روکا اور حاضرینِ عدالت کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔ ''مطلوب صاحب! آپ بھی آ جائیں۔''

میری پکار کے جواب میں ایک دراز قامت شخص اُٹھ کر کھڑا ہوا اور میری جانب قدم بڑھا دیئے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک پولرائیڈ کیمرا بھی تھام رکھا تھا۔ میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہی مؤدب لہجے میں کہا۔

''یور آنر! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں ان چار افراد کے کھیلے گئے شاٹس کو فوٹو گراف کی صورت محفوظ کرنا چاہوں گا۔ مطلوب صاحب بہت اچھے فوٹو گرافر ہیں اور پولرائیڈ کیمرے کی وجہ سے ہمیں رزلٹ فوراً ہی مل جائے گا۔''

وکیل استغاثہ میری اس ڈرامائی کارروائی پر اس قدر اُلجھن کا شکار تھا کہ وہ اعتراض کرنا بھی بھول گیا تھا ورنہ اب تک میں نے جو کچھ کیا تھا اس پر درجن بھر اعتراضات کی گنجائش تو نکلتی ہی تھی۔

جج نے دلچسپ نظر سے مجھے دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''مسٹر بیگ! کیا یہ پولرائیڈ فوٹو گرافس اس کیس کو حل کرنے میں معاون ثابت ہوں گے؟''

''ہنڈرڈ اینڈ ون پرسنٹ یور آنر!'' میں نے قطعیت سے جواب دیا۔

جج نے فوٹو گرافر کو جوہر دکھانے کی اجازت دے دی۔

زبیدہ بائی نے شاٹ کھیلا اور کوئین کو پاکٹ کے اندر پہنچانے میں کامیاب ہو گئی۔

مطلوب نے زبیدہ بائی کے شاٹ کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا۔

زبیدہ بائی کے بعد چمکی نے میری ہدایات کے مطابق شاٹ کھیلا اور کوئین کو پاکٹ کر کے دکھا دیا۔ مطلوب کے ہاتھوں میں خفیف سی حرکت ہوئی اور یہ منظر بھی ایک الگ فوٹو گراف کی صورت محفوظ ہو گیا۔

اس کے بعد ملزم کو اس ٹرائل کے لئے پیش کیا گیا اور وہ بھی اس آسان سے امتحان میں پاس ہو گیا۔

سب سے آخر میں استغاثہ کی سب سے اہم گواہ اور مقتول کی بیوہ بسم اللہ بیگم نے شاٹ کھیلا۔ وہ دوسرے کھلاڑیوں کی بہ نسبت قدرے نروس دکھائی دیتی تھی اور اس نے خاصے اضطراری انداز میں شاٹ کھیلا۔ نتیجہ دوسرے کھلاڑیوں کے برعکس ہوا۔ کوئین تو پاکٹ نہ ہو سکی البتہ اسٹرائیکر پاکٹ کے دہانے پر اس طرح جا کر ”کھڑا“ ہو گیا جیسے خودکشی کا ارادہ رکھتا ہو۔

میں نے بسم اللہ بیگم کے کان میں سرگوشی کی۔ ”دل چھوٹا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔“

وہ جج کے حکم پر دوبارہ وٹنس باکس میں پہنچ گئی۔ قبل ازیں ملزم کو اکیوزڈ باکس میں پہنچایا جا چکا تھا اور زبیدہ اور چمکی وغیرہ بھی اپنی نشستوں پر براجمان ہو چکی تھیں۔ کیمرا مین مطلوب نے چاروں فوٹو گرافس میرے حوالے کئے تو میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یور آنر! یہ فوٹو گرافس آپ اپنے سامنے ٹیبل پر رکھ لیں۔ میں گواہ پر جرح کرتا ہوں۔ بہت جلد ان فوٹو گرافس کی ضرورت پیش آئے گی۔“

اب تک میں نے جو بھی ڈرامہ رچایا تھا وہ درحقیقت کسی کے بھی پلے نہیں پڑا تھا۔ میں نے دراصل ایسا پراسرار انداز اختیار کر رکھا تھا کہ ہر ذہن میں تجسس بھرا یہی خیال اُبھرتا تھا..... دیکھتے ہیں، آگے کیا ہوتا ہے۔

میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا اور استغاثہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔ ”وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں، آپ نے بتایا ہے کہ آپ کو ملزم اور اپنی بیٹی کے درمیان جاری کھیل کی خبر ہو گئی تھی اور آپ نے ملزم کو اس حرکت پر خاصا جھاڑا بھی تھا۔ کیا آپ نے اتنے اہم واقعے کے بارے میں مقتول کو کچھ بتایا تھا؟“

”نن....... نہیں۔“ وہ ہچکچاہٹ بھرے انداز میں بولی۔

”کیوں نہیں؟“ میں نے اصراری لہجے میں دریافت کیا۔

اس نے تھوڑے تامل کے بعد جواب دیا۔ ”وہ دراصل بات یہ ہے کہ مقتول بہت زیادہ

غصے والا تھا۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ نیلی والے معاملے کی ہوا لگتے ہی وہ طیش میں آ جائے گا۔ ملزم تو بہت بعد میں اس کے ہتھے چڑھے گا البتہ وہ نیلی کو گائے بکری سمجھتے ہوئے ضرور کسی تیز چھری سے حلال کر ڈالے گا۔ اور میں سمجھتی ہوں ملزم کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہو گا۔“

”کیا مطلب؟“ اس کے مبہم انداز پر میں نے فوراً سوال کیا۔

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ”میں نے ملزم کو مشورہ دیا تھا کہ نیلی کے رشتے کے سلسلے میں وہ براہِ راست مقتول سے بات کرے۔ مجھے یقین ہے ملزم کی بات سنتے ہی مقتول غصے میں لال پیلا ہو گیا ہو گا۔ نتیجے میں ملزم کو غصہ آیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے ان کے درمیان ہاتھا پائی بھی ہوئی ہو اور ملزم نے اپنی جان چھڑانے کے لئے آہنی سلاخ سے مقتول پر حملہ کر دیا ہو...... یہ حملہ مقتول کے لئے جان لیوا ثابت ہوا ہو۔“

بسم اللہ بیگم کی زیادہ تر باتیں ”ایسا ہوا ہو گا، ویسا ہوا ہو گا“ پر مشتمل تھیں۔ وہ کھلم کھلا جھوٹ بول رہی تھی اور مجھے اس کی دروغ گوئی کو بے نقاب کرنا تھا۔ میں نے اس مقصد کی خاطر اس کے جھوٹ کے چوہے کو پکڑنے کے لئے فوٹو گرافس کا پنجرہ لگا دیا تھا۔ وہ بہت جلد میرے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے والی تھی۔

میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”بسم اللہ بیگم صاحبہ! ملزم سے پہلے آپ کی نیلوفر کا نوید سے بھی ایسا ہی چکر رہا تھا۔ کیا آپ کو اس معاملے کی بھی خبر تھی؟“

”جی نہیں....... بالکل نہیں۔“ وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

میں نے زاویہ سوالات کو تبدیل کرتے ہوئے استفسار کیا۔ ”وقوعہ کے روز آپ کے بچے تو صبح ہی اپنے ماموں افتخار کے ساتھ حیدر آباد چلے گئے تھے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ بھی اپنی بہن سے ملنے نیو کراچی روانہ ہو گئی تھیں۔ ذرا سوچ کر بتائیں، آپ اس روز کتنے بجے گھر سے نکلی تھیں؟“

”گیارہ بجے۔“ اس نے جواب دیا۔

”اور نیو کراچی کتنے بجے پہنچ گئی تھیں؟“

”رام سوامی سے نیو کراچی پہنچنے میں پونا گھنٹہ یا زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”میرا خیال ہے میں کوئی بارہ بجے کے قریب وہاں پہنچی تھی۔“

”اور واپسی آپ کی کتنے بجے ہوئی تھی؟“

”جب میں گھر پہنچی تو سہ پہر کے چار بجنے والے تھے۔“

"چار بجنے والے تھے......" میں نے زیرلب دہرایا۔ پھر گواہ سے پوچھا۔ "کیا آپ کی بہن فائیو ڈی، کالا اسکول کے علاقے میں رہتی ہے؟"

"جی ہاں......" گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے کہا۔ "آپ کی بہن کا نام سفینہ بیگم ہے اور حیدرآباد والے بھائی افتخار حسین کی سفینہ سے ناراضگی چل رہی ہے اس لئے وہ کراچی آیا تو سفینہ کے گھر نہیں گیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آپ غلط تو نہیں...... کہہ رہے لیکن......ایسی باتوں سے...... آخر آپ کا مقصد کیا ہے......؟" وہ بے حد اُلجھے ہوئے انداز میں مجھ سے مستفسر ہوئی۔

"مقصد ابھی آپ کے سامنے کھل جائے گا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "فی الحال میں آپ سے جو بھی پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں۔"

وہ خاموش نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ "میری تحقیق کے مطابق وقوعہ کے روز آپ نے سفینہ کے پاس بہت کم وقت گزارا تھا...... یہی کوئی آدھا پونا گھنٹہ۔ میری معلومات تو یہ ہیں کہ آپ اپنی بہن کے گھر سے پونے ایک بجے نکل آئی تھیں۔ اس حساب سے آپ کو زیادہ سے زیادہ پونے دو بجے اپنے گھر پہنچ جانا چاہئے تھا۔ پھر گھر پہنچتے پہنچتے آپ کو چار کیوں بج گئے؟"

میں نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ذہن میں رہے کہ اس سلسلے میں آپ کی بہن سفینہ بیگم کو گواہی کے لئے عدالت میں پیش بھی کیا جا سکتا ہے لہٰذا آپ جو بھی جواب دیں، بہت سوچ سمجھ کر دیں بسم اللہ بیگم صاحبہ!"

وہ لکنت زدہ لہجے میں بولی۔ "یہ...... ٹھیک ہے کہ...... میں پونے ایک بجے سفینہ کے گھر سے نکلی تھی لیکن...... اپنے گھر میں چار بجے ہی پہنچی تھی...... انسان کو راستے میں کوئی اور...... کام بھی تو ہو سکتے ہیں...... بہرحال، جب میں نے گھر میں قدم رکھا تو واحد علی کو قتل کیا جا چکا تھا......!"

بات ختم کرتے ہی وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے یہ کیوں بتا رہی ہیں کہ جب آپ گھر پہنچیں تو آپ کے شوہر کو قتل کیا جا چکا تھا۔ میں نے آپ سے یہ تو نہیں پوچھا۔"

وہ میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "پ...... پانی...... مجھے بہت زور کی پیاس لگی ہے۔"

میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہی نرمی سے کہا۔

"جنابِ عالی! استغاثہ کی سب سے اہم گواہ کے لئے فوراً پانی لانے کے احکام صادر کئے جائیں۔ ان کی حالت مجھے ٹھیک نظر نہیں آ رہی۔ اگر یہ پیاس سے نڈھال ہو کر وٹنس باکس میں ڈھیر ہو گئیں تو میرے آئٹم کا کیا ہو گا؟...... میں نے یہ ساری محنت بلاوجہ تو نہیں کی۔"

میری فرمائش پر بسم اللہ بیگم کو فوراً پانی پلایا گیا۔ وہ کٹہرے کی ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی تو میں نے روئے سخن جج کی طرف پھیرتے ہوئے بڑی کراری آواز میں بولنا شروع کیا۔

"یور آنر! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول واحد علی کی موت چار نومبر کی سہ پہر دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اب تک جو حالات و واقعات معزز عدالت کے سامنے لائے گئے ہیں ان کی رو سے ایک اور چار بجے کے درمیان ملزم، مقتول کی بیوہ اور چمکی کا جائے وقوعہ پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ میں نے احتیاطاً زبیدہ بائی کو بھی اپنے آئٹم میں شامل کر لیا ہے۔ اصل قاتل کی رونمائی کے لئے تفتیشی افسر کی رپورٹ بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے۔" میں لمحے بھر کے لئے سانس لینے کو متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یور آنر! اس کیس کی ابتداء میں میری طویل جرح کا سامنا کرتے ہوئے آئی او صاحب نے پورے وثوق سے معزز عدالت کو بتایا تھا کہ آلۂ قتل یعنی مذکورہ آہنی راڈ کی مدد سے مقتول کی دائیں کنپٹی کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ ضرب ایسی کاری اور مہلک ثابت ہوئی تھی کہ مقتول کی کھوپڑی کنپٹی پر سے چٹخ گئی اور اس نے موقع پر ہی جان دے دی۔ آئی او کی دائیں کنپٹی والی بات کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی تائید حاصل ہے......یعنی مقتول کی ہلاکت کا باعث اس کی دائیں کنپٹی پر لگنے والی آہنی راڈ کی ضرب ہی ہے۔ یہاں پر ایک اہم پوائنٹ سامنے آتا ہے۔"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر حاضرینِ عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش تلاش نہیں کی جا سکتی کہ اگر مقتول دائیں کنپٹی پر چوٹ کھا کر جاں بحق ہوا ہے تو قاتل نے یقینی طور پر اپنے بائیں ہاتھ سے یہ چوٹ لگائی ہو گی۔ یعنی قاتل کا لیفٹ ہینڈر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ چیک کرنا بہت آسان ہے کہ......"

"مم........میں نے کسی کو قتل نہیں کیا........مم........میں........"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی استغاثہ کی گواہ بسم اللہ بیگم ہیجانی انداز میں چلاّ اُٹھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنے بائیں ہاتھ کو گھورنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور دہشت گھلے مل کر بڑی اپنائیت اور خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ یہ بڑی دلچسپ سچویشن تھی۔

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے تعجب خیز انداز میں استفسار کیا۔ "یہ آپ کی گواہ کو کیا ہوا ہے وکیل صاحب؟"

اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ اپنی گواہ کے رویے کے سلسلے میں کوئی لنگڑی لولی وضاحت پیش کرتا، میں نے با آواز بلند تیکھے لہجے میں کہا۔

"جناب عالی! جس طرح "چور کی داڑھی میں تنکا" والی مثل مشہور ہے بالکل ویسے ہی ایک مثل "مجرم کے ضمیر پر بوجھ" بھی ہوتی ہے۔ یہ ابھی آپ نے استغاثہ کی گواہ بسم اللہ بیگم کے چلاّنے کی آواز نہیں سنی بلکہ ایک قاتل کے ضمیر پر موجود بوجھ نے اس کی زبان کو بے اختیار جنبش دی ہے۔"

"آپ یہ دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہیں کہ بسم اللہ بیگم نے اپنے شوہر کا خون کیا ہے؟" وکیل استغاثہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے احتجاجی لہجے میں پوچھا تاہم اس کے استفسار میں کوئی دم خم نہیں پایا جاتا تھا۔

میں نے وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے اپنے آئٹم کو اختتام دے دیا۔

"جنابِ عالی! گواہ کے چلاّنے سے قبل میں معزز عدالت کو ایک نہایت ہی اہم بات بتانے جا رہا تھا مگر میرا بیان ادھورا رہ گیا۔ خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ........ یہ چیک کرنا بہت آسان ہے کہ "کیرم بورڈ ٹیسٹ" میں شامل ان چار کھلاڑیوں میں سے لیفٹ ہینڈر کون ہے۔ ان چاروں نے اپنی زندگی کا ایک ایک نہایت ہی اہم شاٹ کھیلا ہے جس کا ثبوت پولرائیڈ فوٹو گرافس کی صورت میں حضور کے سامنے میز پر موجود ہے۔ ان فوٹو گرافس میں با آسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ لیفٹ ہینڈر........یعنی بائیں ہاتھ سے کام کا عادی کون ہے۔ دیٹس آل یور آنر!"

جج نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بڑی سرعت سے اپنے سامنے پھیلے ہوئے فوٹو گرافس کا جائزہ لینے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کے ہونٹوں سے سرسراتی آواز خارج ہوئی۔

"لیفٹ ہینڈر تو صرف مقتول کی بیوہ ہی ہے۔"

"اس سے ثابت ہوا کہ اپنے شوہر کی قاتل بھی وہی ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے بسم اللہ بیگم نے کٹہرے کے فرش پر بیٹھ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔ عدالت کے کمرے میں موجود ہر شخص بڑی حیرت اور تعجب سے اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا رونا دھونا اس بات کا ثبوت تھا کہ اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔

❁

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو بے گناہ تسلیم کرتے ہوئے باعزت بری کر دیا۔ بسم اللہ بیگم کے اقبالِ جرم کے بعد مزید کسی قسم کی فارمیلٹی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنے جرم کو مانتے ہوئے جو نیا بیان ریکارڈ کرایا، میں یہاں پر اس کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں تاکہ یہ کہانی مکمل ہو سکے۔

بسم اللہ بیگم نے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کو ہرگز قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ تو اسے چمکی کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی تھی اور اس کام کے لئے خاص طور پر وہ اس روز نیو کراچی گئی تھی تاکہ چمکی اور مقتول بڑی بے فکری سے ملاقات کریں۔ ازیں علاوہ، اس روز بچے گھر میں نہیں تھے۔ بسم اللہ بیگم کو اطمینان تھا کہ اس کارروائی کا بچوں پر اثر نہیں پڑے گا۔ وہ چمکی اور مقتول کے درمیان پروان چڑھنے والے چکر سے واقف ہو چکی تھی اور اپنے شوہر کو واپس لانا چاہتی تھی۔ اس کے کئی زیورات گھر کے اندر سے گم ہو گئے تھے اور اسے پورا یقین تھا کہ مقتول نے وہ زیورات چمکی کو دیئے ہوں گے۔ یہ صورتِ حال اس کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔ وہ اپنے شوہر کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر راہِ راست پر لانا چاہتی تھی۔

وہ نیو کراچی گئی اور واپس آ گئی۔ وہ لگ بھگ ڈیڑھ بجے اپنے گھر پہنچی تھی اور اس وقت چمکی گھر میں مقتول کے ساتھ موجود تھی۔ بسم اللہ بیگم کو دیکھتے ہی چمکی تو خاموشی سے کھسک لی اور بند دروازوں کے عقب میں میاں بیوی کے درمیان تلخ اور ترش گفتگو کا آغاز ہو گیا۔ یہ گفتگو گلے شکوے سے بڑھ کر گالم گلوچ تک پہنچی اور پھر ان میں باقاعدہ ہاتھا پائی ہونے لگی۔ یہ معاملہ اتنا آگے بڑھا کہ بسم اللہ بیگم پر ایک جنون سا سوار ہو گیا اور اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ کب اس نے آہنی سلاخ اُٹھا کر مقتول پر حملہ کر دیا تھا۔

جب اسے ہوش آیا تو مقتول کا من میں اوندھے منہ فرش پر مُردہ پڑا تھا۔ اسی لمحے

سیڑھیوں کی جانب سے اس نے مخصوص سیٹی کی آواز سنی۔ وہ ملزم اور نیلی والے معاملے سے واقف ہو چکی تھی لیکن ابھی تک یہ بات اس نے خود تک محدود رکھی ہوئی تھی۔ مقتول سے اس سلسلے میں بات چیت کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس کے ذہن میں شیطان نے فوراً یہ منصوبہ کھول دیا کہ اگر وہ تھوڑی ہوشیاری سے کام لے تو ملزم کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ ملزم کی مخصوص سیٹی کے جواب میں نیلی گھر کے داخلی دروازے پر اندر سے مخصوص دستک دیتی ہے۔ اس نے نیلی کے انداز میں دستک دی اور دروازے کی کنڈی کھول کر گھر کے اندر کہیں چھپ گئی۔ ایسی جگہ پر جہاں سے کامن واضح نظر آ رہا تھا۔

اُس کی اسکیم کامیاب رہی۔ ملزم گھر کے اندر پہنچا اور مقتول کی لاش کو دیکھتے ہی اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔ اس کے بعد بسم اللہ بیگم کا ذہن خود بخود شیطانی انداز میں سوچتا چلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ اپنے شوہر کی قاتل کی حیثیت سے کوئی اس کی طرف انگلی نہیں اٹھائے گا لیکن...... اس کی بدقسمتی کہ ایسا نہ ہو سکا۔

انسان اپنے طور پر پتہ نہیں کیا کیا سوچتا ہے اور اس سوچے ہوئے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھتا ہے کہ جرم کبھی نہیں پھلتا، مجرم کو قانونِ قدرت کے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہی پڑتے ہیں۔

بسم اللہ بیگم کے ساتھ بھی کچھ ایسے ہی حالات پیش آئے تھے۔

(تمت بالخیر)